صدرِ پاکستان

جنرل محمدّ ضیاء الحق

تقاریر

بارھواں حِصّہ

یکم جولائی — ۳۰ ستمبر ۱۹۸۰ء

صدرِ پاکستان

جنرل محمّد ضیاء الحق

تقاریر

بارہواں حِصّہ

یکم جولائی — ۳۰ ستمبر ۱۹۸۰ء

پیش لفظ

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی تقاریر پر مشتمل بارہویں جلد پیشِ خدمت ہے اس جلد میں جولائی ۱۹۸۰ء سے ستمبر ۱۹۸۰ء تک کے عرصے میں کی گئی تقاریر شامل ہیں۔ یہ ملک میں زکوٰۃ و عشر کے نفاذ کے اعلان کے فوراً بعد کا زمانہ ہے۔ اس دور میں نظامِ زکوٰۃ کو مستحکم کرنے اور اس کے فوائد مستحقین تک پہنچائے جانے پر زور دیا گیا تاکہ ان کے لئے روزی کے مستقل ذرائع پیدا ہوں اور انہیں دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔

اس سہ ماہی میں پہلا علماء کنونشن، اسلام آباد میں منعقد ہوا جس میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے نفاذِ اسلام کے سلسلے میں گزارشات پیش کیں اور زکوٰۃ و عشر اور فقہی اختلافات کے بارے میں بھی اظہارِ خیال کیا۔ اس دور میں پاکستان کے پہلے مشائخ کنونشن کا بھی انعقاد ہوا اور ملک میں نفاذِ اسلام کے بارے میں مشائخ کرام کے افکار سے استفادہ کیا گیا۔ اس عرصے میں پندرھویں صدی ہجری کی صد سالہ تقریبات

کے سلسلے میں قومی کانفرنس برائے تاریخ و ثقافت، قومی مسائلِ صحت کے موضوع پر سیمینار، گندم کی پیداوار اور تحقیق سے متعلق قومی سیمینار اور کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ کی ۷۵ سالہ جوبلی تقریبات کے سلسلے میں تقاریر اہم ہیں۔ ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء کو صدر نے فیصل آباد کا تفصیلی دورہ کیا اور خواتین کے دو تعلیمی اداروں، ایک ہسپتال اور ٹیلی ویژن بوسٹر کا افتتاح کیا۔ ان تقاریب سے خطابات کا متن بھی اس مجموعے میں شامل ہے۔

اس سہ ماہی کے آخر میں صدرِ مملکت، اسلامی وزرائے خارجہ کی دعوت پر ایران عراق جنگ کے خاتمے کے سلسلے میں تہران اور بغداد تشریف لے گئے تاکہ دو برادر اسلامی ممالک میں جنگ کا خاتمہ ہو سکے۔

اس جلد میں صدرِ مملکت کی تیس تقاریر شامل ہیں۔ ہر تقریر کے آغاز میں پس منظر کے طور پر مختصر تعارفی نوٹ دیا گیا ہے۔ نیز مجموعے کے آخر میں موضوعاتی اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ کسی خاص موضوع کو محققین، کتاب میں آسانی سے تلاش کر سکیں۔

(ادارہ)

قومی کانفرنس برائے تاریخ و ثقافت کی افتتاحی تقریب سے خطاب

اسلام آباد: ۳ جولائی، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت نے پندرھویں صدی ہجری کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں منعقدہ قومی کانفرنس کی افتتاحی تقریب سے خطاب کیا۔

اس کانفرنس کا اہتمام نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ نے کیا۔ کانفرنس کا موضوع "عالمِ اسلام دورِ حاضر میں" منتخب کیا گیا۔ شرکائے کانفرنس نے دورِ حاضر میں عالمِ اسلام کو درپیش مختلف مسائل اور اثرات کے رخ کا تقابلی جائزہ پیش کیا۔

آخر میں صدر نے دانشوروں کی توجہ نئی نسل کی طرف مبذول کرائی اور کہا کہ اس نسل کو آئندہ قیادت کے فرائض سنبھالنے ہیں۔ ان کی صحیح تربیت اور مناسب راہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین۔

صدسالہ تقریبات ہجری کی قومی کمیٹی کے چیئرمین، جناب اے۔ کے بروہی صاحب،

وفاقی وزیرِ تعلیم، جناب محمد علی خان صاحب،

تاریخی اور ثقافتی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر، ڈاکٹر این۔ اے۔ بلوچ صاحب،

مندوبینِ گرامی،

اور

معزّز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ عالموں، فاضلوں اور دانشوروں سے مزیّن اس قومی کانفرنس کا افتتاح میرے لیئے عزت اور خوشی کا باعث ہے۔ میں اسے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ ہم پاکستان میں پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات منعقد کرنے کے اہل ہوئے ہیں۔ یہ قومی کانفرنس اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا اہتمام نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ نے کیا ہے۔ اس

کانفرنس کا جو موضوع " عالم اسلام ــــ دور حاضر میں " منتخب کیا گیا ہے، وہ جتنا وسیع ہے، اتنا ہی اہم بھی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ مختلف اسکالر اور دانشور اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا مفصّل جائزہ لیں گے اور ان پر سیر حاصل تبصرہ کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کانفرنس میں پڑھے گئے مقالوں کو نہ صرف کتابی شکل میں محفوظ کیا جائے بلکہ کانفرنس کے آخر میں خاص خاص نکات تجاویز یا سفارشات کی شکل میں مرتب بھی کئے جائیں تاکہ ان سے استفادہ کیا جا سکے۔

میں دورِ حاضر میں عالمِ اسلام پر نظر ڈالتا ہوں تو میرے ذہن میں بیک وقت دو طرح کی تصویریں ابھرتی ہیں۔ ایک طرف مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ رشد و ہدایت کی جو روشنی چودہ سو سال پہلے عرب کے ایک لق و دق صحرا سے پھوٹی تھی، وہ آج کرۂ ارضی کے تقریباً تمام حصوں کو منوّر کر چکی ہے۔ بہت سے مسلمان سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے ملکوں کی محفوظ چار دیواری میں عزت و وقار کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ اسلام کو طرح طرح کے وسائل سے مالا مال کیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آج عالمِ اسلام ایک نئے شعور، ایک نئے جذبے اور ایک نئی تحریک سے آشنا ہو چکا ہے اور وہ عالمی برادری میں اپنا مؤثر اور مثبت کردار ادا کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

دورِ حاضر میں عالمِ اسلام کی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ آج بھی بہت سے مسلمان اپنے بنیادی حقوق سے محروم اور اپنی منزل سے دور ہیں۔ کہیں وہ حقِ خود ارادیت کو ترس رہے ہیں اور کہیں وہ سیاسی اور معاشی سامراجیت کے خلاف جد و جہد کر رہے ہیں۔ کہیں انہیں اپنے وطن سے نکال کر بے گھر کر دیا گیا ہے اور کہیں خلافِ مرضی ان پر ناپسندیدہ حکومت ٹھونس دی گئی ہے۔ اسی طرح تمام مسلمان ممالک کو صحیح

معنوں میں متحد کرنے اور ان کے جملہ وسائل کو مسلمانوں کی اجتماعی بہبود کے لئے بروئے کار لانے کا کام بھی ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ ابھی اقوامِ عالم میں انہیں ایک مؤثر اور فیصلہ کُن قوت بننے کے لئے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

ان دونوں رُخوں پر تقابلی نظر ڈالنے سے میرے ذہن میں جو مجموعی تاثر ابھرتا ہے، وہ خوشی، اُمید اور متوقع کامیابی کا ہے۔ عالمِ اسلام آج جن مسائل سے دوچار ہے، وہ ناقابلِ حل نہیں ہیں۔ ہم ان کی اہمیت، ان کے سیاق و سباق اور ان کے اثرات سے بخوبی واقف ہیں۔ ہم اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی عالمِ اسلام اپنی دشواریوں پر قابو پاکر ترقی اور تابناکی کے ایک نئے دور میں داخل ہو جائے گا اور پندرھویں صدی ہجری مسلمانوں کو اگر اوجِ ثُریّا پر نہیں تو کم از کم ایک قابلِ قدر اور قابلِ رشک مقام پر ضرور دیکھ سکے گی، انشاءاللہ، بشرطیکہ ہم اپنے فرائض کو پہچانیں اور اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر بروئے کار لائیں۔

میرے خیال میں ہمیں جن شعبوں پر خاص طور پر توجہ دینی چاہیئے، وہ تین ہیں۔ پہلا شعبہ اخلاقی انحطاط کا ہے جہاں ہمیں روزمرہ زندگی میں مسلمانوں کے قول و فعل میں تضاد نظر آتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ "مادّیت" کی دوڑ میں سرگرمِ عمل دکھائی دیتے ہیں۔ ذاتی مفاد کو ملکی اور ملّی مفاد سے برتر سمجھنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ گویا مجموعی طور پر اس دنیا کو آخرت پر مقدّم سمجھنے کے آثار پیدا ہو رہے ہیں حالانکہ خود قرآنِ حکیم میں اس کی تنبیہہ کی گئی ہے اور واضح الفاظ میں کہا گیا ہے ..... "مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے"۔ اس ارشادِ الٰہی کی روشنی میں اپنی ترجیحات کو درست کرنے اور گمراہی کے راستے کو ترک کرنے کی ضرورت ہے اور میرے خیال میں اس

کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے ایمان کو مضبوط بنائیں، اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑیں اور اپنے ہر عمل کے لئے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھیں۔ قوت ایمان پر زور دینے کی وجہ میرا یہ یقین ہے کہ مضبوط ایمان والے شخص کے اعمال کبھی کمزور یا گھٹیا نہیں ہو سکتے۔ مثلاً اس ہال میں موجود اگر ہر فرد کو یہ یقین ہو کہ میں نے جھوٹ بولا تو یہ چھت میرے سر پر گر کر مجھے کچل دے گی تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس چھت کے نیچے بیٹھا ہوا کوئی شخص جھوٹ نہیں بولے گا، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ذہن میں کہیں نہ کہیں "شک" کا کیڑا اپنا گھر بنا چکا ہے جو اسے یہ باور کرانے کی کوشش کرتا رہتا ہے کہ ممکن ہے جھوٹ بولنے سے چھت نہ گرے۔ لہٰذا سب سے پہلے ہمیں اپنے ذہن کے جالوں کو "شک" کے ان کیڑوں سے پاک کرنا ہوگا اور جب ہمارے اذہان پاک و صاف ہو جائیں گے تو انشاء اللہ ہمارے اعمال خود بخود درست ہو جائیں گے۔

دوسرا مسئلہ نظریاتی چیلنج کا ہے۔ بعض قومیں جو اسلامی نظریۂ حیات پر ایمان نہیں رکھتیں، بظاہر آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ان کا رنگ و بو اور ان کی آب و تاب ہم میں سے بعض لوگوں کے لئے بڑی کشش رکھتی ہے۔ بعض لوگ یہ چار روزہ زندگی زاہدِ خشک کی طرح بسر کرنے کے بجائے آرام و آسائش سے گزارنا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اسلام کشادگیٔ رزق کا مخالف نہیں۔ اسلام جدید ترقی اور خوشحالی کی راہ میں حائل نہیں۔ اسلام صرف اسراف اور عیش و عشرت کی ممانعت کرتا ہے، آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے سے منع نہیں کرتا۔

مسلم اور غیر مسلم کے تصورِ ترقی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مسلمان دوسرے تمام کاموں کی طرح ترقی کے عمل کو بھی ایک اعلیٰ تر و بالاتر نظام کے تابع سمجھتا ہے

جب کہ غیر مسلم ترقی برائے ترقی اور خوشحالی برائے خوشحالی کو مقصدِ حیات بنا لیتا ہے۔ میں کسی کے نظریۂ حیات کو تنقید کا ہدف بنانا نہیں چاہتا لیکن یہ ضرور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جہاں ترقی برائے ترقی کا تصوّر رائج ہے، وہاں انسان ایک عجیب کشمکش کا شکار ہو چکا ہے۔ سائنسی ترقی نے اس کی ذہنی طنابیں کھینچ کر رکھ دی ہیں۔ روزمرہ زندگی پر اخلاقی اقدار کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی ہے اور انسانی ذہن اضطراب، پریشانی اور وسوسوں کا شکار ہو چکا ہے۔ اسے روحانی سکون اور ذہنی راحت کی طلب اور تلاش ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح چودہ سو سال پہلے اسلام نے انسانی برادری کو ایک اور طرح کے بحران اور انحطاط سے نکالا تھا، اسی طرح وہ دورِ حاضر کے پریشانِ حال انسان کو بھی امن و سکون کی راہ دکھا سکتا ہے۔ ہمیں بحیثیت مسلمان جو بات عملی طور پر واضح کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور تسخیرِ کائنات کی کوششوں کی حمایت کرتا ہے اور وہ ان تمام کوششوں کو ایک اعلیٰ تر روحانی اور اخلاقی ضابطے کے تابع سمجھتا ہے تاکہ انسان، انسان کا استحصال نہ کر سکے، تاکہ مخلوق اپنے خالق کی نافرمانی نہ کر سکے اور انسان مادی ترقی کی تاریک راہوں میں گم ہونے کے بجائے اپنی تخلیق کے بنیادی مقصد کی تکمیل کر سکے۔

اس عظیم مقصد کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے ہمیں اپنے گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لینا ہو گا اور فوری نوعیت کے بعض بنیادی مسائل کو حل کرنا ہو گا۔ اس سلسلے میں ہمیں سب سے زیادہ توجہ جس کام پر دینا ہو گی، وہ فروغِ تعلیم ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اسلام میں تعلیم محض ایک سہولت نہیں جس سے ضرورت کے مطابق استفادہ کیا جائے بلکہ یہ فرض ہے، مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے،

جس کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ کہیں یہ حکم ہوا ہے کہ مہد سے لحد تک علم حاصل کرو اور کہیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ حصولِ علم کے لئے دور دراز علاقوں تک سفر کرنے سے بھی گریز نہ کرو۔ ایک طرف ان احکامات کو دیکھئے اور دوسری طرف عملی زندگی پر نظر ڈالیئے۔ بڑے دکھ کا مقام ہے کہ آج جب ترقی یافتہ ممالک چاند تاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں، عالمِ اسلام کے اکثر ممالک کی اکثر آبادی بنیادی تعلیم سے بھی محروم ہے۔ آج بھی بعض ایسے مسلمان ممالک موجود ہیں جہاں تعلیم کی شرح صرف پانچ یا سات فیصد ہے۔ خود پاکستان میں تعلیم یافتہ افراد کی تعداد کل آبادی کا صرف ایک چوتھائی ہے۔ جب تک ہم جہالت کے اس پردے کو چاک نہیں کریں گے، آئندہ صدی ہجری میں ترقی کے کسی منصوبے کو شرمندۂ تکمیل نہیں کر سکیں گے۔

تیسرا شعبہ جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں، اس کا تعلق ابلاغِ عامہ کے ذرائع سے ہے۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ ابلاغِ عامہ کے معروف ذرائع پر زیادہ تر غیر مسلموں کا قبضہ ہے جس کے دو نقصانات ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک مسلمان ملک کو دوسرے مسلمان ملک کی صحیح صورتِ حال کا علم نہیں ہوتا۔ ان کے درمیان عوام کی سطح پر معلومات کا جو تبادلہ ہوتا ہے، وہ عموماً تعصب کی آمیزش سے پاک نہیں ہوتا کیونکہ جن ذرائع سے یہ معلومات ایک مسلمان ملک سے دوسرے مسلمان ملک تک پہنچتی ہیں، ان کا کنٹرول ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہے جو مسلمانوں کو باہم متحد دیکھنا نہیں چاہتے۔ دوسرا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان ممالک کی جو خبریں غیر مسلم ممالک تک پہنچتی ہیں، وہ بھی عموماً مسخ شدہ ہوتی ہیں۔ اگر ایک مسلمان ملک

اپنے نظریۂ حیات کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لئے چند اقدامات کرتا ہے تو غیر ممالک میں صرف اس کے منفی پہلو مثلاً سنگساری، قطع ید اور کوڑے مارنے کی اطلاعات پہنچتی ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ابلاغِ عامہ کے شعبے میں بیک وقت دو محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ اسلام کے متعلق غیر مسلم ممالک میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، انہیں دور کیا جائے، اسلام کو ایک ترقی پسند اور رفاہی مذہب کے طور پر پیش کیا جائے اور انہیں یقین دلایا جائے کہ پندرھویں صدی ہجری کے آغاز میں احیائے اسلام کا مقصد صلیبی جنگوں کے دور کو تازہ کرنا نہیں بلکہ اس کرۂ ارضی پر بسنے والی بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا ہے۔ دوسرا محاذ عالمِ اسلام کا ہے جہاں ایک اسلامی ملک کے بارے میں دوسرے اسلامی ملک تک صحیح اور مستند معلومات پہنچانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ نہ صرف ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہ سکیں بلکہ باہمی معلومات کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب بھی آ سکیں۔

معزز خواتین و حضرات!

عالمِ اسلام کے متعلق تین بنیادی باتوں پر اظہارِ خیال کے بعد آخر میں مَیں نئی نسل کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جس کو پندرھویں صدی ہجری میں نہ صرف قیادت کے فرائض سنبھالنے ہیں بلکہ آئندہ کی قیادت کے لئے راہیں بھی متعین کرنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج اکثر پاکستانی نوجوانوں میں اسلام کے لئے قابلِ رشک حد تک محبت اور ولولہ پایا جاتا ہے اگر ان کی صحیح تربیت اور رہنمائی کی گئی تو مجھے یقین ہے کہ وہ دورِ حاضر میں عالمِ اسلام کو درپیش نظریاتی چیلنج کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے، اخلاقی انحطاط کا سدِباب کریں گے اور نظامِ اسلام پر مبنی معاشرے

کو مضبوط بنیادوں پر استوار کریں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہمارے ہاں بعض لوگ جن میں نوجوان بھی شامل ہیں، غیر اسلامی نظریات کی طرف راغب ہیں۔ ان کی وفاداریاں دینِ اسلام اور نظریۂ اسلام کی بجائے کہیں اور ہیں۔ یہ عناصر نفرت کے نہیں، ہمدردی کے لائق ہیں میرے خیال میں ان کی گمراہی کی وجہ یہ نہیں کہ کوئی بہتر اور زیادہ صحت مند نظریۂ حیات دریافت ہو گیا ہے بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ اسلام کی ماہیت، اس کی افادیت اور اس کی عظمت سے ناواقف ہیں۔ انہیں صحیح راہ دکھانے اور راہِ راست پر لانے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں اساتذہ، والدین اور ابلاغِ عامہ کے ذرائع نہایت مفید کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کی کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔

انہی تجربات اور انہی توقعات کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ انشاء اللہ آئندہ صدی ہجری نئی نسل کی صدی ہوگی، آئندہ صدی ہجری سائنس اور ٹیکنالوجی کی صدی ہوگی، آئندہ صدی ہجری احیائے اسلام اور فروغِ اسلام کی صدی ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ آئندہ صدی ہجری انشاء اللہ بنی نوعِ انسان کی ترقی، خوشحالی اور نجات کی صدی ہوگی۔

میں ان الفاظ کے ساتھ پندرھویں صدی ہجری سے متعلق اس قومی کانفرنس کا افتتاح کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کانفرنس کو ہر لحاظ سے کامیاب فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ جناب اے۔ کے بروہی کی رہنمائی میں اس طرح کی مزید کئی کامیاب تقریبات ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ انہیں دینِ اسلام کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقع دے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کی جانب سے دیئے گئے عشائیے کے موقع پر خطاب

اسلام آباد : ۶ جولائی ، ۱۹۸۰ء

کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز نے ۶ جولائی ، ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کے اعزاز میں ایک عشائیے کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں پاکستان کے صحافیوں، مدیران اور دوسرے معززین کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ اس موقع پر صدرِ مملکت نے تقریب کے شرکاء سے خطاب کیا۔ سنسر شپ کے بارے میں صدر نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ سنسر شپ کے نقصانات سے آگاہ ہیں۔ اس سے بدعنوان اور نااہل افسروں کو تحفظ ملتا ہے۔ ہماری منزل سنسر شپ یا مارشل لا نہیں بلکہ جمہوریت اور آزادیٔ اظہار ہے۔ منفی اثرات مرتب ہونے سے پہلے سنسر شپ ختم کر دی جائے گی۔

صدر نے کہا کہ صحافی ملک میں اسلامی اور قومی نظریات کے مخالف عناصر کو شکست دینے میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ملک و قوم کی تعمیر صرف حکومت کا کام نہیں، اس میں صحافیوں کا بھی بڑا حصہ ہے۔ ہم متوازن اور

صحت مند صحافت چاہتے ہیں۔ ایسی صحافت۔ جو پاکستان اور نظریۂ پاکستان کی علم بردار ہو۔

صدر نے یہ اُمید ظاہر کی کہ پاکستان نیوز پرنٹ میں خود کفالت کی منزل حاصل کرلے گا۔ حکومت سرکاری اشتہارات کے زخوں پر نظر ثانی کرے گی اور بہت جلد پریس بنچ قائم کر دیئے جائیں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

جناب زیڈ۔ اے۔ سلہری صاحب،

مدیرانِ کرام

اور

حاضرینِ گرامی !

السلام علیکم۔ میں اس عظیم الشّان عشائیے کے لئے سی پی۔ این۔ای کا خاص طور پر اس کے صدر جناب زیڈ۔ اے۔ سلہری صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے یہاں بلا کر میری عزّت افزائی فرمائی۔ میں نے سُنا ہے کہ آج سے بیس پچیس سال پہلے یہ خوشگوار روایت تھی کہ ملک یا حکومت کا سربراہ صحافیوں کے سالانہ عشائیے میں شرکت کرتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں یہ اچھی روایت ختم کر دی گئی۔ میرے خیال میں اسے دوبارہ زندہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس طرح حکومت اور اخبارات کو ایک دوسرے کا نقطۂ نظر سمجھنے اور باہمی مفاہمت کو فروغ دینے میں مدد ملتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر سال کے بجائے ہر سہ ماہی یا ہر ششماہی

ملاقات کا موقع نکالنا چاہیئے جس کی میزبانی کے فرائض کبھی ایڈیٹر ادا کریں اور کبھی حکومت، تاکہ تبادلۂ خیال کا یہ عمل متواتر جاری رہ سکے۔

میں نے بہرحال آپ سے رابطہ قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ رابطے کی ایک شکل چیدہ چیدہ مدیروں سے مہینے دو مہینے میں میری غیر رسمی بات چیت ہوتی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ میں اپنی روزمرہ کی مصروفیات کے بارے میں جو کچھ عرض کرتا ہوں، وہ آپ تک اور آپ کے ذریعے عوام تک پہنچتا رہتا ہے اور آپ اپنی اور عوام کی طرف سے جو کچھ اپنے اداریوں، کالموں یا خبروں کی شکل میں شائع کرتے ہیں، وہ ہر صبح میرے سامنے آجاتا ہے۔ مجھے اس سلسلے میں پریس ڈائجسٹ اور بعض اوقات اخباری تراشے بھی ملتے ہیں، لیکن میں زیادہ تر خود اخبارات اور جرائد کا مطالعہ کرتا ہوں کیونکہ میرے خیال میں خود اخبار پڑھنے کا کوئی نعم البدل نہیں۔

میں جب اپنا قیمتی وقت اخبارات کے مطالعے پر صرف کرتا ہوں تو ظاہر ہے میں ایسے اخبارات نہیں پڑھنا چاہتا جن کی رُوح سنسر نے قبض کر لی ہو۔ میں ایسے اخبارات پر بھی اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا جو قوم کی زندہ آواز کے بجائے کسی کے مردہ ضمیر کا نوحہ ہوں۔ لیکن میں اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دوں کہ میں اُن اخبارات اور جرائد کی بھی کوئی قدر نہیں کرتا جو قلم کی لاٹھی اندھا دُھند چلا کر مُلکی مفادات کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ میں اُن اخبارات کو بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جو چند کاپیاں زیادہ فروخت کرنے کے لئے تمام اخلاقی، قانونی اور انسانی اصولوں کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور میں اُن اخبارات کو بھی قابلِ مذمت سمجھتا ہوں جو محض بلیک میل کرنے کے لئے شرفاء کی پگڑیاں اچھالنا اپنا مقصدِ حیات سمجھتے ہیں۔ میں متوازن اور صحت مند صحافت چاہتا ہوں۔ میں ذمہ دار اور باشعور صحافت کا علمبردار ہوں۔ میں پاکستان اور نظریۂ اسلام سے وفاداری رکھنے والے اخبارات اور جرائد

کا دلدادہ ہوں۔

ہم نے ملک میں صحت مند، باشعور اور محبِ وطن صحافت کے فروغ کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ تین سال پہلے ملک میں مارشل لا لگا، سیاست پر پابندیاں عائد ہوئیں، سیاست دانوں کو بیان بازی سے روکا گیا، لیکن اخبارات کی آزادی پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ انہیں حالات کی ترجمانی کرنے اور حکومت کی پالیسیوں پر آزادانہ تنقید کرنے کی پوری پوری اجازت دی گئی۔ مجھے خوشی ہے کہ آج سی۔ پی۔ این۔ ای کے صدر جناب سلہری صاحب اس آزادیٔ صحافت کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن میں آپ سے یہ بھی درخواست کروں گا کہ آپ حکومت کو اس فیاضانہ اقدام کی داد دینے کے ساتھ ساتھ اپنے ہم پیشہ بھائیوں اور اپنے ہمعصر اخباروں کی کارکردگی پر بھی ایک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ انہوں نے اس آزادی کو کس طرح استعمال کیا؟ انہوں نے حکومت کی اس فراخدلی سے کیا ناجائز فائدہ اٹھایا اور آزادیٔ تحریر کے اس دور میں انہوں نے کیا کیا "قومی خدمات" انجام دیں۔ آپ گواہ ہیں کہ اس دور میں ایسی ایسی باتیں بھی شائع ہوئیں جنہیں پڑھ کر آزادیٔ صحافت کے بڑے سے بڑے علمبردار کو بھی شرم سے سر جھکانا پڑا۔ میری ذات کو چھوڑیئے، اس کی مجھے پروا نہیں، لیکن اس عرصے میں پاکستان، اسلام اور ہماری روزمرہ قومی زندگی کے متعلق ایسی غیر ذمہ دارانہ باتیں شائع کی گئیں کہ ملک کے سنجیدہ اور باشعور حلقے یہ سوچنے لگے کہ ہم آزادیٔ صحافت کی آڑ میں تباہی کے کس گڑھے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہم نے اس سارے عرصے میں یہ کوشش جاری رکھی کہ اخبارات کے خلاف سرکاری سطح پر کوئی کارروائی کرنے کے بجائے اخبارات کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ خود اپنا ضابطۂ اخلاق وضع کریں اور اس پر عمل درآمد کے لئے مناسب مشینری تیار کی جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ دو ڈھائی سال کی کوششوں کے باوجود یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا حتیٰ کہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۰ء کا دن آگیا جب ہمیں قومی زندگی کے ایک نئے دور

کا آغاز کرنا پڑا۔ پوری تیاری کے باوجود انتخابات آخری وقت ملتوی کرنے پڑے سیاسی پارٹیوں کو کالعدم قرار دینا پڑا اور ہر طرح کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگانا پڑی۔ ان حالات میں اخبارات پر سنسر شپ لگانا بھی ایک لازمی تقاضا تھا جسے پورا کئے بغیر مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا ہمیں بادلِ ناخواستہ یہ اقدام بھی اٹھانا پڑا۔ سنسر شپ پر عملدرآمد کے متعلق آپ کی شکایات اور آپ کے لطیفے مجھ تک پہنچتے رہتے ہیں جن کی روشنی میں ہم اس نظام کو سہل اور حقیقت پسندانہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وزارتِ اطلاعات ونشریات نے حال ہی میں بعض ہدایات بھی جاری کی ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ سنسر شپ بدعنوان، نااہل افسروں اور ملک دشمن عناصر کے لئے ڈھال نہ بننے پائے بلکہ سنسر شپ کو صرف ان مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے جن کے لئے یہ نافذ کیا گیا تھا۔

سنسر شپ کی حمایت میں دلائل دینے سے آپ یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ سنسر شپ ہماری قومی زندگی کا ایک مستقل حصّہ بن چکا ہے۔ جس طرح مارشل لا۔ ایک خاص قومی مجبوری کی وجہ سے نافذ کیا گیا تھا، اسی طرح سنسر شپ بھی ایک قومی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے لگایا گیا تھا۔ دونوں عارضی ہیں۔ دونوں کو جلد یا بدیر تبدیل ہونا ہے، کیونکہ مارشل لا اور سنسر ہماری منزل نہیں۔ ہماری منزل جمہوریّت اور آزادئ اظہار ہے، لیکن ایسی جمہوریّت اور ایسی آزادئ اظہار جو ملک وقوم کو افراتفری، انتشار اور تباہی کی طرف لے جانے کے بجائے استحکام، ترقی اور خوشحالی کی طرف لے جائے۔

میں سنسر شپ کے نقصان دہ اثرات سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ سنسر شپ کی وجہ سے فوری طور پر اطلاعات کا فقدان یا INFORMATION GAP پیدا ہوتا ہے جس سے طرح طرح کی افواہوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے اور اس کے غلط استعمال

سے بدعنوان اور نااہل عناصر کو تحفظ ملتا ہے، اور اگر اسے طویل عرصے تک جاری رکھا جائے تو قوم میں اجتماعی فکر اور اشتراکِ عمل کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور ملک ایک صحت مند اور متوازن طرزِ حیات سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہم انشاء اللہ یہ منفی اثرات مرتب ہونے سے پہلے مناسب موقع پر سنسرشپ نرم کر دیں گے یا اسے بالکل ختم کر دیں گے۔

آپ نے دوسرا مسئلہ ضابطہ اخلاق کا اٹھایا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس پر وزارتِ اطلاعات و نشریات اور سی۔پی۔این۔ای کے درمیان باہمی مفاہمت سے دستخط ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں ہر صوبائی دارالحکومت میں ایک ایک پریس بنچ قائم کرنا باقی ہے۔ وزارتِ اطلاعات نے بتایا ہے کہ اس ضابطہ اخلاق کو عملی جامہ پہنانے میں تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں چاروں صوبوں سے مشورے کے لئے کاغذات بھیجے گئے تھے اور فائلیں آنے جانے میں کچھ دیر ہو گئی۔ اب میں نے وزارتِ اطلاعات و نشریات کو ہدایت کی ہے کہ وہ مزید کسی تاخیر کے بغیر اسے عملی جامہ پہنائے تاکہ پریس سے متعلق تمام معاملات ضابطہ اخلاق کی روشنی میں پریس بنچ کے ذریعے طے پا سکیں۔

تیسرا مسئلہ نیوز پرنٹ کا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، نیوز پرنٹ ملک میں نہیں بنتا، اسے باہر سے درآمد کرنا پڑتا ہے۔ پہلے وزارتِ اطلاعات تمام اخبارات کے لئے سرکاری طور پر نیوز پرنٹ منگواتی تھی جس سے آپ کو بعض تکالیف اور بعض شکایتیں تھیں۔ ان شکایات کو رفع کرنے کے لئے ہم نے پچھلے سال سے آپ کو اپنی ضرورت کے مطابق خود نیوز پرنٹ درآمد کرنے کی اجازت دے دی تھی اور درآمد شدہ نیوز پرنٹ کو امپورٹ ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔ پھر بھی جو چھوٹی موٹی شکایات تھیں وہ اب موجودہ مالی سال میں دور کر دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت آپ کو ہر ممکن سہولت دینے کی کوشش کرے گی اور آپ کی تجویز کی روشنی میں ملک میں نیوز پرنٹ کا کارخانہ قائم کرنے

کے امکانات کا جائزہ لے گی۔

آپ کا چوتھا مسئلہ وہی ہے جو ہم سب کا ہے یعنی آمدنی کم اور خرچ زیادہ۔ آپ کو شکایت ہے کہ ایک طرف سرکاری اور غیر سرکاری اشتہارات کی شرح گزشتہ چھ سال سے کسی نظرِثانی کے بغیر چلی آ رہی ہے تو دوسری طرف ویج بورڈ ایوارڈ کے ذریعے تنخواہوں کا بوجھ دن بدن زیادہ ہو رہا ہے۔ تازہ ایوارڈ میں اس حد تک اضافہ کیا گیا ہے کہ صرف پی پی ایل کو مزید چھ لاکھ روپے ادا کرنا پڑے ہیں۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، ویج بورڈ موجودہ حکومت کی اختراع نہیں، یہ روایت گزشتہ بیس پچیس سال سے آپ کے تعاون کے ساتھ چل رہی ہے۔ پہلے کی طرح موجودہ ویج بورڈ میں بھی جو جسٹس منیر فاروقی کی سربراہی میں کام کرتا ہے، کُل آٹھ ارکان ہیں جن میں سے چار آپ کے نمائندے ہیں اور ان نمائندوں میں میر خلیل الرحمٰن، جناب مجید نظامی، قاضی عابد اور جناب منجل صاحب جیسی شخصیتیں شامل ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تازہ ایوارڈ جس کے اضافی مالی بوجھ کا آپ گِلہ کرتے ہیں آپ کے اتفاق رائے سے منظور کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس مالی بوجھ کی ذمہ داری درحقیقت حکومت پر نہیں آپ پر ہے، اور آخر اس اضافی خرچ سے مستفید ہونے والے خود آپ کے ہم قلم اور ہم پیشہ بہن بھائی ہیں، کوئی غیر تو نہیں ہیں۔

جہاں تک اشتہارات کی شرح کا تعلق ہے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ گزشتہ چھ سالوں میں اخبارات کی صنعت بھی گرانی کا شکار ہوئی ہے لیکن اشتہارات کی شرح میں اضافہ نہیں ہوا۔ میں وزارتِ اطلاعات و نشریات کو ہدایت کروں گا کہ وہ ان شرحوں میں مناسب اضافے کے لئے سفارشات مرتب کرے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس اضافے سے آپ کا اضافی مالی بوجھ ختم ہو جائے گا لیکن آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے آپ کے مالی بوجھ میں کمی

حد تک کمی واقع ہو جائے گی۔

آپ کی مالی حالت بہتر بنانے یا ملک میں معیارِ صحافت کو بلند کرنے کے لئے آپ جو بھی تجاویز پیش کریں گے، حکومت ان پر نہ صرف ہمدردانہ غور کرے گی بلکہ پوری سنجیدگی سے انہیں عملی جامہ پہنانے کی بھی کوشش کرے گی۔

مدیرانِ گرامی قدر! آخر میں میں آپ کی توجہ اس بنیادی مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ ملک و قوم کی تعمیر صرف حکومت کا کام نہیں، اس میں صحافیوں کا بھی بہت بڑا حصّہ ہوتا ہے۔ وہ ملک کا چوتھا ستون ہی نہیں گاڑی کا چوتھا پہیّہ بھی ہوتے ہیں۔ ان کے تعاون کے بغیر پیش قدمی مشکل ہے۔ ہم آج کل جس نازک دَور سے گزر رہے ہیں، اس میں آپ کے تعاون کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہمارے گرد و پیش حالات نئی کروٹ لے رہے ہیں۔ علاقائی صورتِ حال دن بدن پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ اندرونِ ملک ہم ایک آزاد قوم کی حیثیت سے پہلی مرتبہ اپنے بنیادی نظریۂ حیات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم ایک دَور کو پیچھے چھوڑ کر ایک نئے دَور میں داخل ہو رہے ہیں۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک بہت سی ایسی طاقتیں ہیں جو ہمیں کامیابی سے اپنی منزل کی طرف پیشقدمی کرتے دیکھ کر خوش نہیں ہیں۔ اُن کی کوشش ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے مسائل کی دلدل میں اتنے الجھ جائیں کہ ہمارے قدم آگے اُٹھنے کے بجائے ایک جگہ پر جامد ہو جائیں۔ ہمیں ان عناصر کو شکست دینے اور اپنی تابناک منزل کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا اور ایک دوسرے کا سہارا بننا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے ذمہ دار صحافی وقتی نشیب و فراز کے باوجود اس اعلیٰ قومی مقصد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں گے اور ابلاغِ عامہ کے اس پُر اثر ذریعے کو ملک و قوم کی ترقی اور خوشحالی کے لئے استعمال کریں گے۔

پاکستان زندہ باد

بھمبر پل کے افتتاح کے موقع پر خطاب

بھمبر۔ آزاد کشمیر : ۸ جولائی، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۸ جولائی، ۱۹۸۰ء کو آزاد کشمیر میں نالہ بھمبر پر تعمیر ہونے والے پل کا افتتاح کیا۔ پُل کے افتتاح کے بعد صدر نے کونسلروں اور دیگر عمائدین سے خطاب کیا۔

اس شاندار پُل کی تعمیر پر صدر نے فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کے ان افسران اور جوانوں کو مبارک باد دی جنہوں نے اس پل کی تعمیر میں حصہ لیا۔ صدر نے اس اُمید کا اظہار کیا کہ یہ پُل اس علاقے کی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔

گھریلو صنعتوں کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ گھریلو دست کاریوں کے شعبے پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔ اس کے علاوہ پھلوں کی کاشت کے فروغ اور انہیں ڈبوں میں بند کرنے کے کارخانے کی تجویز پر حکومتِ آزاد کشمیر سے مشورہ کرنے کا وعدہ کیا۔

میرپور سے بھمبر تک ریلوے لائن بچھانے اور اس علاقے میں سوئی گیس پہنچانے کے مطالبے پر صدر نے حکومتِ پاکستان کی جانب سے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

صدر آزاد جموں وکشمیر، بریگیڈیئر محمد حیات خان صاحب،

ایف ڈبلیو او کے ڈائریکٹر جنرل میجر جنرل مشتاق احمد گل صاحب،

کور آف انجنیئرز کے افسران اور جوانان،

کونسلر صاحبان

اور

معزز حاضرین!

السلام علیکم۔ میں اپنی موجودہ حیثیت میں تیسری بار آزاد کشمیر آیا ہوں۔ پہلے دو دورے مظفر آباد اور میر پور سے متعلق تھے اور آج پہلی مرتبہ بھمبر آنے کا اتفاق ہوا ہے میرے یہاں آنے کے دو مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ آپ سے ملاقات کی جائے اور باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعے آپ کے مشوروں سے فائدہ اٹھایا جائے اور دوسرے یہ کہ یہاں کے ترقیاتی کاموں کی رفتار کا جائزہ لیا جائے اور

جہاں کہیں حکومتِ پاکستان کے تعاون اور امداد کی ضرورت ہو اسے پورا کیا جائے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آج جس تاریخی پُل کا افتتاح ہو رہا ہے وہ ایف۔ ڈبلیو۔او نے تعمیر کیا ہے۔ اس شاندار پل کی تعمیر پر ایف۔ڈبلیو۔او کے تمام افسران اور جوان بجاطور پر فخر کر سکتے ہیں۔ میں اس کامیابی پر جنرل مشتاق گِل، بریگیڈیئر ہدایت اللہ نیازی، ان کے رفقاء اور عملے کو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔

نالہ بھمبر پر تعمیر ہونے والا یہ پُل اس علاقے کی ایک دیرینہ ضرورت پوری کرنے کے علاوہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے درمیان رابطے کی ایک کڑی کا بھی کام لے گا۔ اسے بجاطور پر "بابِ کشمیر" کا نام دیا گیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس پُل کی تعمیر سے اس علاقے کو مزید ترقی حاصل ہو گی۔

یہ پُل تعمیر کرنے والی تنظیم۔ ایف۔ڈبلیو۔او۔ یعنی فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن پاکستان آرمی کے شعبۂ انجنیئرنگ کا وہ اہم ادارہ ہے جو ملک کے دشوار گزار علاقوں میں مواصلات کا نظام تعمیر کر رہا ہے۔ اس ادارے کی کوششوں سے مکمل ہونے والے منصوبے بلوچستان سے لے کر شمالی علاقوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ایف۔ڈبلیو۔او کا سب سے نمایاں اور قابلِ رشک کارنامہ شاہراہِ قراقرم کی تعمیر ہے جو دو ہمسایہ ملکوں۔ پاکستان اور چین۔ کو آپس میں ملاتی ہے۔ بعض مبصّروں نے بجاطور پر اس شاہراہ کو دنیا کا آٹھواں عجوبہ قرار دیا ہے، کیونکہ قراقرم جیسے دشوار گزار سلسلۂ کوہ میں اتنی چوڑی اور اتنی اچھی شاہراہ تعمیر کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ جب تک یہ شاہراہ قائم ہے، ایف ڈبلیو او کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

۱۹۷۴ء میں ایف۔ڈبلیو۔او کا ایک شعبہ آزاد جموں وکشمیر میں ترقیاتی کاموں

ہیں مدد دینے کے لیے قائم کیا گیا۔ اس شعبے نے پچھلے چند سالوں میں کئی اہم ترقیاتی کام مکمل کر کے اپنی افادیت کا لوہا منوا لیا ہے۔ کشمیر کے مختلف حصّوں میں اس نے اب تک ساڑھے تین سو کلومیٹر سے زیادہ لمبی سڑکیں تعمیر کی ہیں اور کئی مزید سڑکوں پر کام ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ آزاد جموں و کشمیر کے تین علاقوں سَمَسَہ سَر سَاوا، گلپاری اور باغ میں تین پُل بھی تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ ان سڑکوں اور پُلوں کی تعمیر سے نہ صرف آزاد جموں و کشمیر کے مختلف علاقوں میں بسنے والوں کے درمیان رابطے کی بہتر سہولتیں مہیا ہو جائیں گی بلکہ یہاں کے پسماندہ علاقوں میں اقتصادی ترقی کے امکانات بھی پہلے سے کہیں زیادہ روشن ہو جائیں گے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ ایف ڈبلیو او کے افسر، جی سی او، اور جوان ان ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں اُسی محنت، لگن، فنی مہارت اور حب الوطنی کا مظاہرہ کریں گے جس کی بدولت وہ پہلے کئی مشکل منصوبوں کو عملی جامہ پہنا چکے ہیں۔

معزّز حاضرین! مجھے یہ بات بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں کہ حکومتِ پاکستان آزاد جموں و کشمیر کی ترقی میں گہری دلچسپی رکھتی ہے۔ اس کا ثبوت پیانامے کی تحریروں یا صدارتی تقریروں کے بجائے ان ترقیاتی کاموں میں ملتا ہے جو گزشتہ تین سالوں میں یہاں شروع کئے گئے ہیں یا مکمل کئے جا چکے ہیں۔ اس کی ایک جھلک ان رقوم میں بھی ملتی ہے جو سال بہ سال اس علاقے کی ترقی کے لئے مختص کی گئی ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ۱۹۷۶-۷۷ء میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے آزاد جموں و کشمیر کو ملنے والی ترقیاتی امداد کی رقم صرف بارہ کروڑ ساٹھ لاکھ روپے تھی جب کہ موجودہ مالی سال میں اسی کام کے لئے ۲۲ کروڑ پچاس لاکھ

روپے رکھے گئے ہیں جو سابقہ رقم سے اسی فیصد زیادہ ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ حکومتِ آزاد جموں و کشمیر گزشتہ مالی سال کے ترقیاتی ہدف (ٹارگٹ) حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے اور اب اس نے موجودہ مالی سال کے لئے ترقیاتی پروگرام کی بھی مکمل منصوبہ بندی کر لی ہے۔ اس لئے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ حکومتِ آزاد جموں و کشمیر کی کوششوں اور حکومتِ پاکستان کی مدد سے اب ترقیاتی کاموں کا دائرہ نہ صرف مزید علاقوں تک پھیل جائے گا بلکہ ترقیاتی کام منصوبے کے عین مطابق مکمل بھی کئے جا سکیں گے۔ انشاء اللہ ان ترقیاتی کاموں کی تکمیل سے یہاں بسنے والے لوگوں کی حالت بہتر ہو جائے گی۔

آزاد جموں و کشمیر کے مخصوص حالات کے پیش نظر میرے خیال میں یہاں بھاری صنعتوں کے بجائے درمیانے درجے کے کارخانوں اور گھریلو صنعتوں کی زیادہ گنجائش ہے۔ خاص طور پر چوبی صنعتوں اور سیاحت کے فروغ کے وسیع امکانات ہیں۔ اس کے علاوہ آزاد کشمیر کو اللہ تعالیٰ نے جنگلات کی دولت سے مالا مال کیا ہے جو نہ صرف اس حسین خطے کی زیب و زینت کا باعث ہیں بلکہ اس کی آب و ہوا کو خوشگوار بنانے اور اس کے مالی وسائل کو بڑھانے میں بھی بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہاں لکڑی پر روایتی فنکاری کے علاوہ لکڑی کے قیمتی ذخیرے کو کئی صنعتوں کے قیام کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ یہاں کے گھنے جنگلات، سرسبز پہاڑ اور خوبصورت جھیلیں سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض گھریلو دستکاریاں ایسی ہیں جو صرف کشمیر کے خوب صورت نام سے منسوب ہیں۔ میرے خیال میں ان شعبوں کو ترقی دینے پر بھی توجہ دی جانی چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں

کہ حکومتِ پاکستان ماضی کی طرح آئندہ بھی اس علاقے کی ترقی اور خوشحالی میں متواتر دلچسپی لیتی رہے گی۔

حکومتِ آزاد جموں وکشمیر کے صدر نے اپنے سپاسنامے میں جن مسائل کی طرف میری توجہ مبذول کرائی ہے، ان میں میرپور سے بھمبر تک ریلوے لائن بچھانے اور اس علاقے میں سوئی گیس پہنچانے کا مطالبہ شامل ہے یہ دورِ حاضر کی ایسی سہولتیں ہیں جنہیں ہر کوئی حاصل کرنے کے لئے بے قرار ہے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں کہ حکومت خواہ وہ مظفرآباد میں ہو یا اسلام آباد میں، عوام کے ان مطالبوں کو پورا کرنا نہیں چاہتی بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ دلی خواہش اور پوری توجہ کے باوجود بعض منصوبوں کے لئے وسائل مہیا کرنا مشکل ہے۔ ملک کے پاس جو وسائل موجود ہیں انہیں خاص قومی ترجیحات کے تحت خرچ کیا جا رہا ہے۔ میں حکومتِ آزاد جموں وکشمیر سے کہوں گا کہ وہ ان دونوں مسائل کا فنی لحاظ سے جائزہ لے، ماہرین سے مشورہ کرے اور دیکھے کہ یہ کام کس طرح اور کتنی جلدی شروع کئے جا سکتے ہیں۔ میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سلسلے میں جو امداد ہم سے ہو سکی ہم اس سے ہرگز گریز نہیں کریں گے۔

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہاں آنے کی دعوت دی اور اس تاریخی پُل کے افتتاح کی عزّت بخشی۔ اللہ تعالیٰ اس پُل کی تعمیر کو اس علاقے میں مزید ترقی کا پیشِ خیمہ بنائے۔ آمین!

آزاد جموں وکشمیر زندہ باد
پاکستان پائندہ باد

راولپنڈی کی زکوٰۃ کمیٹیوں اور بیت المال کے اراکین سے خطاب

راولپنڈی : ۱۵ جولائی، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۵ جولائی، ۱۹۸۰ء کو میونسپل لائبریری راولپنڈی میں زکوٰۃ کمیٹیوں اور بیت المال کے اراکین سے خطاب کیا۔ اس اجتماع میں راولپنڈی کے میئر، کونسلر صاحبان اور ڈسٹرکٹ کمیٹی کے اراکین نے بھی شرکت کی۔

صدر نے کہا کہ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے جس کے تحت معاشرے کے مخیر حضرات اپنی دولت کا مخصوص حصّہ غربا اور مستحقین میں تقسیم کرتے ہیں۔ نظامِ زکوٰۃ و عشر کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے بیت المال کی تنظیم بنائی گئی ہے۔

صدر نے لائبریریوں کی اہمیّت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ راولپنڈی میں دس لاکھ روپے کی رقم سے ایک معیاری لائبریری تعمیر کی جائے گی جس سے طالب علم اور شہری استفادہ کر سکیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین۔

معزز خواتین و حضرات !

السلام علیکم ۔ آج کے اس اجتماع میں راولپنڈی کی ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کے ارکان بھی شامل ہیں اور عہدہ دارانِ بیت المال راولپنڈی بھی شامل ہیں۔ میں راولپنڈی کے میئر اور کونسلر حضرات کا بھی مشکور ہوں کہ وہ یہاں تشریف لائے۔

اسلام ایک واحد دین ہے جو تمام نظامِ حیات کو ایک ترتیب اور تربیت کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ باقی دوسرے مذاہب سے یہ مختلف ہے کیونکہ یہ ایک ایسا دین ہے جو ظاہری انداز یا ظاہری طریقوں سے ہٹ کر انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے اور اسے تلقین کرتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے، یہاں کا سفر عارضی ہے، اس لئے یہاں انسان کو وہ کام کرنے چاہئیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور آخرت جو انسان کا اصل مقام ہے، وہ بہتر ہو اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔

اسلام کے پانچ ارکان میں سے زکوٰۃ ایک اہم رکن ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مخیّر حضرات اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنی دولت کا ایک مخصوص حصّہ غربا، یتامیٰ اور مستحقینِ زکوٰۃ میں تقسیم کریں۔ اس جذبے کے تحت جب ہم نظامِ زکوٰۃ کی تنظیم کر رہے تھے تو راولپنڈی کی انتظامیہ نے جناب کمشنر اور ڈپٹی کمشنر راولپنڈی کی زیرِ نگرانی ایک تنظیم بنائی جس کو بیت المال کا نام دیا گیا۔ تنظیم میں جیسا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی زبانی آپ نے سنا، اختیاری طور پر بائیس لاکھ روپے کی جمع کرائی گئی ہے۔ یہ ایک اختیاری تنظیم ہے اور میں یہاں یہ کہنے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ راولپنڈی کے اصحاب جنہوں نے تنظیم میں حصہ لیا وہ قابلِ تحسین ہیں۔ ان کا ہمیں نہ صرف شکریہ ادا کرنا چاہیئے بلکہ ان کی کوششوں کو سراہنا چاہیئے۔ راولپنڈی اور اسلام آباد دارالخلافہ بھی ہے اور چونکہ میرا زیادہ تر وقت راولپنڈی میں گزرتا ہے اس لئے میں نے اس نیک کام کو شروع کرنے کے لئے راولپنڈی کا انتخاب کیا۔ آج اس سلسلے میں دو تقاریب ہو رہی ہیں۔ ایک یہ بیت المال کی تقریب ہے اور اس کے بعد چھاؤنی کے ایک وارڈ میں زکوٰۃ کمیٹی کی ایک تقریب ہوگی۔ لوگوں کو بھی یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک اسلامی ملک میں اس قسم کے ادارے ہیں جہاں حکومت کی زیرِ نگرانی غریبوں، یتیموں اور مسکینوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے، جہاں ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے تھوڑی بہت رقم رکھی جاتی ہے جس سے انہیں کچھ سہارا مل سکے۔ اس قسم کی ایک تنظیم بیت المال ہے، اس لئے اس کا سراہنا اور بھی ضروری ہے کیونکہ آپ حضرات نے اس مد میں جو رقم دی ہے خواہ بطورِ زکوٰۃ یا بطورِ صدقہ، لیکن آپ نے اپنی حلال کی کمائی کا کچھ حصّہ ان لوگوں کے لئے مختص کرنے کا ارادہ کیا ہے جو اس کے حقدار ہیں۔

میں ضلع راولپنڈی کے ممبرانِ زکوٰۃ کمیٹی کا خاص طور پر مشکور ہوں کیونکہ جیسا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا ہے کہ راولپنڈی پاکستان کے امیر اضلاع میں سے نہیں ہے، لیکن بعض علاقے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت امیر ہیں۔ وہاں کارخانے ہیں یا دوسرے ذرائع ہیں جس سے لوگوں کی آمدنی دوسرے اضلاع کے لوگوں سے ذرا زیادہ ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، لیکن اس کے باوجود کہ یہ ایک امیر ضلع نہیں ہے، راولپنڈی کے لوگوں نے اختیاری طور پر بائیس لاکھ روپے کی رقم جمع کر لی ہے جو ایک قابلِ تعریف بات ہے۔ اب بیت المال کو اس طریقے سے چلانا چاہیئے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور اس کا فائدہ غرباء کو پہنچے۔ میرے خیال میں پاکستان میں ڈنڈوت کے بعد یہ دوسری سکیم ہے۔ راولپنڈی کے عوام کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے رضا کارانہ طور پر غریبوں کے لئے یہ تنظیم بنائی ہے۔

اب میں ایک دو اور باتوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حکومت نے زکوٰۃ و عشر کا نظام رائج کیا ہے اور اس کے مطابق زکوٰۃ جمع اور تقسیم کرنے کے لئے ہر سطح پر کمیٹیاں بنائی جا رہی ہیں۔ میں نے کمشنر صاحب سے راولپنڈی بیت المال کے بارے میں کچھ وضاحت چاہی تو معلوم ہوا کہ یہ آپ کا جذبۂ ایثار اور اسلام کے ساتھ محبت کا نتیجہ ہے کہ راولپنڈی ڈویژن میں بیت المال بنا۔ اس کا مقصد بھی تقریباً وہی ہے جو نظامِ زکوٰۃ اور عشر کا ہے، لیکن چونکہ نظامِ زکوٰۃ کا میں نے ۱۹۷۹ء میں بارہ ربیع الاوّل کے موقع پر اعلان کیا اور اس کے بعد زکوٰۃ آرڈیننس کافی عرصہ تک زیرِ بحث رہا اس میں بعض ایسے نکات تھے جن کے بارے میں شیعہ اور سُنّی حضرات کا آپس میں اتفاق ضروری تھا اس وجہ سے گفت و شنید میں کافی وقت

لگا اور پاکستان کے بہت سے علاقوں میں یہ تاثر پیدا ہونے لگا کہ شاید حکومت نظامِ زکوٰۃ نافذ کرنے میں بہت زیادہ مخلص نہیں۔ اسی دوران راولپنڈی ڈویژن میں بیت المال کے قیام کا یہ پہلا قدم اٹھایا گیا جو بہت اہم قدم ہے۔ اس محفل میں اپنی شرکت کو میں باعثِ فخر سمجھتا ہوں کیونکہ ایک تو مجھے آپ حضرات سے چند کلمات کہنے کا موقع ملا اور دوسرے مجھے اس نظام کی تشریح کرنے کا بھی موقع ملا۔

اکثر و بیشتر ہمارے ہاں وہ تمام تنظیمیں جن کے پیچھے حکومت کا ہاتھ ہوتا ہے، ان پر لوگوں کو بھروسہ ہونے کے بجائے عام طور پر یہ تاثر پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید یہ بھی ایک دھوکہ ہے اور یہ چند مہینوں یا ہفتوں کے اندر اندر یا تو انتظامیہ کے ہاتھ میں چلی جائے گی یا پھر اس کے پیچھے کوئی سیاسی مقصد ہو گا اس وجہ سے میں نے کمشنر صاحب سے کہا ہے کہ نظامِ زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ آپ اپنے بیت المال کو بھی جاری رکھیں کیونکہ اس میں جن حضرات نے رقم دی ہے، وہ اس بیت المال کی تنظیم پر بھروسہ کرتے ہوئے دی ہے۔ ممکن ہے کہ ابھی ان کا حکومت کے قائم کردہ نظامِ زکوٰۃ پر اتنا بھروسہ نہ ہو اس لئے دونوں تنظیموں کو ساتھ ساتھ چلایا جائے۔ میں نے لغاری صاحب سے یہ بھی کہا ہے کہ بیت المال کے عہدیداران اور تنظیم سے رابطہ قائم کرنے کے بعد آہستہ آہستہ جب لوگوں کو نظامِ زکوٰۃ پر بھروسہ ہو جائے تو پھر ان دونوں تنظیموں کو یکجا کر دیا جائے۔ کیونکہ ایک علاقے اور ایک شہر میں دو تنظیمیں نہیں چل سکتیں۔ بیت المال کے ذریعے صدقات اور خیرات کی رقوم کو مستحقین تک پہنچانا آپ کا کام ہے۔ اس میں انتظامیہ کا کوئی ہاتھ نہیں۔ بیت المال کے عہدیداران کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔ اس کی ایک ایگزیکٹو کمیٹی بھی ہے۔ میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں سے

بھی رابطہ قائم کریں۔ کیونکہ نظامِ زکوٰۃ کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں اور زکوٰۃ لینے والوں کے متعلق اتنی زیادہ پبلسٹی بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ میرا ذاتی خیال ہے اور میرے خیال میں اسلام کا نقطۂ نگاہ بھی یہی ہے، کیونکہ مستحقین کا ضمیر یہ گوارا نہیں کرتا کہ وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، خواہ اس کی ضرورت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ نظامِ زکوٰۃ اور بیت المال کا مشترک مقصد یہی ہے کہ غربا، مساکین اور دینی مدارس کے نادار طلبا، کی مدد کی جائے۔ ان فلاحی کاموں میں عوام کا حصہ ہو اور مستحقین کی کسی نہ کسی طرح مدد کی جائے۔

میں بیت المال کی تنظیم کے عہدیداروں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنا رابطہ راولپنڈی کی ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی اور اپنے اپنے علاقے کی زکوٰۃ کمیٹیوں سے بھی قائم رکھیں۔ آپ کی جو تیس حضرات کی بیت المال کمیٹی ہے، اس کو راولپنڈی کی پانچ لاکھ کی آبادی سے تعلق رکھنا ہوگا۔ اگر پانچ لاکھ کو تیس پر تقسیم کریں تو غور کریں کہ ایک علاقے کے کتنے آدمیوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا ہر ممبر کی ذمہ داری ہوگی تاکہ مستحقین کو رقم دی جا سکے۔ اس لئے اگر آپ کا تعلق زکوٰۃ کمیٹی اور زکوٰۃ کونسل سے رہے تو ممکن ہے کہ آپ کے علم میں اضافہ ہو، کیونکہ ہم نے ہر وارڈ کی سطح پر پندرہ سو، دو ہزار کی آبادی پر سات آٹھ اشخاص کی ایک کمیٹی قائم کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ زکوٰۃ کمیٹی، ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کونسل کے ماتحت رہ کر اپنے علاقے کے تمام مستحقین کا جائزہ لے گی اور یہ جائزہ لینے کے بعد جو رقم انہیں مہیا کی گئی ہے یا وہ رقم جو ان کے پاس اس علاقے کے رہنے والے لوگوں کی طرف سے بطور زکوٰۃ یا بطور عطیات وصول ہوئی ہے، صحیح طریقے سے مستحقین میں تقسیم کرے گی۔ اس طریقے کا فائدہ ضرور ہے، کیونکہ آج میں اور آپ مل کر زکوٰۃ کے فوائد بیان کر

رہے ہیں اور مستحقین کے دل میں یہ یقین دہانی پیدا کر رہے کہ حکومت، انتظامیہ اور عوام کے باہمی تعاون سے رضاکارانہ طور پر ایسے ادارے قائم ہو رہے ہیں جن سے ان لوگوں کی مدد کی جائے گی جن کی مدد کرنا اسلامی اور فلاحی نقطۂ نگاہ سے ضروری ہے۔ جن انیس اصحاب یا مستورات کا بیت المال کمیٹی نے چناؤ کیا ہے ہیں کچھ رقم جس کا بیت المال کمیٹی نے تعین کیا ہے، علیحدگی میں ان کے حوالے کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ آپ کو تو معلوم ہے کہ وہ کون اشخاص ہیں لیکن محفل عام میں انہیں کچھ دینا موزوں معلوم نہیں ہوتا۔

دوسری بات جس کا میں آپ سے ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہم نے پورے پاکستان کی طرح راولپنڈی شہر میں اور راولپنڈی ضلع میں ہر سطح پر یعنی شہری علاقوں میں ہر وارڈ میں اور دیہی علاقوں میں ہر گاؤں میں زکوٰۃ کمیٹی بنائی ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی کے سات سے آٹھ تک ارکان ہوں گے اور ان ارکان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے میں مستحقین کی تلاش کریں۔ جو رقم انہیں حکومت کی طرف سے دی گئی ہے یا وہاں کے علاقے کے لوگوں نے زکوٰۃ، صدقات اور عطیات کے طور پر انہیں دی ہے، اس کا صحیح طریقے پر استعمال کریں تاکہ لوگوں کو فائدہ ہو۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پہلا روزہ ہے۔ ماہِ رمضان کا آغاز ہے اور جہاں اور بہت سی برکتیں ماہِ رمضان کی وجہ سے حاصل ہیں، وہاں ہمیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان میں استحکام پیدا کرے، ہمیں آپس میں اتفاق سے رہنے کی توفیق اور پاکستان کی خدمت کرنے کا موقع دے اور ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم غرباء اور دوسرے مستحقین کی نہ صرف رمضان میں بلکہ پورا سال خدمت کر سکیں تاکہ پاکستان میں امیر اور غریب کے فرق

کو کم کیا جا سکے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں راولپنڈی ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی، بیت المال کمیٹی اور جناب میئر راولپنڈی اور کونسلر صاحبان کا مشکور ہوں کہ انہوں نے آج زکوٰۃ کی مہم کا آغاز کرنے میں مدد دی۔ مجھے اُمید ہے کہ یہاں پر موجود حضرات میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اللہ کے نزدیک صحیح معنوں میں متقی اور پرہیزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرمائے اور ان کی ان دعاؤں کے طفیل زکوٰۃ کی اس مہم کو کامیابی سے چلانے میں ہماری مدد فرمائے۔ یہ محفل آج ایک ایسی جگہ پر منعقد ہو رہی ہے جو ہمیشہ میرے دل کے قریب رہی ہے۔ مجھے لائبریریوں سے محبت ہے۔ فوج اور سول انتظامیہ میں، شہروں میں جہاں بھی میں گیا ہوں وہاں میری یہ کوشش رہی ہے کہ اس علاقے میں رہنے والوں کو پڑھنے پڑھانے کے پورے مواقع میسر آئیں۔ ہر شہر اور ہر علاقے کے لوگوں کے شعور کا پتہ اس علاقے کی بہت سی چیزوں سے چلتا ہے۔ مثلاً رہنے سہنے کے طریقوں سے، سڑکوں سے، گلیوں سے، نالیوں کی صفائی سے، اس علاقے میں فلاحی اداروں سے اور سب سے بڑھ کر اس قسم کے اداروں سے جیسے کہ لائبریری ہے۔ اس لائبریری کا انتظام راولپنڈی میونسپل کمیٹی کے ذمے ہے۔ راولپنڈی میونسپل کمیٹی کے وسائل ہماری بہت سی تنظیموں کی طرح بہت کم ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ اس لائبریری میں کچھ کتابیں بھی ہیں صرف لائبریری کا نام ہی نہیں ہے۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ پاکستان کا دارالخلافہ ہیں، اس لئے یہاں جو لائبریری ہو اس کا معیار اس قسم کا ہونا چاہیئے کہ وہاں نہ صرف ایک عام شخص کو اخبار پڑھنے کا موقع ملے، بلکہ طلباء کو بھی پڑھنے کے لئے کتابیں میسر آئیں اور دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کو دینی کتب بھی ملیں۔ یہ

لائبریری پاکستان میں اپنی قسم کی واحد لائبریری ہو جس کا نام راولپنڈی کی طرح صحیح معنوں میں اجاگر ہو سکے۔ اس کے لئے میں جناب میئر راولپنڈی صاحب سے درخواست کروں گا کہ میونسپل کمیٹی کے ارکان کی ایک کمیٹی بنائیں۔ میرے پاس لائبریری کے چند ایک خصوصی ماہرین موجود ہیں، ان میں سے تین اشخاص کی خدمات میں آپ کی میونسپل کمیٹی کے سپرد کر دوں گا تاکہ دس لاکھ روپئے کے منصوبے سے یہاں ایک ایسی لائبریری قائم ہو جو نہ صرف عمارت کے لحاظ سے اچھی ہو بلکہ اس میں اتنی کتابیں بھی میسّر ہوں کہ ان سے ہر ایک استفادہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سے پاکستانی اسلام کی طرف مائل ہیں، کیونکہ اگر یہ رجحان نہ ہوتا تو آج ہم اس زکوٰۃ کے نظام کو نافذ نہ کر پاتے، اس بیت المال کی تنظیم کی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت نہ کرتے، لیکن ہماری اور بہت سی ایسی خصلتیں ہیں جن کی طرف ہمیں خاص طور پر توجہ دینی چاہیئے۔ ہم بہت جذباتی ہیں، جس وقت پاکستانیوں کا جذبہ اشتعال انگیزی کی طرف مائل ہو تو ہم سب سے پہلے جلوس نکال لیتے ہیں اور جب جلوس نکلتا ہے تو سب سے پہلے بسوں کو جلاتا ہے۔ ایک دن بسیں جلانے کے بعد دوسرے دن شکایت کرتے ہیں کہ پاکستان میں بسیں کم ہیں لوگوں کے لئے رسل و رسائل کے ذرائع بہت کم ہیں۔ پھر ہمارا جو جوان طبقہ ہے وہ جس وقت اشتعال انگیزی کی طرف مائل ہوتا ہے، جلوس نکالتا ہے اور مظاہرے کرتا ہے تو سب سے پہلے عمارتوں کو جلاتا ہے۔ مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پچھلے نومبر میں یہاں کچھ اس قسم کی تخریبی کارروائیاں ہوئی ہیں جن میں راولپنڈی شہر کی دو لائبریریاں، جو طلباء کی اور خاص طور پر پڑھنے والوں کی بہت مدد کر رہی تھیں، جل کر خاکستر ہو گئیں۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ عراق میں سن بارہ سو ہجری میں جب ہلاکو خان نے حملہ کیا تھا تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ عراق کے کتب خانوں کو جلا دیا تھا تاکہ لوگوں کو پڑھنے پڑھانے کا موقع نہ ملے۔ ایک قوم کی ذہنی زندگی کا انحصار کتب خانوں اور پڑھنے پڑھانے کے اداروں پر ہوتا ہے۔ ان کی آئندہ ترقی کا دارومدار ان اداروں پر ہوتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ جہاں ہم غربا کی مدد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہاں اپنے اپنے شہر، اپنے اپنے محلے میں لائبریریوں پر بھی توجہ دیں۔

میں کونسلر حضرات سے خاص طور پر یہ درخواست کروں گا کہ آپ میونسپل کمیٹی میں ایسے ذرائع پیدا کریں جن سے پڑھنے پڑھانے کے مواقع زیادہ ملیں۔ مجھے اُمید ہے کہ وفاقی حکومت کی طرف سے یہ حقیر رقم جس کا منصوبہ میں آپ کی اعانت سے خود آپ کو بنا کے دوں گا، اس سلسلے میں کافی حد تک مفید ثابت ہوگی۔ میں یہاں راولپنڈی شہر میں خاص طور پر اس کا ذکر کر رہا ہوں کہ کل جب اس تقریب کے متعلق میری میئر صاحب سے بات چیت ہو رہی تھی تو انہوں نے خاص طور پر میری توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ آپ بیت المال کی تنظیم کی یہ تقریب ایک لائبریری میں کر رہے ہیں، اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ کی نظر صرف زکوٰۃ اور بیت المال کی طرف ہی نہیں رہے گی بلکہ میونسپل کمیٹی کی لائبریری کی طرف بھی آپ توجہ دیں گے۔ میں ان کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میری توجہ اس طرف دلائی اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاءاللہ عنقریب آپ کے توسط سے، آپ کی مدد سے، وفاقی حکومت کی مالی اور فنی مدد سے راولپنڈی شہر میں ایسی لائبریری قائم کی جائے گی جس سے یہاں کے رہنے والے استفادہ کر سکیں گے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

راولپنڈی کنٹونمنٹ بورڈ میں زکوٰۃ کمیٹی سے خطاب

راولپنڈی : ۱۵ جولائی، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت نے ۱۵ جولائی، ۱۹۸۰ء کو راولپنڈی کنٹونمنٹ بورڈ کے وارڈ ۱۲۴ کی زکوٰۃ کمیٹی سے خطاب کیا۔ اس تقریب میں ایڈمنسٹریٹر زکوٰۃ، آئی اے امتیازی، سٹیشن کمانڈر راولپنڈی، کونسلر حضرات اور معززینِ شہر کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔

یہ تقریب اس حوالے سے بھی اہم تھی کہ اس کا اہتمام یکم رمضان المبارک کو کیا گیا جو کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا مہینہ ہے۔ صدر نے کہا کہ نظام زکوٰۃ وعشر نافذ کرنے میں ہمیں کچھ وقت لگا اس میں کچھ دشواریاں بھی پیش آئیں، لیکن اس نظام کو خوش اسلوبی سے چلایا جائے گا اور پاکستان کے تمام لوگ اسے پسند کریں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

ایڈمنسٹریٹر زکوٰۃ ، آئی۔اے۔امتیازی صاحب ،
سٹیشن کمانڈر راولپنڈی ، کرنل ٹرسیلر صاحب ،
حلقہ نمبر ۱۱۴ کی زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین ، ملک محمد یوسف صاحب ،
کونسلر حضرات
اور
معزّز حاضرین !

السّلام علیکم۔ آج رمضان المبارک کی یکم تاریخ ہے اور یہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا مہینہ بھی ہے۔ نظامِ زکوٰۃ اسلام کے اہم ارکان میں سے ایک رکن ہے جو رفاہی پہلو لئے ہوئے ہے۔ یہاں آنے سے پہلے میں نے حلقہ نمبر ۱۱۴ کی زکوٰۃ کمیٹی کے ارکان اور ملک محمد یوسف صاحب سے کچھ گفتگو کی اور مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ اس زکوٰۃ کمیٹی کے ساتوں ارکان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس نظام

کو نہ صرف ٹھیک طور پر چلانے کے خواہش مند ہیں بلکہ ان کی یہ تمنا بھی ہے کہ وہ اپنے حلقے میں اس نظام کو صحیح معنوں میں کامیاب کر سکیں۔

آج کی اس تقریب کے لئے سب سے پہلے میں کرنل ٹریسیلر صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کل ان سے کہا تھا کہ صرف ایک وارڈ کمیٹی کا جلسہ بلائیے جس میں کمیٹی کے اراکین، اس حلقے کے معززین اور کنٹونمنٹ بورڈ کے کچھ کونسلر اور کچھ وائس چیئرمین شریک ہوں تاکہ اس مہم کا آغاز چھاؤنی کے علاقے سے ہو۔ یہاں آنے سے پہلے میں نے لیاقت باغ میں ایک اسی قسم کی تقریب میں شرکت کی جس کا اہتمام کمشنر راولپنڈی نے کیا تھا۔ اس تنظیم کا نام بیت المال ہے۔ وہ تنظیم بھی انہی خطوط پر استوار ہے جس کا کام زکوٰۃ، صدقات اور دوسرے عطیات جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کرنا ہے۔ یہاں میں آپ کی توجہ چند باتوں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے مجھے یہ افسوس ہے کہ نظام زکوٰۃ اور عُشر نافذ کرنے میں کچھ وقت لگا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ۱۹۷۹ء میں بارہ ربیع الاوّل کے موقع پر میں نے اس کا اعلان کیا تھا اور اس کے کچھ عرصے کے بعد اس نظام کو نافذ ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن اس نظام کے نفاذ میں کچھ دشواریاں پیش آئیں۔ ہمارا یہ ارادہ تھا کہ اس نظام کو مجموعی طور پر نہ صرف پاکستان کے تمام لوگ قبول کریں بلکہ اس کو خوش اسلوبی سے چلایا جائے۔ آپ نے یہ بھی سنا ہو گا کہ فقہ جعفریہ کے لحاظ سے زکوٰۃ کی تفصیلات کچھ مختلف ہیں۔ ہماری یہ توقع تھی کہ ہم پورے پاکستان کے لئے ایک طریقۂ کار نافذ کریں، لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہم اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ میں دین کے معاملے میں اس سے پہلے بھی اعلان کر چکا ہوں اور آج اس جلسے کی وساطت

سے دوبارہ اس بات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ دینِ اسلام آپس میں تفرقہ بازی کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک ہی دین کے نام لیوا، ایک ہی مذہب کے پیروکار چاہے فقہ حنفیہ کے پیروکار ہوں یا فقہ جعفریہ کے، ان میں آپس میں تصادم نہیں بلکہ تعاون ہونا چاہیئے اور سب کو مل کر دینِ اسلام کی خدمت کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ آپ نے میری زبانی پہلے بھی سنا ہوگا، میرا اعتقاد یہ ہے کہ اپنے عقیدے کو چھوڑو نہیں اور کسی کے عقیدے کو چھیڑو نہیں۔ اس لئے اگر میرے شیعہ بھائی یہ چاہتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ کا نظام اپنے عقیدے کے مطابق چلائیں تو میں نے اسے تسلیم کیا۔ اب تک جو طریقہ کار ہم نے اختیار کیا تھا اس میں تو کوئی ردّوبدل نہیں ہو سکتا البتہ آئندہ کے لئے جس کا اعلان ہم پندرہ ستمبر سے پہلے کریں گے، اگر ایسے قوانین ہیں جو فقہ جعفریہ سے متصادم ہیں تو ہم شیعہ برادری کے لئے ان کے فقہ کے مطابق گنجائش رکھیں گے تاکہ وہ ان کو اپنے فقہ کے مطابق ڈھال سکیں۔ آپس کا نفاق ہماری جڑیں کھوکھلی کر دے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ جو نظام ہم نے وضع کیا ہے اس میں پاکستان کے تمام مسلمان شریک ہوں۔ تمام مسلمان جن پر زکوٰۃ واجب ہے اور جو صاحبِ نصاب ہیں، وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

اس تقریب کے لئے وارڈ نمبر ۱۴۴ کا تعین جناب ٹریسلر صاحب نے کیا۔ میں ان کا مشکور ہوں کہ انہوں نے یہ تقریب کنٹونمنٹ کے سبزہ زار میں منعقد کی ہے۔ یہ نہایت سادہ تقریب ہے جو کہ عین دینِ اسلام کے مطابق ہے۔ ٹریسلر صاحب کا تو تعلق عیسائی مذہب سے ہے لیکن انہوں نے جس مخلصانہ طریقے سے اس چھاؤنی میں خدمات انجام دیں اور جس خوش اسلوبی سے انہوں

نے اسلامی قوانین کی تشہیر کی ہے، اس کے لئے مجھے اور آپ کو ان کا ممنون ہونا چاہیئے۔ مجھے اُمید ہے کہ آئندہ بھی وہ اسی مخلصانہ طریقے سے کنٹونمنٹ بورڈ کی خدمات انجام دیتے رہیں گے۔

زکوٰۃ کے بارے میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حکومتِ پاکستان نے اس نظام کے لئے ایک طریقۂ کار وضع کیا ہے۔ وفاقی سطح پر ایک کونسل ہے حکومت کی طرف سے جس کے ایڈمنسٹریٹر جنرل، جناب امتیازی صاحب ہیں۔ تمام انتظامی پہلو ان کی ذمہ داری ہے۔ اس طریقے سے ہر صوبے میں ایک صوبائی کونسل مقرر کی گئی ہے۔ ان کونسلوں میں وہ تمام حضرات شامل ہیں جن کا دینِ اسلام سے تعلق ہے۔ ان میں سُنّی حضرات بھی ہیں، شیعہ حضرات بھی اور اہلِ حدیث بھی ہیں۔ علماء کے تین تین نمائندے وفاقی اور صوبائی کونسل میں موجود ہیں۔ صوبائی سطح پر ہم نے اس کا جو ڈھانچہ بنایا ہے، اس کے ہر وارڈ اور ہر دیہات میں سات آٹھ منتخب افراد پر مشتمل ایک زکوٰۃ کونسل ہے۔ جس طرح ہم پاکستان میں ہر کام کو بدقسمتی سے سیاسی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں، اسی طرح لوگوں نے نظامِ زکوٰۃ اور عُشر کے متعلق بھی یہ سمجھا کہ شاید یہ موجودہ حکومت کی کوئی سیاسی تحریک ہے جس کے ذریعے سے یہ لوگ اپنے آپ کو مقبول بنانا چاہتے ہیں۔ اس لئے صحیح معنوں میں لوگوں نے اس ذوق و شوق سے حصہ نہیں لیا جس کی ہمیں توقع تھی۔ اس کے لئے وفاقی حکومت کی طرف سے کل انشاء اللہ امتیازی صاحب احکامات جاری کریں گے۔ ان تمام مقامات پر جہاں صحیح معنوں میں مساجد کے اندر بیٹھ کر اس علاقے کے تمام لوگوں کی شمولیت اور مرضی سے زکوٰۃ کمیٹی کا چناؤ نہیں ہوا وہاں یہ کام دوبارہ کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ کہنے میں بھی فخر محسوس کرتا ہوں کہ

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اور میری خوش قسمتی ہے کہ وارڈ نمبر ۱۱۴ میں متقی اور دینی نقطۂ نظر رکھنے والے لوگوں نے جن میں ملک یوسف صاحب بھی شامل ہیں۔ زکوٰۃ کمیٹی کے چناؤ میں پوری طرح دلچسپی لی۔ میں نے تمام ممبران سے علیٰحدہ علیٰحدہ گفتگو کی ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کی تمام زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران نے اگر اسی اخلاص سے کام کیا تو پھر یہ نظام انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کامیاب ہو گا۔

پاکستان میں زکوٰۃ کی وصولی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو جبری ہے اور دوسرا اختیاری۔ جبری پہلو یہ ہے کہ وہ تمام رقوم جو بنکوں میں، ڈاکخانوں میں، سیونگ اکاؤنٹس یا دوسرے اکاؤنٹس میں رکھی گئی تھیں۔ اس اصل رقم پر ڈھائی فیصد ہم نے جبری کاٹ لیا۔ آئندہ بھی انشاء اللہ یہی طریقۂ کار رہے گا۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ اس طریقۂ کار میں فقہ جعفریہ کے نقطۂ نگاہ کے مطابق کچھ تبدیلی کریں گے تاکہ شیعہ برادران کے اعتراضات کو رفع کیا جا سکے، باقی حضرات کے لئے اس نظام میں کوئی ردّو بدل نہیں ہو گا۔

اس طریقۂ کار پر کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ سود اور اصل رقم دونوں میں سے ڈھائی فیصد رقم کاٹ لی گئی ہے اور چونکہ سود سے رقم کاٹ لی گئی ہے اس لئے یہ زکوٰۃ ناپاک ہو گئی ہے۔ یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ بنک میں جو ہزار دو ہزار کی رقم جمع ہے، اس پر سود لینا تو حرام نہیں، لیکن اس سود میں سے اگر ڈھائی فی صد زکوٰۃ کاٹ لی جائے تو یہ زکوٰۃ ناپاک ہو گئی۔ آپ کی اطلاع کے لئے میں یہ وضاحت کر دوں کہ جو ڈھائی فیصد زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے، وہ اصل رقم سے کاٹی جاتی ہے۔ کل کچھ لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ صاحب نصاب ہونے کے لئے ضیاء الحق نے اپنا ہی

معیار مقرر کر لیا ہے کہ ہر وہ شخص جس کا ایک ہزار روپیہ بنک میں جمع ہے، وہ صاحب نصاب ہو گیا۔ یہ تاثر بالکل غلط ہے۔ صاحبِ نصاب ہونے کا جو معیار شریعت نے مقرر کیا ہے، اس میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے، لیکن شریعت کو اپنے مطابق ڈھال لینا صحیح نہیں۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ وہ شخص جس کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اس سے زائد ہو تو وہ صاحبِ نصاب ہے۔ ہم یہ علی الاعلان کہتے ہیں کہ دیکھئے آج کل ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت چودہ ہزار روپے کے لگ بھگ ہے۔ اس لئے ہر وہ شخص جس کے پاس چودہ ہزار روپے نہیں ہیں، وہ صاحبِ نصاب نہیں ہے، لیکن ساڑھے باون تولے چاندی کو ہم بھول جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے متعلق آپ سے کہا ہے۔ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت آج کل کے حساب سے دو ہزار چھ سو روپے کے لگ بھگ بنتی ہے۔ کیا یہ دینی فرض نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہر وہ شخص جس کے پاس دو ہزار چھ سو روپے کے لگ بھگ رقم ہے، وہ اپنے آپ کو صاحبِ نصاب سمجھے۔ یہاں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایک ہزار رقم جو ہم نے مقرر کی ہے، یہ ہر رقم کے مالک کو صاحبِ نصاب نہیں بناتی۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص صرف ایک ہزار روپے کا مالک ہے تو میرے نقطۂ نظر سے وہ صاحبِ نصاب نہیں ہے، اس لئے وہ مستحقین میں شامل ہو گا اور بطور مستحق کے زکوٰۃ لینے کا حقدار ہو گا۔ اگر ڈھائی فیصد کے حساب سے ہم نے ایک ہزار میں سے ۲۵ روپے کاٹ لئے تو بطور مستحق ہونے کے وہ زکوٰۃ کمیٹی سے پچیس روپے سے زیادہ رقم وصول کرے گا۔ ہم نے اس کے طریقۂ کار کی وضاحت کی ہے۔ وہ تمام اشخاص یا ادارے جن کی رقم ایک ہزار

روپے یا اس سے کچھ زیادہ ہے، وہ اس لحاظ سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں، ان کی رقم کاٹ تو لی گئی ہے، لیکن اس کے لئے ہم نے اعلان کیا ہے کہ وہ تمام اشخاص یا ادارے اپنے بنک کو یا پوسٹ ماسٹر کو عرضی دیں، اس پر نہ صرف غور کیا جائے گا بلکہ ان کی رقم واپس کر دی جائے گی۔ اس لئے زکوٰۃ کے متعلق لوگوں نے بہت سے خدشات کا اظہار کیا ہے۔ میں آپ سے صرف یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن بنایا ہے۔ جہاں نماز کا ذکر آیا ہے وہیں زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے۔ میرا اور آپ کا فرض ہے کہ ہم نہ صرف اس دینی رکن کو صحیح طور پر اپنائیں بلکہ اس کو کامیاب کرنے کی پوری کوشش کریں۔

اب وارڈ نمبر ۱۱۴ کو لیجئے۔ اس میں ٹیلی گراف کا علاقہ ہے، پوسٹ آفس کا علاقہ ہے، کشمیر روڈ ہے، مری روڈ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چھاؤنی کے علاقے میں بہت سے اہلِ ثروت اور مخیّر حضرات رہتے ہیں۔ میں ان تمام حضرات سے درخواست کروں گا کہ وہ کمیٹی سے جس کے سربراہ ملک محمد یوسف صاحب ہیں، نہ صرف تعاون کریں بلکہ اسے کامیاب بنانے کی پوری کوشش کریں۔ اس علاقے میں زیادہ تر مخیّر حضرات ہیں، بزنس کمیونٹی ہے اور زیادہ تر صاحبِ نصاب لوگ ہیں۔ ان کی طرف سے پانچ ہزار روپے کی رقم کا عطیہ بہت کم ہے۔ میں یہ توقع کروں گا کہ یہ لوگ فراخ دلی سے اپنی کمیٹی کو عطیات دیں گے تاکہ اس علاقے کے غربا، مساکین، نادار طلباء اور مستحقینِ زکوٰۃ کو ان کے حالات کے مطابق زکوٰۃ دی جا سکے۔ انہیں بھی رمضان کے مبارک مہینے میں روزے رکھنے کی خوشی حاصل ہو اور رمضان کے بعد جب عید آئے تو صحیح معنوں میں ان کی عید بھی ویسی ہی عید ہو جیسی کہ دوسرے مسلمانوں کی۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم

سے یہ نظام کامیاب ہوگا اور ہم امیر اور غریب کے فرق کو مٹانے میں کامیاب ہوں گے۔ مشتاق احمد صاحب کی طرف سے ایک عطیہ موصول ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ دیکھیئے، نیک کام اگر شروع کیا جائے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے لوگ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں ؏

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

ملک یوسف صاحب سے، آپ حضرات سے اور خاص طور پر زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران سے، کنٹونمنٹ بورڈ کے کونسلر صاحبان سے، جناب چیئرمین اور کرنل ٹریسلر صاحب سے میں یہ توقع کروں گا کہ وہ کنٹونمنٹ کے علاقے کی زکوٰۃ کمیٹیوں کا تفصیلی جائزہ لیں اور ان کو کامیاب بنانے میں مدد دیں۔ چھاؤنی کے علاقے کے کونے کونے، قریے قریے میں اس بات کا اعلان کریں کہ جو شخص صاحبِ نصاب ہے اس کا یہ فرض ہے کہ وہ رضا کارانہ طور پر زکوٰۃ فنڈ میں عطیات دے۔ بنکوں کے کھاتوں سے جبری طور پر زکوٰۃ کی رقم کاٹنے کے علاوہ ہم نہیں چاہتے کہ لوگوں سے جبری طور پر زکوٰۃ وصول کی جائے۔ خدا وہ وقت نہ لائے کہ اس سلسلے میں جبر کرنا پڑے۔ بنکوں کے علاوہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقۂ کار رضا کارانہ ہے۔ ہر صاحبِ نصاب سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ خود رضا کارانہ طور پر اپنی زکوٰۃ کی رقم کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ کمیٹی کے حوالے کرے۔ ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ زکوٰۃ کمیٹی سے سوال وجواب کر سکے کہ بتایئے آپ نے کتنی رقم زکوٰۃ کی مد میں جمع کی اور آپ نے کتنا خرچ کیا۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ کے قریب جو غریب غربا ہیں، ان کا پوری طرح خیال رکھیں۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک شخص تو پُرتعیّش زندگی گزارے، انواع واقسام کے کھانے کھائے اور اس کے پڑوس میں لوگوں کو سادہ روٹی

بھی میسّر نہ ہو۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے گا کہ ہم پاکستان کے غریب غربا کی مدد کر سکیں گے، مستحقین کو ان کا حق دلوا سکیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہم پر فرض ہے اس کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکیں گے۔

میں آپ حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ نے زحمت فرمائی اور مجھے اُمید ہے کہ آپ ذاتی طور پر بھی اس نظام کو چلانے کی نہ صرف بھرپور کوشش کریں گے بلکہ اس کی تشہیر میں بھی حصہ لیں گے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

اسلام آباد میں زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں سے خطاب

اسلام آباد: ۲۳ جولائی، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۳ جولائی، ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں سے خطاب کیا۔

صدر کی تقریر سے پہلے اسلام آباد کے سیکٹر ایف، ۷ کی لوکل زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین، جناب کرنل طفیل نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ اس خطبے میں کمیٹیوں کی حسنِ کارکردگی کے بارے میں مفصّل انداز میں ذکر کیا گیا۔

نظامِ زکوٰۃ کے سلسلے میں صدر نے ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس نظام میں زکوٰۃ کمیٹیاں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ غرباء و مساکین کا حق ان تک صحیح طور پر پہنچا دیں۔ اگر کہیں کوئی رکن یا کمیٹی کا چیئرمین عوام کے اعتماد پر پورا نہیں اترتا تو وہاں کے لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ نئے ایماندار شخص کو منتخب کریں۔

ملک سے گداگری کے خاتمے اور تمام دینی مدارس کی مجموعی حالت بہتر بنانے کے سلسلے میں صدر نے حکومت کی جانب سے ممکنہ اقدامات پر روشنی

ڈالی۔ آخر میں انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ زکوٰۃ کمیٹیوں کے اراکین اپنے فرائض احسن طریقے سے سرانجام دیں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ

وفاقی وزیرِ مملکت، جناب محمود علی صاحب،
سیکٹر ایف، سات، ایک کی لوکل زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین، جناب کرنل طفیل صاحب
اور
معزّز حاضرین!

السلام علیکم۔ مجھے آج اس محفل میں زیادہ تر صحافی حضرات نظر آرہے ہیں۔ مجھے ان سے معذرت کے ساتھ یہی کہنا ہے کہ اب میرے پاس کہنے کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اندریں حالات آپ اپنی کالم نویسی کا مواد اکٹھا کرنے کے بجائے اس بارے میں غور و فکر کریں کہ ہم نظامِ زکوٰۃ کو کس طرح مضبوط، مربوط اور فعّال بنا سکتے ہیں تاکہ آپ لوگ بھی ہماری طرح اس کارِ خیر میں حصہ لے سکیں۔ اس حوالے سے مَیں دو تین باتوں کا حسبِ سابق ضرور ذکر کروں گا۔ اس کے بعد دو اور محفلوں میں بھی جانا ہے وہاں بھی یہی دو باتیں دہراؤں گا تاکہ ان کی اہمیّت کو حاضرین پر واضح کیا جا

سکے، لیکن سب سے پہلے میں کرنل طفیل صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ ہم ایک ساتھ ملازمت کرتے رہے ہیں۔ ان کو یہ شکایت ہے کہ انہیں خطبۂ استقبالیہ پڑھنے کا اس سے پیشتر موقع نہیں ملا۔ اس بات کا مجھے علم نہیں تھا ورنہ ایسے مواقع انہیں مہیا کئے جا سکتے تھے۔ بہر حال آپ کی یہ اوّلین کوشش از حد قابلِ تعریف ہے اور میں ان تمام حضرات کو جو خطبۂ استقبالیہ پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں، کرنل صاحب کا خطبۂ استقبالیہ ازراہِ رشک دکھانے کی جسارت کر سکتا ہوں۔ اس خطبے میں نہایت مختصر مگر جامع طور پر حسن کارکردگی سے آگاہ کیا گیا ہے اور مستقبل کے بارے میں واضح اشارے کئے گئے ہیں۔

زکوٰۃ کے بارے میں اخبارات میں بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ جہاں اس کے بہت سے ناقد ہیں، وہاں اس نظام کے سراہنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ہمارے ملک میں پچیس سے تیس فی صد لوگ اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اگر اتنے فی صد لوگ ہی نظامِ زکوٰۃ کی برکتوں سے کماحقہٗ آگاہی حاصل کر لیں تو اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہوگی۔ کرنل طفیل صاحب نے کہا ہے کہ ہم نظامِ زکوٰۃ کی آخری کڑی ہیں۔ میرے خیال میں ہم نہ صرف پہلی کڑی ہیں بلکہ نہایت اہم کڑی ہیں۔ زکوٰۃ کمیٹیاں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں اور مقامی سطح پر تو ان کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کو حصولِ مقاصد کے لئے اپنے نصب العین کی حیثیت دی ہوئی ہے۔ میں مختلف مواقع پر مختلف مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں سے خطاب کرتا رہا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ زکوٰۃ کمیٹیوں کی بہتر کارکردگی سے ہی پورے نظام کو بطریقِ احسن چلایا جا سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ یہ زکوٰۃ کمیٹی نہایت مخلص لوگوں پر مشتمل ہے۔ میری اللہ تعالیٰ

سے دعا ہے کہ وہ اس زکوٰۃ کمیٹی اور دوسری زکوٰۃ کمیٹیوں کو صحیح معنوں میں لوگوں کی خدمت کرنے کا موقع فراہم کرے۔

آپ نے سود کے بارے میں استفسار کیا ہے۔ اس سلسلے میں مَیں نے ۱۹۷۹ء میں بارہ ربیع الاوّل کے موقع پر کہا تھا کہ تین سال کے اندر اس غیر اسلامی نظام کو ختم کر دیا جائے گا۔ زکوٰۃ آرڈی ننس کے اعلان کے وقت بھی میں نے اسلام آباد کی جامع مسجد میں سود کے بارے میں یہ کہا تھا کہ سودی نظام کو جو ہمارے نقطۂ نظر سے سراسر غیر اسلامی ہے، بہ یک جنبش قلم ختم نہیں کیا جا سکتا گو ہم چاہتے ضرور ہیں۔ جب سے زکوٰۃ آرڈی ننس نافذ ہوا ہے، مجھے لوگوں کی طرف سے بہت سے خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں شکوہ کیا گیا ہے کہ آپ نے ہماری بنک میں جمع شدہ رقم میں سے، جس پر کل نو فی صد منافع ملتا ہے، ڈھائی فی صد روپیہ کاٹ لیا ہے۔ یعنی لوگ سود کو منافع کا نام دیتے ہیں۔ اس طرح یہ شکایت بھی کی گئی ہے کہ دینی مدرسوں کے اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقم پر بھی ڈھائی فی صد کے حساب سے رقم کاٹ لی گئی ہے حالانکہ یہ رقم تو لوگوں کے چندے، فطرانے اور زکوٰۃ پر مشتمل ہے۔ چنانچہ جب اس شکایت کی تحقیق کی گئی تو درخواست دہندہ کے نام پر ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم درج تھی اور دینی مدرسے کے نام پر صرف پچھتر (۷۵) روپے نکلے۔ پھر ان صاحب نے کہا کہ یہ سارے کا سارا دینی مدرسے کا اکاؤنٹ ہے، مدرسے کی اصل رقم میرے اپنے نام پر ہے تو ہم نے درخواست دہندہ کی بات پر یقین کرتے ہوئے زکوٰۃ کی مد میں کٹوتی کی تمام رقم واپس کر دی، اس لئے کہ دینی مدارس کی رقوم سے زکوٰۃ نہیں کٹنی چاہیئے۔ ہم نے بہت سے اداروں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا ہوا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں لوگوں کا اندازِ فکر جمع شدہ رقم سے

زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مکان تعمیر کرنے سے کچھ حاصل نہیں، خاص ڈیپازٹ میں رقم لگا کر چودہ فی صد منافع کیوں نہ کمایا جائے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ہمارے ہاں لوگوں کا اندازِ فکر بدلنے کے لئے بہت کوشش اور محنت کی ضرورت ہے۔ لوگوں کو دین کی طرف ایسی ترغیب دی جانی چاہیئے کہ وہ جذبہ حب الوطنی اور اختیاری طور پر نظامِ زکوٰۃ کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

زکوٰۃ کمیٹیوں کی تشکیل سے متعلق ہم نے یہ کہا ہے کہ اگر کہیں کوئی رکن یا کمیٹی کا چیئرمین لوگوں کے اعتماد پر پورا نہیں اترتا تو گلی، محلے کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ نئے ایماندار شخص کو منتخب کریں۔ مجھے اس زکوٰۃ کمیٹی کے ارکان سے مل کر اور یہ جان کر ازحد خوشی ہوئی ہے کہ تمام ارکان نیک، محنتی اور ایماندار لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین کی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ ہم نے زکوٰۃ کی مد میں کاٹی ہوئی تمام رقم بتیس ہزار تشکیل شدہ زکوٰۃ کمیٹیوں میں تقسیم کر دی ہے۔ ان کمیٹیوں کے ذرائع آمدنی دو ہیں۔ ایک وہ رقم جو وفاقی حکومت نے بنکوں میں جمع شدہ رقوم سے ڈھائی فیصد کے حساب سے جبری طور پر کاٹ کر دی ہے اور دوم وہ رقوم جو لوگ اختیاری طور پر ان زکوٰۃ کمیٹیوں کو مذہبی فریضے کی انجام دہی کے طور پر دیتے ہیں۔

زکوٰۃ غرباء و مساکین کا حق ہے اور صاحبِ نصاب و مخیّر حضرات یہ فرض ادا کر کے ان پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ میں یہ بات زور دے کر کہوں گا کہ اگر زکوٰۃ کمیٹی کے ارکان کو اپنے فرائض کی بجا آوری میں کسی دِقّت کا سامنا ہو یا اس سلسلے میں وہ کوئی مشورہ دینا چاہیں تو وہ بجا طور پر مجھے آگاہ کر سکتے ہیں۔ میں آپ سے دوبارہ ملنے کا متمنّی ہوں اور کسی دوسرے وارڈ کا معائنہ بھی کروں گا۔

میرے خیال میں زکوٰۃ کمیٹیوں کی تنظیم کے تین اہم پہلو ہیں۔ سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ان کے اراکین ہیں۔ دوسرے نمبر پر ان کی تشکیل ہے جو ایماندارانہ بنیادوں پر ہونی چاہیئے۔ چیئرمین اور ممبران حضرات کو سیاست سے بالکل پاک ہونا چاہیئے۔ اسی لئے ہم نے ان کمیٹیوں کو لوکل کونسلروں کے تصرّف میں یا تحت نہیں آنے دیا حالانکہ کونسلر حضرات میں بھی بہت سے لوگ نیک اور پرہیزگار ہیں۔ لیکن اس نیک کام کے لئے ہم نے علاقہ یا وارڈ کے ان لوگوں کو ترجیح دی ہے جن پر لوگوں کو کامل یقین اور بھروسہ ہو۔ اب اگر ان لوگوں میں سے کسی کو تبدیل کرنا ہو تو علاقہ اور گلی محلہ کے لوگ اپنے طور پر فیصلہ کر سکتے ہیں، جو ان کے مفاد میں ہو۔ ایک اور اہم کام مستحقین کی فہرستیں ترتیب دینا اور صاحب نصاب لوگوں کی تفصیل مہیا کرنا ہے۔ میں یہ امید کروں گا کہ صاحب نصاب حضرات رضاکارانہ طور پر اپنا نام متعلقہ زکوٰۃ کمیٹی میں درج کروائیں گے۔ اسی طرح مستحقین کی بھی اچھی طرح چھان بین کی جانی چاہیئے تاکہ زکوٰۃ کی رقم حق دار لوگوں تک ہی پہنچے اور اس میں سیاست کا عمل دخل نہ ہو۔ آپ مذکورہ باتوں کا خاص طور پر خیال رکھیں اور یہ بتائیں کہ حکومت آپ کی کیا مدد کر سکتی ہے۔ فی الحال ہم پاکستان میں تشکیل شدہ بتّیس ہزار کمیٹیوں کو ٹرانسپورٹ مہیا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ہاں، ہم نے یہ کیا ہے کہ ہر زکوٰۃ کمیٹی کو چھ ہزار روپیہ دیا ہے۔ حالانکہ یہ رقم بہت کم ہے اور اس میں ایک سکوٹر بھی نہیں آتا، لیکن یہ کام فی سبیل اللہ اور اختیاری ہے، جس کو آپ نے کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں نوّے فی صد آبادی مخیّر حضرات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے یہاں مکانات تعمیر کئے ہیں۔ وہ صاحب جائیداد و اموال ہیں۔ ان پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔ باقی لوگ غریب ہیں اور ان کو تلاش

کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں زکوٰۃ کے کام کی ایک مثالی حیثیت ہونی چاہیئے۔

کرنل طفیل صاحب نے ایک اور بات کی طرف توجہ دلائی ہے اور وہ یہ کہ زکوٰۃ کمیٹیوں میں سرکاری ملازمت کرنے والے حضرات شامل نہیں کئے جا سکتے۔ اسلام آباد کی خصوصی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے میں ان سے اتفاق کروں گا کہ کوئی سرکاری ملازم جو اخلاص، تقوٰی اور پرہیز گاری کی خصوصیات سے مُتّصِف ہو، وہ نہایت ہی مناسب رکن کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔ آپ ایسے شخص کا ضرور انتخاب کیجئے۔ اگر کوئی شخص مسلم لیگ یا کسی دوسرے ادارے کا ممبر ہے تو یہ اس کا ذاتی عمل ہے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ وہ مذکورہ صفات رکھتا ہو۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ زکوٰۃ کمیٹیوں میں پاکستانی طرز کی سیاست کو رواج نہ دیں اور ان کے ارکان دینی ذہن کے مالک ہوں۔ نظامِ زکوٰۃ کی مخالفت میں پورا مغربی معاشرہ برسرِ پیکار ہے۔ ہمارے اندر بھی نااتفاقیوں کے بیج بو دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سیدھی راہ پر چلائے۔

میں نے یہاں آنے سے پہلے گردیزی صاحب سے کہا تھا کہ بعد میں اس پرانی مسجد کا بھی جائزہ لیں گے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس مسجد کی حالت ناگفتہ بہ ہے جب کہ اس کے ساتھ ہی فلک بوس عمارتیں کھڑی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ اس مسجد کی حالت درست کریں۔

میرے خیال میں تمام کی تمام کمیٹیاں غلط طور پر تشکیل نہیں کی گئیں اور نہ ہی سب میں تمام کے تمام ارکان غلط لوگوں پر مشتمل ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ بعض جگہ غلط لوگ بھی شامل ہو گئے ہیں اور ان کا انتخاب صحیح طور پر نہیں کیا گیا۔ بعض وارڈوں میں خفیہ طور پر کمیٹیاں بن گئی ہیں اور صحیح لوگوں کا انتخاب نہیں کیا گیا۔ اس لئے میں گردیزی

صاحب کو حکم دوں گا کہ ایسی تمام کمیٹیوں کا سراغ لگائیں اور متعلقہ وارڈ کے اندر اعلان کیا جائے کہ فلاں نماز کے بعد جب مسجد میں زیادہ سے زیادہ لوگ جمع ہوں گے تو زکوٰۃ کمیٹی کو از سر نو تشکیل دیا جائے گا تاکہ نیک اور پرہیزگار لوگ آگے آسکیں۔

زکوٰۃ کے مستحق لوگ وہی ہو سکتے ہیں جن کو متعلقہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں پہچانا جاسکے۔ درجہ چہارم کا ہر ملازم زکوٰۃ کا حقدار نہیں ہو سکتا اس لئے ہر شخص کو صاحب نصاب ہونے کے اصول پر پرکھنا چاہیئے نہ کہ اس کی ظاہری بودوباش پر ہو سکتا ہے کہ ایک سفید پوش کو صاحبِ نصاب نہ سمجھا جائے اور ایک فقیر کو جس کے گھر سے پچیس ہزار روپیہ ملے، صاحب نصاب بنا دیا جائے۔ ایسا فقیر کیا زکوٰۃ کا مستحق ہو سکتا ہے اس کے برعکس ایک نادار طالب علم زکوٰۃ کا بجا طور پر حقدار گردانا جا سکتا ہے۔ ان تمام باتوں کی تحقیق کرنا زکوٰۃ کمیٹیوں کا فرض ہے۔ آپ یہ دیکھئے کہ کوئی غریب مگر ہونہار طالب علم صرف مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے اپنی تعلیم مکمل کرنے سے نہ رہ جائے۔ میں نے خود میڈیکل کالجوں کے طالب علموں کے لئے پرنسپل حضرات کے پاس رقم جمع کروائی ہے تاکہ ایسے مستحق طالب علموں کی مقدور بھر مدد کی جا سکے۔ ایک بات طے ہے کہ زکوٰۃ کے مستحق شخص کو زکوٰۃ کمیٹی کا رکن نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسے شخص سے زکوٰۃ کی تقسیم میں غلطی کا بجا طور پر احتمال ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بہر حال انسان ہے۔ یہ میرا اپنا نقطۂ نگاہ ہے، لیکن اگر گلی، محلہ یا وارڈ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص کی موجودگی کسی قباحت کا باعث نہیں تو وہ اسے کمیٹی کا رکن بنا سکتے ہیں۔

جہاں تک گداگری کا تعلق ہے، ہم پچھلے تین سال سے بہت کوشش کر رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا اس لئے اس میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی میں نے کل ہی صوبائی انتظامیہ کو گداگری کے خاتمے کے سلسلے میں کچھ ہدایات دی ہیں۔ آپ نے

کل کا انگریزی روزنامہ "مسلم" پڑھا ہوگا۔ انھوں نے "گداگری" پر قسط وار مضمون شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ کل اس کی پہلی قسط شائع ہوئی ہے جس میں انھوں نے پاکستان میں فقیروں کی اقسام کا جائزہ لیا ہے۔ وہ فقیر جو صحیح معنوں میں بھکاری ہے اس کی تو زکوٰۃ کی صورت میں مدد کر سکتے ہیں لیکن جو پیشہ ور فقیر ہے، وہ کسی ہمدردی کا مستحق نہیں۔ پچھلے دنوں میں نے راولپنڈی میونسپل کمیٹی کے میئر شیخ غلام حسین صاحب سے کہا تھا کہ غریب اور نادار لوگوں کے لئے ذریعۂ معاش پیدا کرنے کے لئے اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ کوئی ایسا ادارہ ہونا چاہیئے جس میں یہ لوگ رہ سکیں۔ اسی طرح بیوگان، یتیم بچوں اور دوسری غریب و نادار عورتوں کے لاتعداد مسائل سے بھی کسی طور پہلو تہی نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان مسائل کو حل کرسکیں۔

پچھلے دنوں آپ نے اخبار میں خبر پڑھی ہوگی کہ ہم نے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس کے چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈی کے صدر تھے۔ یہ کمیٹی تمام مسلکوں کے علماء اور اشخاص پر مشتمل تھی۔ اس کی رپورٹ حکومت کو موصول ہو چکی ہے جو کافی ضخیم ہے۔ اس رپورٹ میں ملک میں موجود تمام دینی مدارس کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان کی آمدنی اور اخراجات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ اس رپورٹ کا ہم نے وفاقی کابینہ کی میٹنگ میں جو پچھلے دنوں ہوئی، دوبارہ جائزہ لیا تھا۔ صرف اس نقطۂ نظر سے کہ دینی مدارس کی حالت کو کس طرح سدھارا جاسکتا ہے، کس طرح ان مدارس کا درجہ تعلیمی سطح کے لحاظ سے بلند تر کیا جاسکتا ہے اور کس طریقے سے پرائیویٹ اور قومیائے گئے سکولوں کی طرز پر ان دینی مدارس کا ششماہی یا سالانہ معائنہ کیا جاسکتا ہے تاکہ ان کے معیار کو مطلوبہ حد تک یا معیار تک لے جایا جاسکے۔ ہم نے ان مدارس میں دی جانے والی تعلیم و تربیت کا بھی بغور جائزہ لیا اور اس بات پر بطورِ خاص غور کیا کہ مذکورہ

تعلیم و تربیت کا معیار کس طرح بلند کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ دینی مدرسے کا فارغ التحصیل طالب علم سولہ سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد صرف مسجد کا خطیب بننے کی کوشش کرے اور ایک دوسرا طالب علم ۱۶ سال تک مغربی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مقابلے کا امتحان دے کر ڈپٹی کمشنر بن جائے۔ ہم اس سلسلے میں انشاء اللہ انقلابی اقدام کریں گے۔

آخر میں مَیں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے خیالات کو توجہ سے سُنا اور اُمید ہے کہ آپ اپنے فرائض احسن طریق پر سر انجام دیں گے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

فیض الاسلام کمپلیکس میں طلباء سے خطاب

راولپنڈی ۔ ۲۳ جولائی، ۱۹۸۰ء

نفاذِ نظام زکوٰۃ کے اعلان کے بعد صدرِ مملکت نے دینی مدارس اور طلباء کی ضروریات کا جائزہ لینے کے پیشِ نظر فیض الاسلام کمپلیکس کا معائنہ کیا۔ اس موقع پر صدر نے طلباء اور معززینِ شہر سے خطاب کیا۔

صدر نے مدرسے کے سرپرستوں اور انتظامیہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ ایسے فلاحی ادارے اتنے عمدہ طریقے سے چلانا یقیناً ایک بڑا اور نیک کام ہے۔ ایک تجویز کی حمایت میں صدر نے کہا کہ یتیم خانوں کو اگر "اپنا گھر" کہا جائے تو یہ نہایت احسن ہو گا۔

صدر نے اس موقع پر یہاں کے دو فارغ التحصیل طالب علموں کو مزید دینی تعلیم کے حصول کے لئے مصر یا سعودی عرب حکومت کے خرچ پر بھیجنے کا اعلان کیا اور راولپنڈی کے شہریوں کے لئے لیاقت باغ میں ایک لائبریری کے قیام کا بھی اعلان کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جناب حیات بخش صاحب،

منسٹر آف سوشل ویلفیئر، جناب محمود علی صاحب،

حاضرینِ کرام

اور

میرے عزیز بچو!

السلام علیکم۔ اسلام کے اہم ارکان میں سے زکوٰۃ کا رُکن اتنا ہی ضروری ہے جتنے باقی ارکان ہیں، اس لئے میں نے ایک مہم چلائی ہے تاکہ اس نظام کو مقبولیت حاصل ہو۔ جہاں میرے جانے سے کچھ ترقی ہو سکتی ہے، وہاں ترقی ہو۔ جہاں میری کوشش سے کچھ بہتری ہو سکتی ہے، وہاں بہتری ہو۔ میں اس سلسلے میں مختلف وارڈوں میں گیا ہوں، میونسپل کمیٹیوں میں گیا ہوں، بیواؤں سے ملا ہوں، دوسرے نادار لوگوں سے ملا ہوں لیکن جس وقت زکوٰۃ کا ذکر آتا ہے تو اس میں یتیموں کا

ذکر پیش پیش ہے۔ راولپنڈی میں کئی ایک یتیم خانے ہیں۔ میں نے یہ سوچا کہ وہاں جا کر یہ دیکھا جائے کہ اگر ان کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کو بہم پہنچایا جائے۔

اس سلسلے میں میں نے مدرسہ فیض الاسلام کا انتخاب کیا۔ میں نے اس ادارے کی بہت تعریف سنی تھی۔ یہ ادارہ میاں حیات بخش صاحب کی سرپرستی میں چل رہا ہے اور پھر یہاں آکر چند ایک دوسری شخصیتوں سے ملاقات ہوئی جنہوں نے اس مدرسے کے لئے اور اس ادارے کے لئے بہت محنت کی ہے، ان میں سے چند اصحاب کا ذکر کر رہا ہوں۔ جہاں پر جناب عشرت علی صاحب ہوں، انصار ناصری صاحب ہوں، راولپنڈی کے میئر جناب غلام حسین صاحب ہوں اور حیات بخش صاحب ہوں، وہاں پر تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہونا ہی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ یہ ادارہ جس کا کہ میرے ذہن میں کچھ اور نقشہ تھا یہاں آکر مجھے یہ احساس ہوا کہ ہمارے ہاں پاکستان میں ابھی تک ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو نہایت محنت سے اس قسم کے بلند پایہ ادارے کو چلا سکیں۔

میں جناب حیات بخش صاحب کو اور آپ حضرات کو جن کے تعاون سے یہ ادارہ چل رہا ہے اور یہاں کے بچوں کو مبارکباد دیتا ہوں کیونکہ آپ کا کام قابلِ تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی برکات سے نوازے۔ نیت کا پھل ضرور ملتا ہے، اور میرے خیال میں یہاں پر نیتیں بہت صاف ہیں۔ میں نے یہ سنا ہے کہ قائداعظم نے اپنی کمائی میں سے پانچ سو روپے کی رقم دے کر خود اس ادارے کی بنیاد رکھی تو لازمی بات ہے کہ جہاں اتنے نیک اور بابرکت ہاتھوں کا دخل ہو وہاں یہ ادارہ ضرور ترقی کرے گا۔

رسولِ اکرمؐ بھی یتیم تھے اور یتیموں کا ذکر بطورِ خاص قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ زکوٰۃ کے مصارف میں سب سے پہلے یتیموں کا نام آتا ہے۔ اس میں کوئی ہتک کی بات نہیں۔ یہ یتیموں پر اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کا ثبوت ہے۔ ہمارے ہاں جس طریقے سے یتیم خانوں کی طرف توجہ دی جاتی ہے، اس سے ان اداروں کی اہمیت کچھ کم ہو جاتی ہے۔ لوگ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ یار یہ ادارہ تو یتیم خانہ نظر آرہا ہے۔ ساز و سامان سے خالی گھر دیکھ کر کہتے ہیں یار یہ آپ نے کیا یتیم خانہ بنا رکھا ہے۔ اب ایسے حضرات سے میں کہا کروں گا کہ آپ جا کر فیض الاسلام کو دیکھئے!

ایک مناسب تجویز مجھے پیش کی گئی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ وہ تمام ادارے جہاں پر یتیم بچے اور یتیم بچیاں تعلیم پائیں، انہیں یتیم خانہ کہنے کی بجائے "اپنا گھر" کہا جائے۔ میں یہ تجویز آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ میرے خیال میں اس کے نفسیاتی پہلو بہت مفید ہوں گے۔ اس سے ان بچوں میں ایک طرح کی نفسیاتی تسکین پیدا ہوگی کہ یہ ان کا اپنا گھر ہے۔ اگر آپ موزوں سمجھیں تو میں اسے انجمنِ فیض الاسلام کا اپنا گھر کہوں گا کیونکہ اسے اپنا گھر کہنے میں بہت سے فائدے بھی ہیں اور میرے خیال میں اگر وہ تمام انجمنیں جو اس قسم کے اداروں کو چلا رہی ہیں، اس ترکیب کو اپنا لیں اور انہیں اپنا گھر کہیں تو بہت مناسب رہے گا۔

مجھے احساس ہے کہ اس ادارے کی بہت سی ضروریات ہیں اور میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ حکومت نے تعلیمی اداروں کو اس وجہ سے اپنے ہاتھ میں لیا تھا کہ تعلیم کا نظام بہتر ہو لیکن اس کا جو انجام ہوا، اس کا احوال آپ نے حیات بخش صاحب سے سُن لیا۔ ہم نے بعض صنعتی اداروں کو اپنی تحویل میں لیا، ان کی حالتِ زار آپ کے سامنے ہے۔ انتظامیہ کا حال آپ کے سامنے ہے۔ ہر

شخص اس کو کو سنتا ہے ۔ میرے خیال میں ایسے فلاحی ادارے نجی شعبے میں ہی رہ کر پھلنے پھولنے چاہئیں ۔ فیض الاسلام سکول کا معیار دیکھ کر تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ یا خدا باقی اداروں کو بھی توفیق دے کہ وہ بھی اپنا مقام اور اپنی سطح اس کے برابر لا سکیں ۔

یہاں پر میں چند چیزوں کی ضرورت محسوس کرتا ہوں ۔ ایک تو حیات بخش صاحب نے جس انداز سے سکول چلایا ہے، وہ بہت اچھا ہے ۔ اس میں چھوٹے بڑے ساڑھے تین سو بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، لیکن میرے خیال میں اس ادارے کو اور زیادہ منظّم کیا جا سکتا ہے ۔ میں حکومت کے ذرائع سے چند ایک اچھے ٹیکنیشین اور مشینری یہاں پر مہیا کروں گا تاکہ یہاں کے فارغ التحصیل یا زیرِتعلیم طلبا اگر ٹیکنیکل ٹریننگ حاصل کرنا چاہیں تو کیوں نہ ان کو فیض الاسلام سے فیض نصیب ہو ۔

جس ملک و قوم میں تین چار باتیں صحیح ہوں تو آپ یقین مانیئے کہ اس قوم کو اور کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی ۔ ایک تو مخلص لوگ ہونے چاہئیں ۔ میں آپ کے سامنے چند ایک کا نام لے چکا ہوں حیات بخش صاحب یہاں بیٹھے ہیں، محمود علی صاحب یہاں بیٹھے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو یہاں تشریف رکھتے ہیں ۔ بہت سے جہانِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں، لیکن ان کی خدمات آج میرے اور آپ کے سامنے ہیں ۔ لہٰذا ایک تو مخلص لوگوں کا ہونا قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ۔ دوسری چیز فلاحی ادارے ہیں ۔ آپ اسلام کے نظام کو لیجئے ۔ سب سے پہلے جہاں نماز کا ذکر آتا ہے، وہاں زکوٰۃ کا بھی ذکر آتا ہے اور زکوٰۃ اسلام کے فلاحی اداروں میں بہت اہم ہے ۔ فلاحی اداروں میں علاج

معالجے کا ایک شعبہ بھی ہونا چاہیئے۔ میں نے حیات بخش صاحب سے کہا ہے کہ یہاں کی ڈسپنسری کو اتنی وسعت دی جائے کہ نہ صرف یہاں کے بچوں کو، طلبا کو، اساتذہ کو اور کارکنوں کو طبی سہولتیں مہیا ہوں بلکہ آس پاس کے غریب غربا اور دوسرے لوگ جن کو علاج معالجے کی ضرورت ہو، وہ بھی اس سے فیضیاب ہو سکیں۔ اس کی ذمہ داری میں فیض الاسلام کے ذریعے سے حکومت کی طرف سے پوری کروں گا۔ البتہ عملی کام آپ کریں گے۔

تیسری بات جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ ہے تعلیم۔ تعلیم کے باب میں نہ صرف سکولوں کا ہونا ضروری ہے بلکہ تعلیم حاصل کرنے کے جو دوسرے ذرائع ہیں ان میں بھی کمی نہیں ہونی چاہیئے۔ دارالمطالعہ یا لائبریری ایک ایسا چھوٹا سا ادارہ ہے جس سے بہت سے لوگ فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ میں نے جناب حیات بخش صاحب سے گزارش کی ہے کہ وہ اپنے اس دارالمطالعہ کا ایک نقشہ بنوائیں جو صحیح معنوں میں فیض الاسلام جیسے ادارے کی نوعیت کا ہو تاکہ باقی لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ایک لائبریری کا وعدہ میں نے جناب غلام حسین صاحب سے بھی کیا ہے جو راولپنڈی میں لیاقت باغ میں بنے گی اور شہر کے لوگ اس سے استفادہ کریں گے۔ ایک لائبریری یہاں ضرور ہونی چاہیئے جس سے طلبا کو کتابیں ملیں، پڑھنے والوں کو کتابیں ملیں، دینی طلبا کو دینی کتابیں ملیں، اخبار پڑھنے والوں کو اخبار ملیں تاکہ ان کی علمی پیاس بجھ سکے۔

تعلیمی اداروں کے لئے میرے پاس دو راستے ہیں۔ ایک تو میں یہ اعلان کر سکتا ہوں کہ جو تعلیمی ادارے فیض الاسلام کے تحت چل رہے تھے، انہیں دوبارہ فیض الاسلام کو دے دیا جائے، لیکن اس سے بہت مشکلات پیدا ہوں

گی۔ اس میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے اساتذہ میں بہت سی خامیاں آچکی ہیں جس کی وجہ سے تعلیم کا معیار بہت گر گیا ہے۔ میں حیات بخش صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت کے ایما پر اس علاقے میں ایک صحیح معنوں میں اسلامی ماڈل سکول کا جو منصوبہ انہوں نے بنایا ہے، اسے انشاء اللہ ہم پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ یہ ایک ایسا سکول ہوگا جو راولپنڈی اسلام آباد میں ماڈل سکول ہو جہاں اسلام کی تعلیم دی جائے، طلبا کو تعلیم کے بہتر مواقع ملیں، اساتذہ کا معیار تدریس بلند ہو، جہاں نہ صرف دینی تعلیم بلکہ دنیاوی تعلیم کا بھی انتظام ہو۔ یہاں کے فارغ التحصیل طلبا مدرّس، سائنسداں، ڈاکٹر، انجنیئر اور اہل علم بنیں۔ اس کا نقشہ بھی ہم انشاء اللہ فیض الاسلام کے تعاون سے اور جناب حیات بخش صاحب کی مدد سے تیار کریں گے۔ اس کے اخراجات زکوٰۃ کی رقم سے نہیں بلکہ حکومت اپنے وسائل سے پورے کرے گی۔ زکوٰۃ کی رقم جس طریقے سے شریعت کے مطابق یتیموں پر خرچ ہونی چاہیئے، انشاء اللہ اسی طرح خرچ ہوگی۔ میاں حیات بخش صاحب کے لگائے ہوئے تخمینے کی میں جانچ پڑتال نہیں کرتا، یہ یقیناً صحیح ہوگا۔ انہوں نے بتایا کہ سترہ لاکھ کے اخراجات ہیں اور بارہ لاکھ کی آمدن ہے پانچ لاکھ روپے کی کمی میں پوری کروں گا تاکہ یہ اپنا گھر جو ہے یہاں صحیح معنوں میں بچوں کی دیکھ بھال ہو، اساتذہ کو مناسب معاوضہ ملے اور یہاں کام کرنے والے بچوں کو اچھی طرح سے کام سکھایا جا سکے اور یہاں سے فارغ التحصیل طالب علموں کو روزی کے مواقع اسی طرح مہیا ہوں جس طرح دوسرے تعلیم یافتہ لوگوں کو ہوتے ہیں۔

میں اس ادارے کو ایک اور انعام دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہاں کی تعلیم

کی اساس اسلام پر ہے اور یہاں کے فارغ التحصیل بچوں میں سے کئی ایک حافظِ قرآن بھی ہیں ، اس لئے میں حکومت پاکستان کی طرف سے اور اسلامی ممالک کے تعاون سے دو فارغ التحصیل بچوں کو جو مزید دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں، خواہ وہ مصر جانا چاہتے ہوں یا سعودی عرب میں مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ یونیورسٹی میں جانا چاہتے ہوں، انہیں حصول تعلیم کے لئے بھیجا جائے گا۔ اس وقت ہمیں ان جگہوں پر سہولتیں حاصل ہیں جہاں کے اخراجات حکومت پاکستان برداشت کرتی ہے۔ میں ان میں سے دو وظائف فیض الاسلام کے ادارے کے لئے مختص کرتا ہوں اور جناب حیات بخش صاحب سے کہوں گا کہ وہ طالب علموں کا انتخاب کریں۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ حضرات کا اور بچوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے ذہنی ہی نہیں بلکہ روحانی تسکین بہم پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں اور برکت ڈالے۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے ہم انشا اللہ آپ کی پوری مدد کریں گے۔ وہ اشخاص جو یہ کہتے ہیں کہ حکومت نے ڈھائی فیصد رقم جبری کاٹ لی ہے، اس لئے فیض الاسلام کا جو حصہ ہے وہ حکومت کے پاس چلا گیا ہے، میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ کے ذمے زکوٰۃ کی جو رقم واجب الادا ہے، وہ آپ اپنے علاقے کی زکوٰۃ کمیٹیوں کو دیں، آپ اپنے خاندان کے غریب غربا، اور مساکین جو زکوٰۃ کے حقدار ہیں انہیں دیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنے ذرائع دیئے ہیں کہ مزید گنجائش ہے تو پھر آپ ایسے اداروں کو دیں جو احسن طریقے سے زکوٰۃ کا صحیح مصرف لیں تاکہ قوم کے یتیم نونہال اس سے فیض یاب ہو سکیں۔ شکریہ

پاکستان پائندہ باد

علماء کنونشن کے افتتاحی اجلاس سے خطاب

اسلام آباد: ۲۱ اگست، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت نے ۲۱ اگست، ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں علماء کنونشن کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کیا۔ یہ کنونشن اس لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ یہ پاکستان کی تاریخ میں مذہبی دانش وروں کا پہلا کنونشن تھا۔

قیامِ پاکستان میں علمائے کرام کے کردار کو سراہتے ہوئے صدر نے کہا کہ ہمارے علماء نے تحریک پاکستان میں نہ صرف علمی بلکہ عملی جہاد بھی کیا۔ اس پاک سرزمین میں اسلامی نظریے کے نفاذ کے لیے ان کی کوشش ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس سلسلے میں صدر نے ۱۹۵۱ء کی ۲۲ نکات کی تاریخی دستاویز کا بھی ذکر کیا جسے تمام مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ۳۱ علماء نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا۔

صدرِ مملکت نے نفاذِ اسلام کے سلسلے میں علماء سے سفارشات پیش کرنے کی درخواست کی اور خصوصی طور پر شرعی قوانین، زکوٰۃ اور عشر اور نفاذِ شریعت میں فقہی اختلافات کے بارے میں کنونشن کے شرکاء کو اظہارِ خیال کی دعوت دی۔ صدر نے کہا کہ ہمیں گروہی اختلافات کو بھول کر "اتحادِ پاکستان" اور "اتحادِ ملتِ اسلامیہ" جیسے عظیم مقاصد کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

وزیرِ مذہبی امور، جناب محمود اے ہارون صاحب ،
چیئرمین اسلامی مشاورتی کونسل، ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب ،
سیکرٹری وزارتِ مذہبی امور، جناب فضل الرحمٰن صاحب ،
علمائے کرام ،
مفکرینِ اسلام ،
دانشورانِ عظام
اور
حاضرینِ گرامی !

السّلامُ علیکم ۔ مملکتِ خداداد پاکستان کی ۳۳ سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ کسی سربراہ مملکت کی دعوت پر ملک کے چیدہ چیدہ اور برگزیدہ علماء، خطیب، مفکر اور مذہبی دانشور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے ہیں۔ میں اسے اپنے لئے، اپنی

حکومت کے لیئے اور مملکت پاکستان کے لیئے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں اور اس کنونشن میں آپ کو تہہ دل سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس دعوت کو شرفِ قبولیت بخشنے پر میں آپ کا بہت بہت مشکور ہوں۔

آج کا کنونشن یا یہ اجتماع ایک ایسے موقع پر ہو رہا ہے جس کے کچھ افسوسناک پہلو بھی ہیں، جن کی طرف جناب ہارون صاحب نے توجہ دلائی ہے۔ ہوائی جہاز کا حادثہ ہو گیا ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں پر تشدد ہو رہا ہے۔ اس اجتماع کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ جیسا کہ آپ کو علم ہے آج عالم اسلام میں یوم القدس بھی منایا جا رہا ہے۔ اس موقع پر علمائے کرام کا نظام اسلام کے فروغ کے لیئے اکٹھا ہونا باعثِ خیر و برکت ہے۔

میں اس افتتاحی اجلاس میں کوئی طویل تقریر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ اجتماع بنیادی طور پر آپ کے خیالات سننے کے لیئے منعقد کیا گیا ہے۔ میرے ابتدائی کلمات کے بعد آپ حضرات کو اظہارِ خیال کی دعوت دی جائے گی اور میں اس سارے کنونشن کے دوران یہاں بیٹھ کر آپ کے خیالات سنوں گا۔ البتہ اس اجتماع کے اختتام پر آپ کا کچھ وقت ضرور لوں گا تاکہ آپ کی تقاریر کے دوران اٹھائے گئے نکات اور حکومت کا نقطۂ نظر آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں، اور آپ کو یہ بھی بتا سکوں کہ آپ کی پیش کردہ سفارشات کی روشنی میں حکومت کیا اقدام کرے گی اور کیا اقدام لے سکے گی۔

میں کافی عرصے سے علمار کا یہ کنونشن بلانے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن اسے میری بدقسمتی کہیئے یا حالات کی مجبوری کہ جو کام بہت پہلے ہو جانا چاہیئے تھا وہ آج ہو رہا ہے۔ بہر حال آج کے حالات میں بھی اس کنونشن کی اہمیت اور افادیت مسلّم ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کنونشن کا اس وقت منعقد ہونا اور بھی مستحسن

ہے کیونکہ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک جس طرح کی فضا مرتب ہو رہی ہے اس میں علماء کا اجتماع اور اظہارِ خیال ایک واضح اور مثبت اثر چھوڑے گا جو ملک و قوم اور فروغِ اسلام کے لئے یقیناً نیک فال ہوگا۔

علماء کے اجتماع پہلے بھی ہوتے رہے ہیں۔ کبھی کسی سرکاری ادارے کی دعوت پر اور کبھی علماء کے اپنے ایما پر۔ یہ کنونشن بلانے کی تحریک میرے دل میں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ برصغیر کی تاریخ میں بالعموم اور گزشتہ پچاس ساٹھ سالوں کے دوران بالخصوص ہمارے علمائے کرام تبلیغِ اسلام، فروغِ اسلام اور قیامِ پاکستان میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ انہوں نے تحریکِ پاکستان میں نہ صرف علمی اور زبانی جہاد کیا بلکہ عملی طور پر ان گنت صعوبتیں بھی برداشت کیں اور جب انہوں نے نظریۂ پاکستان کی خاطر ایک خطۂ زمین حاصل کر لیا تو اس سرزمین میں اسلامی نظریے کے مطابق اجتماعی طرزِ زندگی نافذ کرانے کے لئے کوششیں شروع کیں۔ اگرچہ حکومتی سطح پر ۱۹۴۹ء میں ہی "قراردادِ مقاصد" منظور ہو چکی تھی، لیکن علماء نے بھی اسلامی نظام کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ انہوں نے تعلیماتِ اسلامی بورڈ میں اسلامی دستور سازی کے لئے سفارشات مرتب کیں۔ پھر ۱۹۵۱ء کے اجتماع میں تمام مکاتیبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ۳۱ علماء نے متفقہ طور پر ۲۲ نکات جیسی تاریخی دستاویز تیار کی اور یوں نئی مملکت کی عمارت کے لئے ایک بنیادی ڈھانچہ مہیا کر دیا۔ اس کا کم از کم یہ اثر ضرور ہوا کہ ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۳ء میں اسلامی اقدار کو ملحوظ رکھنے کا عزم کیا گیا۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس عزم و ارادے کو عملی شکل دینے کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ تو کوئی آئین ہی مکمل طور پر اسلامی رنگ میں ڈھالا گیا اور نہ ہی ملکی قوانین کو اسلامی تقاضوں سے

ہم آہنگ کیا گیا۔

علماء کی کاوشوں کی ایک سطح اور بھی تھی۔ انہوں نے انفرادی طور پر تبلیغ اسلام کا کام جاری رکھا، دینی مدارس یا دوسرے مدارس کے ذریعے اسلامی ذہن تیار کئے اور جب ضرورت پڑی تو فروغِ اسلام کے لئے کوئی بھی قدم اٹھانے سے گریز نہ کیا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک کو آپ چاہیں تو سیاسی تحریک قرار دے دیں، چاہیں تو اس کا فوری محرک انتخابات میں دھاندلیوں کو ٹھہرالیں۔ لیکن میرے خیال میں اس تحریک کا سرچشمہ اور بنیادی محرک صرف اور صرف جذبۂ اسلام تھا۔ ہمارے محبِّ وطن عوام ایک طویل عرصے سے نفاذِ اسلام کی راہ تکتے تکتے تنگ آچکے تھے۔ ان کی کوششوں اور قربانیوں سے جو پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا، اس میں دیدہ و دانستہ طور پر غیر اسلامی نظریات کی سرپرستی کی جارہی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اسلامی اقدار اور ان کے علمبردار افراد کا مذاق اڑایا جارہا تھا۔ یوں کہیئے کہ ان کے دیکھتے دیکھتے قیامِ پاکستان کا اصل مقصد آنکھوں سے اوجھل ہوا جارہا تھا۔ لہٰذا اس رکے ہوئے جذبے کو جب انتخابی دھاندلیوں کی وجہ سے اظہار کا موقع ملا تو اس سیلِ اسلام نے حکومت وقت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔

ان حالات میں ہمیں ذمہ داریاں سنبھالنا پڑیں اور میں یہ کہنے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پوری دل جمعی، خلوصِ نیت اور تندہی کے ساتھ نفاذِ اسلام کی طرف توجہ دی۔ ہم نے کیا کیا اور کیا نہ کیا، میں فی الحال اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، لیکن میں جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ علماء جو تحریکِ پاکستان سے لے کر ۱۹۷۷ء کی تحریک تک پیش پیش تھے، ان کی اکثریت حکومت کی نفاذِ اسلام کے عمل کی کوششوں میں پوری طرح شریک نہ ہو سکی۔ مجھے اس

بات کا شدت سے احساس تھا کہ علماء کو نہ صرف اس عمل میں پوری طرح شامل ہونا چاہیئے بلکہ اس میدان میں انہیں ہماری رہنمائی بھی کرنی چاہیئے۔ انہیں چاہیئے کہ مسجد اور مدرسے میں ہی نہیں، عملی زندگی میں بھی امامت کے فرائض انجام دیں۔

اگرچہ ہم اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق بعض علماء اور دیگر ماہرین کی مدد سے نفاذِ اسلام کے کام کی ابتدا کر چکے ہیں، لیکن اس بارے میں، ہمیں "عقلِ کُل" ہونے کا دعویٰ نہیں۔ ہم نے ابھی تک اس سلسلے میں جو کام کیا ہے، اس کی سفارشات اسلامی نظریاتی کونسل نے بڑی محنت، لگن اور عرق ریزی سے تیار کی ہیں جس کے لئے میں کونسل کے چیئرمین اور تمام ارکان کا شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن ان ابتدائی اقدامات کے باوجود ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ہمارا علم محدود اور ہماری فہم ناقص ہے۔

ہماری قیمتی پونجی اور ہمارا قیمتی سرمایہ ہماری نیت اور ہمارا خلوص ہے۔ ہم اس نیت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ کے علم اور تجربے سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ جیسے عالم اور دانش ور، حکومت کے اختیار کردہ اسلامی اقدامات کی نشاندہی کریں اور بتائیں کہ منزل کے حصول کا آسان اور قابلِ عمل راستہ کیا ہے؟

علمائے کرام! آپ نے خود محسوس کیا ہوگا کہ میں نے ابھی ابھی جن مسائل کی نشاندہی کی ہے، وہ اتنے وسیع ہیں کہ ان پر ایک یا دو دن میں سیر حاصل بحث کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا میرا ارادہ ہے کہ تفصیلی تبادلۂ خیال کے لئے آئندہ بھی ایسے کنونشن میں جو موضوعات زیرِ بحث لائے جائیں، ان پر تفصیلی اور نتیجہ خیز گفتگو کی جائے تاکہ حکومت آپ کے خیالات سے پوری طرح مستفید ہو سکے۔ اس سوچ کے پیشِ نظر یہ طے کیا گیا ہے کہ اس کنونشن کے مقررین سے درخواست کی جائے کہ وہ نفاذِ اسلام کے صرف تین پہلوؤں پر اظہارِ خیال کریں تاکہ بات کو بآسانی سمیٹا جا سکے اور ہم کسی نتیجے پر پہنچ

سکیں۔ ان تین پہلوؤں کو تین سوالوں کی شکل دی گئی ہے جو یہ ہیں :۔

۱۔ آپ کے خیال میں نافذ شدہ شرعی قوانین کو مؤثر بنانے کے لئے کیا اقدامات کیئے جا سکتے ہیں ؟

۲۔ زکوٰۃ اور عشر کے قانون کو کس طرح بہتر بنایا جا سکتا ہے ؟

۳۔ نفاذِ شریعت میں فقہی اختلافات کو کس طرح حل کیا جا سکتا ہے ؟

میرے خیال میں اگر ہم ان تینوں سوالوں کے تسلی بخش اور قابلِ عمل حل تلاش کر لیں تو یہ کنونشن انشاء اللہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ میں اور میرے رفقاء آج اور اگر ضرورت پڑی تو کل بھی ان موضوعات پر آپ کے خیالات سنیں گے اور جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا، میں آخر میں آپ کی تجاویز اور نکات کو اپنی اختتامی تقریر میں سمیٹنے کی کوشش کروں گا۔ اگر آپ کی تقاریر سننے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی تو آپ کے نکات اور خیالات کو عملی شکل دینے کے لئے علماء کی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی تاکہ یہ کمیٹیاں اور علماء عملاً ہمیں وہ سفارشات دے سکیں جن کے ذریعے ابلاغ عامہ، تعلیمی، مذہبی امور، تبلیغِ اسلام، سماجی امور، قانونی امور، معاشی امور، امورِ حج اور دیگر شعبوں میں حکومت کی رہنمائی ہو سکے۔

میں آخر میں جس بات کی طرف آپ کی خصوصی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہم یہاں ملّتِ اسلامیہ کے افراد اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے جمع ہوئے ہیں۔ ہم سب کا مقصد اور ہم سب کا نصب العین نفاذِ اسلام ہے جسے ہم سب مل کر حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنی سوچ کو فرقہ وارانہ مفادات سے بلند رکھنا چاہیئے۔ ہمیں گروہی اختلافات کی دلدل سے اپنا دامن پاک رکھنا چاہیئے اور ہر وقت "اتحادِ پاکستان" اور اتحادِ ملّتِ اسلامیہ" جیسے عظیم مقاصد کو

پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

بہر حال آپ جیسے عالم اور دانش ور اس ضرورت کو مجھ سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں۔ میں اس کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔

ان چند ابتدائی کلمات کے ساتھ مقرر کی جگہ چھوڑ کر میں سامع کی حیثیت اختیار کرتا ہوں اور آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ اس سے پہلے کہ آپ اپنے خیالات کا اظہار کریں، محمود ہارون صاحب ایک اعلان کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اسلامی مشاورتی کونسل کی کارکردگی کے متعلق بھی کچھ سنیں۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، چیئرمین اسلامی مشاورتی کونسل، میرے افتتاحی کلمات کے بعد آپ سے خطاب کریں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس اجتماعی کوشش کو صحیح راہ پر چلائے اور اچھے نتائج کا پیش خیمہ بنائے۔ آمین!

پاکستان زندہ باد

علماء کنونشن کے اختتامی اجلاس سے خطاب

اسلام آباد: ۲۲ اگست، ۱۹۸۰ء

۲۲ اگست، ۱۹۸۰ء کو صدرِ مملکت نے پہلے علماء کنونشن منعقدہ اسلام آباد کے اختتامی اجلاس سے خطاب کیا۔

نفاذِ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بلیغ انداز میں روشنی ڈالنے پر صدر نے علماء کو مبارکباد دی اور ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ کنونشن کے شرکاء نے جس مفصل اور عالمانہ انداز میں اظہارِ خیال کیا وہ یقینی طور پر قابلِ ستائش ہے۔

صدر نے کہا کہ قیامِ پاکستان کی بنیاد نظریۂ اسلام ہے اور اس کی تائید سبھی مکاتب فکر کرتے ہیں۔ نفاذِ اسلام کے سلسلے میں موجودہ حکومت کی طرف سے کئے گئے اقدامات قابلِ تحسین ہیں مگر کنونشن کے شرکاء کے خیال میں اس کام کی رفتار سست اور غیر تسلی بخش ہے۔ علماء کی طرف سے معاشرے کو مکمل طور پر اسلامی رنگ میں ڈھالنے کے لئے پیش کی گئی بیشتر تجاویز سے میں اتفاق کرتا ہوں۔

مختلف تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے صدرِ مملکت نے تعلیم، تبلیغ، ابلاغِ عامہ، نفاذِ اسلام، معاشیات، قانون، سماج اور تنظیم مساجد کے شعبوں میں چھ کمیٹیوں کے قیام کا اعلان کیا اور ان کمیٹیوں کی سفارشات

کا جائزہ لینے کے لئے پندرہ ارکان پر مشتمل علمار کے ایک بورڈ کے قیام
کا بھی اعلان کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

وزیرِ مذہبی امور، جناب محمود ہارون صاحب،

اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین، جناب جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب،

علمائے گرامی،

دانشورانِ کرام

اور

معزّز حاضرین!

السلام علیکم۔ میں سب سے پہلے کسی قسم کی مصلحت یا تحفظات کے بغیر اس بات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ علماء کے اس کنونشن میں جتنی تقریریں کی گئیں، ہیں ان کا معیار نہایت اعلیٰ تھا۔ نفسِ مضمون اور اسلوب دونوں کے لحاظ سے یہ تقاریر نہایت پُرمغز، فکر انگیز اور ایمان افروز تھیں۔ اگرچہ نفاذِ اسلام کے تین پہلوؤں کی نشاندہی یہیں، اسی ہال میں کی گئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو شاید تیاری کا موقع نہ

ملا لیکن آپ نے جس بلیغ انداز میں ان موضوعات پر روشنی ڈالی ہے، اس سے ثابت ہوگیا ہے کہ ہمارے علمائے کرام دینِ اسلام کے بارے میں مکمل دسترس رکھتے ہیں اور وہ کسی تیاری کے بغیر بھی موضوع سے انصاف کر سکتے ہیں۔ میں ان بصیرت افروز اور ولولہ انگیز خیالات پر آپ کو دلی مبارک باد دیتا ہوں اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائی۔

مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء نے نہ صرف اس کنونشن میں شرکت کی بلکہ زیرِ بحث موضوع پر مفصّل اور عالمانہ اظہارِ خیال بھی فرمایا۔ ہم نے اس کارِ خیر میں شرکت کے لئے چند اور علماء کو بھی دعوت تھی لیکن وہ اپنی مجبوریوں یا مصلحتوں کی بنا پر تشریف نہ لا سکے۔ بہر حال، اگر وہ تشریف لے آتے تو یقیناً اس کنونشن کی رونق بڑھ جاتی۔

میں چاہتا تھا کہ آج اور کل اس کنونشن میں جو تقریریں کی گئی ہیں، ان پر فرداً فرداً اظہارِ خیال کرتا، لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اس لیئے میں یہاں اٹھائے گئے نکات پر اولاً مجموعی طور پر اور آخر میں فرداً فرداً، مطلب یہ ہے کہ نکتہ نکتہ پر علیحدہ علیحدہ ذکر کروں گا۔

اس کنونشن یا اجتماع میں کی گئی تقریروں کا خلاصہ میرے خیال میں چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اس میں کسی قسم کے ابہام یا شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ قیامِ پاکستان کی بنیاد نظریۂ اسلام ہے۔ جسے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جاری وساری کرنا اشد ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر قیامِ پاکستان کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور یہ کہ اس مقصد اور اس کے حصول کی سبھی مکاتیبِ فکر تائید کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے دیکھ

لیا۔ بحمد اللہ!

۲۔ نفاذِ اسلام کے لئے گزشتہ تین سالوں میں موجودہ حکومت نے جو اقدامات کئے ہیں، وہ اس لحاظ سے تائید و ستائش کے مستحق ہیں کہ یہ اقدام ایک طویل عرصے کے بعد صحیح سمت میں کئے گئے ہیں۔

۳۔ نفاذِ اسلام کے کام کی رفتار سست اور غیر تسلی بخش ہے کیونکہ جس مشینری یا جن افراد کے ذریعے یہ کام کیا جا رہا ہے، ان کی اکثریت مغربی طرزِ تعلیم کی پروردہ اور مغربی طرزِ زندگی کی دلدادہ ہے (یہ آپ حضرات کی طرف سے نکتہ آیا ہے)

۴۔ ملکی معاشرے کو مکمل طور پر اسلامی رنگ میں ڈھالنے کے لئے مختلف تجاویز اور آراء پیش کی گئی ہیں۔

میں آپ کی بیشتر تجاویز، آراء اور ارشادات سے اتفاق کرتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ نفاذِ اسلام کے عمل کی رفتار عوام کی توقعات سے سست رہی ہے۔ مجھے تسلیم ہے کہ ہمیں جو کام کچھ عرصہ پہلے کر لینا چاہیئے تھا، اس پر آج غور ہو رہا ہے۔ میں یہ بھی اعتراف کرتا ہوں کہ سرکاری مشینری کے کئی پرزے ایسے ہیں جو مغربی تعلیم کے پروردہ ہیں اور میں آپ کے اس غم و غصے کو بھی حق بجانب سمجھتا ہوں کہ ہمارے ذرائع ابلاغ، ہمارے نظامِ تعلیم اور ہمارے نظامِ عدل میں خامیاں ہیں، لیکن میں بڑے عجز اور بڑی انکساری سے آپ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ ذرا تصویر کے دوسرے رخ پر بھی نظر ڈالیئے۔ لمحے بھر کے لئے سوچئے کہ آج سے تین سال پہلے ملک میں کیا فضا تھی اور آج کیا ماحول ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملک میں ایسا ماحول پیدا ہو گیا ہے جس سے کافی حد تک بے حیائی اور اخلاقی

بے راہروی کے بجائے اسلامی اور قومی اقدار پروان چڑھنے لگی ہیں۔ علماء اور فقہاء کا مذاق اڑانے کے بجائے سرکاری اور غیر سرکاری تقریبات میں انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ غنڈہ گردی اور بدکاری کے اڈے ختم کر کے شریف لوگوں کا عزت و احترام بحال کیا گیا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی رقص و سرود کے اخلاق سوز مناظر دکھانے کے بجائے نماز کی اذانیں نشر کرتے ہیں۔ غسلِ کعبہ اور مناسکِ حج ناظرین اور سامعین تک پہنچاتے ہیں۔ ماہِ رمضان میں نہ صرف ابلاغ عامہ کے ذرائع مذہبی پروگرام پیش کرتے ہیں بلکہ گلی کوچوں، بازاروں اور سڑکوں پر بھی رمضان المبارک کا احترام اس دفعہ اچھا خاصا دیکھا گیا۔ روزے کے دوران ہوٹل اور سینما گھر بند رہے۔ سرعام کھانے پینے کی چیزوں کی خرید و فروخت ممنوع کی گئی۔ اس سال ماہِ رمضان میں ایک شخص نے ویگن کے ذریعے لاہور سے راولپنڈی کا سفر کیا اور پہنچ کر اپنے ایک ساتھی کو بتایا کہ مجھے سارے راستے میں ایک بھی ہوٹل یا کھوکھا کھلا ہوا نہیں ملا، جہاں کوئی شخص سرعام کوئی چیز کھا کر احترام رمضان میں خلل ڈال سکے۔ اس کی گواہی مولانا صدرالدین صاحب دے سکتے ہیں۔

میں یہ باتیں اپنے منہ سے ہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ آپ ان پاکستانیوں سے پوچھیئے جو گزشتہ تین سال سے بیرونِ ملک رہ رہے ہیں۔ وہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے ملک میں ایک صحت مند اور خوشگوار تبدیلی محسوس کرتے ہیں۔ یہ تبدیلی اسلامی اور ملّی اقدار کا ماحول ہے۔ یہ ماحول اللہ اور اس کے رسولؐ کی حاکمیّت کا ماحول ہے۔ یہ ماحول یہاں کے محبِّ وطن اور اہلِ ایمان شہریوں کی پسند کا ماحول ہے۔

یہ ماحول پیدا کرنے کے علاوہ ہم نے بعض ایسے بنیادی اقدامات بھی کیئے ہیں جن کے اثرات دور رس ہوں گے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے میں ان میں سے صرف

تین اقدامات کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

ہم نے نئی نسل کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صحیح خطوط پر تربیت دینے کے لئے قومی تعلیمی پالیسی کو از سر نو مرتّب کیا ہے۔ نئی قومی پالیسی کی بنیاد اسلام اور نظریۂ پاکستان پر رکھی گئی ہے تاکہ ہمارے تعلیمی اداروں سے سچے مسلمان اور اچھے پاکستانی پیدا ہو سکیں۔ انہی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اکثر درسی کتابوں پر نظر ثانی کی جا چکی ہے۔ کئی نئی کتابیں بھی لکھی جا رہی ہیں۔ رات میں جناب نسیم حجازی صاحب سے بات کر رہا تھا کہ عنقریب پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ کی ایک اور میٹنگ ہو گی جس کی صدارت میں خود کروں گا اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ نصاب تعلیم میں بھی کافی پیش رفت ہو گی۔

تعلیمی شعبے میں اسلام کی ترویج کے لئے بہاول پور میں پہلے ہی ایک اسلامیہ یونیورسٹی کام کر رہی ہے اور اس سال سے ایک اور اسلامیہ یونیورسٹی اسلام آباد میں کام شروع کر دے گی جس کے متعلق آپ نے ابھی ڈاکٹر افضل صاحب سے تشریح سنی گزشتہ ایک سال سے شریعہ فیکلٹی اہم خدمات انجام دے رہی ہے۔

دوسرا شعبہ نظامِ عدل کا ہے جہاں کئی ٹھوس اقدامات کئے جا چکے ہیں اسلامی حدود پچھلے سال ۱۲ ربیع الاوّل سے نافذ کی جا چکی ہیں اور ان پر عمل درآمد کو موثر بنانے کے لئے حال ہی میں مزید اقدامات کیئے گئے ہیں۔ وفاقی سطح پر ایک شرعی عدالت قائم ہو چکی ہے جو نہ صرف اسلامی حدود کے بارے میں اپیلوں کی سماعت کرتی ہے بلکہ ہر مروجہ قانون کو جس حد تک غیر شرعی ہو از خود یا کسی کے کہنے پر کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

اسلام کا نظامِ عدل قائم کرنے کے لئے قاضی بھی مقرر کئے جائیں گے۔ چند روز

پہلے جسٹس صلاح الدین کی قیادت میں ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جا چکی ہے تاکہ حصولِ انصاف کے تقاضوں کو سادہ اور اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ بنایا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ ملکی قوانین کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے کام ہو رہا ہے۔ اس میں اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی وزارتِ قانون کام کر رہی ہیں۔ کئی قوانین پر کام مکمل ہو چکا ہے جب کہ باقی پر کام جاری ہے جس کی بعض تفصیلات آپ کونسل کے چیئرمین کی زبانی سن چکے ہیں۔

تیسرا شعبہ جس میں انقلابی قدم اٹھائے گئے ہیں، وہ اسلام کا رفاہی نظام ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، زکوٰۃ اور عُشر کے قانون کا مسودہ پچھلے سال تیار کر کے شائع کر دیا گیا تھا۔ اس سال ۲۰ جون سے اسے آخری شکل دے کر نافذ کر دیا گیا ہے۔ اس قانون کے تحت صاحبِ نصاب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اس کی پہلی قسط ماہِ رمضان کے دوران مستحقین میں تقسیم کی جا چکی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس مالی امداد کے ذریعے کئی افراد اور کنبوں کی مشکلوں میں کمی ہوئی اور کئی گھر عید الفطر کی خوشیوں سے منوّر ہوئے۔ انشاء اللہ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا عمل جاری رہے گا تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حاجت مندوں کا حق ان تک پہنچتا رہے اور صاحبِ نصاب لوگ اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے رہیں۔

نظامِ زکوٰۃ خاص طور پر "صاحبِ نصاب" کی تعریف یا DEFINITION کے متعلق آپ نے جو تجاویز پیش کی ہیں، ان کی روشنی میں اس آرڈی ننس پر نظرِ ثانی کی جائے گی تاکہ یہ تمام شرعی شرائط پر پورا اتر سکے اور اپنے مقاصد زیادہ مؤثر طریقے سے حاصل کر سکے۔ شرعی نقطۂ نظر سے آپ کی اصل سفارش ایک ہزار روپے کی حد پر نظرِ ثانی کرنے کے بارے میں ہے جس پر یقیناً غور کیا جائے گا۔

اسلام کا رفاہی نظام درحقیقت اس کے معاشی نظام کا ایک حصہ ہے جس کی ایک بنیادی خصوصیت اس کا سود سے پاک ہونا ہے۔ ہم گزشتہ تین سال سے سود کی لعنت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بعض شعبوں میں صورتِ حال کو انتظامی احکامات کے ذریعے سدھارا جا سکتا تھا، چنانچہ ہم نے سرکاری تحویل میں چلنے والے کئی اداروں سے سود کی لعنت ختم کر دی۔ ان میں NIT، ICP اور ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن جیسے ادارے شامل ہیں، لیکن ہمارے سامنے اصل مسئلہ سود سے پاک نظامِ بینکاری اور نظامِ معیشت قائم کرنا ہے۔ جو یقیناً ایک پیچیدہ اور وقت طلب مسئلہ ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی زیرِ نگرانی ماہرین کی ایک کمیٹی گزشتہ ڈیڑھ سال سے کام کر رہی تھی۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ اس کمیٹی نے بڑی محنت، تندہی اور جذبۂ اسلام کے تحت کام کیا اور گزشتہ جون میں اپنی رپورٹ مکمل کر لی۔ یہ رپورٹ حکومت کو موصول ہو چکی ہے اور اس پر غور کیا جا رہا ہے۔ لیکن آپ کی تقاریر سننے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس رپورٹ کو شائع کر دیا جائے تاکہ آپ جیسے عالم، دانشور اور دیگر ماہرین اس کا جائزہ لے کر اس کی خامیوں کی نشاندہی کر سکیں اور اسے بہتر بنانے کے لئے مفید تجاویز دے سکیں۔

اس رپورٹ کے علاوہ میں اصولی طور پر آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے خاص و عام کی رائے حاصل کرنے کے لئے انہیں مشتہر کیا جائے۔ اس سے یقیناً بہتر نتائج حاصل ہوں گے۔

دینی خدمات کا تذکرہ کرتے وقت شاید یہ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ حکومت نے حال ہی میں قابلِ اعتراض فیچر فلموں کی از سرِ نو تصدیق کرانا ضروری قرار دے دیا ہے

تاکہ فحاشی اور تشدد سے بھرپور فلموں کی حوصلہ شکنی کی جا سکے۔ اس کے علاوہ فلم سنسر بورڈ کو بھی متعلقہ قوانین سختی سے نافذ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

اسی طرح پریس سنسر شپ والوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخبارات اور رسائل سے اخلاقیات اور اسلامی اقدار کے منافی مواد کی اشاعت روک دیں۔

اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹی وی کے نہ صرف پروگراموں کو بہتر اور نسبتاً صاف ستھرا بنا دیا گیا ہے بلکہ مالی مصلحتوں سے قطع نظر ان کے وہ تمام اشتہارات بند کر دیئے گئے ہیں جو ہماری اقدار اور اسلامی روایت کے منافی تھے۔

ذاتی طور پر بھی میں نے سرکاری اور غیر سرکاری تقریبات میں قومی زبان اور قومی لباس کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ میرے خیال میں ان حقیر کوششوں سے ملّی اقدار اور قومی تشخص کے فروغ میں مدد ملے گی۔

حاضرینِ گرامی! ان اقدامات کے باوجود ہمارا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ ہم نے اپنی منزل پا لی ہے۔ ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ ہم اپنی منزل کی طرف جانے والی صحیح راہ پر گامزن ہو گئے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم عملاً اللہ اور اس کے رسولؐ کی حاکمیت اعلیٰ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ البتہ ہمیں اس بات پر فخر ضرور ہے کہ جو کام گزشتہ ۳۰ سالوں میں نہ ہو پایا، اس کی ابتدا ان تینوں سالوں میں ہو گئی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم ہی دینِ اسلام نافذ کر سکتے ہیں۔ البتہ یہ عزم ضرور رکھتے ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہلت اور توفیق عطا کی ہم نفاذِ اسلام کے لئے مخلصانہ کوششیں کرتے رہیں گے اور اپنی صلاحیتوں کو اس کارِ خیر کے لئے صرف کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔

آپ کی تقاریر سن کر میرے اس عزم اور حوصلے کو مزید تقویت ملی ہے آپ کے تعاون اور پشت پناہی کے اعلانات سن کر سچ پوچھئے تو میرا خون بڑھ گیا ہے

کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی غیر اسلامی عمارت کو گرانے یا کوئی اسلامی عمارت بنانے کا اگر ہمارے علمار تہیہ کرلیں تو وہ اسے جذبۂ جہاد کے ساتھ انجام تک پہنچاتے ہیں اور اللہ کے فضل وکرم سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

میرے خیال میں نفاذِ اسلام کے عمل کو کامیاب بنانے کے لئے علمار دو محاذوں پر مزید خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ ایک آئینی اور قانونی سطح پر اور دوسرے نچلی اور عملی سطح پر۔

آئینی اور قانونی سطح سے میری مراد علمی رہنمائی ہے جس کے ذریعے علمار حکومت کو بتا سکتے ہیں کہ کون سا اقدام یا قانون کس حد تک غیر اسلامی ہے اور اسے مکمل طور پر کس طرح اسلامی قالب میں ڈھالا جاسکتا ہے۔

دوسری سطح عوام کی ہے، جنہیں ذہنی طور پر نفاذِ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اسلام کے بہت شیدائی ہیں۔ آپ کی تقاریر بھی اپنی جگہ درست ہیں کہ اس ملک کا بچہ بچہ نظامِ اسلام کے لئے خون کا آخری قطرہ بہانے کو تیار ہے، لیکن میں نے بالغوں، خاص طور پر "صاحبِ نصاب" لوگوں میں بعض ایسے افراد بھی دیکھے ہیں جو سو روپے میں سے اڑھائی روپے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے سے گریز کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اللہ کے پیارے بندے ایسے بھی ہیں، جو پہلے ہی حکومت کے کسی ضابطے یا دباؤ کے بغیر زکوٰۃ دیتے رہے ہیں اور آج کل بھی دے رہے ہیں، لیکن ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں جو اسلام کے نام پر پہنچنے والے ہر فائدے سے لطف اندوز ہونے کو تیار ہیں، لیکن اگر انہیں اسلام کے نام پر کچھ دینا پڑجائے تو حیلے بہانے تلاش کرنے لگتے ہیں۔

حاضرینِ گرامی! اصل مسئلہ ذہنوں کی تعمیر ہے۔ جیسا کہ ایک فاضل مقرر نے فرمایا کہ

اسلام باہر سے اندر داخل نہیں ہوتا بلکہ سب سے پہلے وہ انسان کے قلب و ذہن کو متاثر کرتا ہے اور پھر اعمال اس کے مطابق شکل اختیار کرتے ہیں۔ اذہان کی تربیت اور تعمیر میں وہ اہم کردار انجام دے سکتے ہیں۔

ایک فاضل مقرر نے فرمایا اور بجا فرمایا کہ قیامِ پاکستان کے دوران قیادت بیشک حضرت قائداعظم محمد علی جناح اور دوسرے لیڈروں کے ہاتھ میں تھی، لیکن اسلام کے نام پر قائداعظم کی آواز پر لبیک کہنے والے وہ لوگ تھے جنہیں ذہنی اور فکری طور پر علماء نے تیار کیا تھا۔ میں علماء سے درخواست کروں گا کہ وہ اب بھی اپنے اس مشن کو جاری رکھیں اور لوگوں کو ذہنی اور فکری طور پر اس بات کے لئے تیار کریں کہ وہ نفاذِ اسلام سے متعلق ہر قدم کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ایک ذریعہ سمجھ کر اپنائیں اور اس پر خلوصِ دل سے عمل کریں تاکہ معاشرے کے جن حصوں میں لادینیت یا بے حسی کی فضا پائی جاتی ہے، وہ ختم ہو سکے اور نفاذِ اسلام کا عمل بلا رکاوٹ آگے بڑھ سکے۔

اب آیئے اس کنونشن میں پیش کردہ تجاویز اور آراء کی طرف جو میرے خیال میں اس دو روزہ کنونشن کا "حاصل" ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کنونشن میں جو بھی چھوٹی یا بڑی، بنیادی یا ذیلی نوعیت کی تجاویز پیش کی گئی ہیں، وہ ساری کی ساری میں نے اور میرے رفقاء نے نوٹ کر لی ہیں۔ ان میں سے بعض موٹی موٹی باتوں پر میں اب اظہارِ خیال کروں گا، جن میں سے بعض کے متعلق ابھی فیصلوں کا اعلان کروں گا اور بعض تجاویز کے بارے میں ان مخصوص کمیٹیوں میں غور کیا جائے گا جو اس مقصد کے لئے قائم کی جا رہی ہیں۔

اس سلسلے میں میں سب سے پہلے جس نکتے کو زیرِ بحث لانا چاہتا ہوں، وہ اتحادِ ملت اور فقہی اختلافات کا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے زکوٰۃ اور عشر کے نفاذ کے

بارے میں شیعہ اور سنّی حضرات کے نقطۂ نظر میں کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں اور اس کنونشن میں بھی جب متعلقہ فقہوں سے تعلق رکھنے والے مقررین نے اس موضوع پر اظہارِ خیال کرنا شروع کیا تو انھوں نے بنیادی باتوں پر اتفاق رائے کا اظہار کرنے کے علاوہ اپنے اپنے مسلک اور اپنے اپنے نقطۂ نظر کا اعادہ کیا۔ بعض حضرات نے اس ضمن میں ایران کے آئین کا بھی حوالہ دیا۔ میں ذاتی طور پر ایران کے اسلامی انقلاب کا مداح ہوں اور اس خیال کا حامی ہوں کہ ہمیں کسی بھی آئین میں اگر کوئی قابلِ تقلید نکتہ نظر آئے تو اسے ضرور اپنانا چاہیئے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ایسا نکتہ قرآن و سنت کے منافی نہ ہو۔

تقاریر کے سلسلے میں جو ٹھوس تجویز سامنے آئی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ۳۱ علماء نے ۱۹۵۱ء میں "۲۲ نکات" کے نام سے جو تاریخی دستاویز متفقہ طور پر منظور کی تھی، اسے مشعلِ راہ بنایا جائے اور اسے دورِ حاضر کے مسائل کے حل کے لئے لائحہ عمل گردانا جائے۔ اس تجویز میں بہت وزن ہے۔

اس بارے میں حکومت کے پیشِ نظر دو مقاصد ہیں:۔

(الف) ملّتِ اسلامیہ کا اتحاد اور

(ب) تمام مسالک کے اعتقادات کا لحاظ

ہم نے ابھی تک انہی دو مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرقہ وارانہ کشیدگی کو پیدا نہیں ہونے دیا اور انشاء اللہ آئندہ بھی پیدا نہیں ہونے دیں گے۔ علماء حضرات سے بھی میری درخواست ہے کہ وہ بھی فرقہ وارانہ تعصبات سے بلند تر رہتے ہوئے رواداری، اخوّت اور اتحاد کا مظاہرہ کریں تاکہ ہم اپنی منزل کی طرف پیش قدمی کر سکیں، ورنہ دشمن تاک میں ہیں اور وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ خدانخواستہ کب ہماری اندرونی

یک جہتی میں کوئی رخنہ پڑے اور وہ اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکیں۔

اسی موضوع سے متعلق ایک تجویز یہ بھی پیش کی گئی کہ رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ان کے صحابۂ کرام یا دیگر مذہبی اکابرین کے متعلق ہتک آمیز گستاخانہ تحریر و تقریر کی حوصلہ شکنی کرنے کے لئے ضروری قانون بنایا جائے۔ میں سمجھتا ہوں یہ تجویز بہت اچھی ، اور ضروری ہے اور ملک میں مناسب مذہبی فضا قائم رکھنے کے لئے بہت مفید ہے۔ میں اسے منظور کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سلسلے میں جلد ضروری قانون بنایا جائے گا اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سخت سزا رکھی جائے گی۔

اسی طرح احمدیہ اقلیت کی طرف سے شائع ہونے والے لٹریچر پر بھی نظر رکھی جائے گی اور دین اسلام کے منافی مواد کو شائع ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔

نفاذِ اسلام کے سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کا بھی کئی بار ذکر آیا اور اس کی کارکردگی اور دائرۂ کار کو بہتر بنانے کے لئے کئی تجاویز پیش کی گئیں۔ میں ان میں سے زیادہ تر تجاویز سے اتفاق کرتا ہوں اور کونسل کو زیادہ فعّال ، موثّر اور مفید بنانے کے حق میں ہوں۔ اسی سلسلے میں تھوڑی دیر پہلے میں یہ اعلان کر چکا ہوں کہ آئندہ کونسل کی سفارشات پر عمل درآمد سے پہلے انہیں رائے عامہ اور علماء کے مشورے حاصل کرنے کے لیئے عام کیا جائے گا۔ البتہ میں ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل ایک ایسا ادارہ ہے جس کے ذمے نفاذِ اسلام کے لئے مختلف اقدامات کے بارے میں سفارشات مرتب کرنا ہے۔ یہ سفارشات مرتب کرتے وقت اس ادارے کے پیش نظر بنیادی طور پر تین پہلو ہوتے ہیں، جن پر جب حکومت غور کرتی ہے تو ان سفارشات کے انتظامی، مالی اور سیاسی پہلوؤں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اگر

کونسل کی کسی سفارش پر فوری طور پر عمل نہ ہو سکے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں لینا چاہیئے کہ خدانخواستہ حکومت اس اقدام کے خلاف ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی انتظامی یا مالی دشواری حائل ہے۔ مثلاً اگر یہ سفارش ہو کہ ہر تحصیل یا ضلع کی سطح پر قاضیوں کی عدالتیں قائم کی جائیں تو حکومت کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ ضرورت کے مطابق قاضی موجود ہیں یا نہیں، یہ قاضی کہاں عدالتیں لگائیں گے اور اس کام پر کتنا خرچہ ہو گا۔ یا اگر یہ سفارش ہو کہ فلاں قانون غیر اسلامی ہے، اسے فوراً ختم کیا جائے تو حکومت کو یہ دیکھنا ہے کہ اس قانون کو ختم کرنے کے بعد جو خلا پیدا ہو گا اسے کس طرح پُر کیا جائے۔ جہاں تک خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹیاں قائم کرنے کی تجویز ہے حکومت نے سوچنا ہے کہ اگر تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم ختم کرنے لئے لڑکیوں کا داخلہ بند کر دیا جائے تو کیا ان کے لئے متبادل درس گاہیں موجود ہیں یا نہیں، اور اگر نہیں ہیں تو کتنی لاگت سے اور کتنے عرصے میں بنائی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح خواتین یونیورسٹی کی تجویز بہت عمدہ ہے اور حکومت اسے اصولی طور پر منظور کر چکی ہے، لیکن مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے ابھی تک اسے عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا۔ انشاء اللہ وسائل بہتر ہوتے ہی اس پر عمل کیا جائے گا۔

بہت سے مقررین نے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کی نظرِ ثانی پر زور دیا ہے۔ میں ان کے جذبے کی داد دیتا ہوں اور ان کی تجویز کی حمایت کرتا ہوں۔ لیکن یہ کام ایک دن، ایک ماہ یا ایک سال میں ہونا مشکل ہے۔ اس کے لئے وقت چاہیئے۔ ہم پہلے ہی نظریۂ اسلام کو پیشِ نظر رکھ کر نئی قومی تعلیمی پالیسی وضع کر چکے ہیں۔ نصاب اور اکثر درسی کتابوں پر نظرِ ثانی کی جا چکی ہے۔ بعض درسی کتابیں از سرِ نو لکھوائی جا رہی ہیں۔ کتابوں کی نظرِ ثانی یا از سرِ نو لکھائی کے دوران آپ کی تجاویز سے استفادہ کیا جائے گا۔ اس سلسلے

میں آپ آج ایک مفصل پروگرام کے بارے میں سن چکے ہیں۔

بعض حضرات نے ان پاکستانی بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دلائی ہے جو بیرونِ ملک رہ رہے ہیں۔ ان حضرات کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اہم دارالحکومتوں میں جہاں پاکستانی سفارت خانے قائم ہیں "پاکستان اسکول" کھولے گئے ہیں تاکہ مقامی پاکستانی لوگوں کے بچوں کو صحیح خطوط پر تربیت دی جاسکے۔ جہاں ہمارے سفارت خانے نہیں ہیں یا اس کے وسائل کم ہیں، وہاں مقامی آبادی یعنی پاکستانی کمیونٹی خود اسکول کھول سکتی ہے، حکومتِ پاکستان ہر طرح کی امداد کرے گی۔

آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ ایک پاکستانی ریکارڈنگ کمپنی کے تعاون اور بعض صاحب علم حضرات کی کوششوں سے اسلامی تعلیمات پر مبنی بہت سے ریکارڈ، کتب اور رسائل بیرونِ ملک پاکستانیوں اور ان کے بچوں کے لئے بھیجے جارہے ہیں۔

عدلیہ اور نظامِ عدل کے متعلق حسبِ ذیل تجاویز سامنے آئی ہیں:-

۱۔ انصاف بکتا ہے اور مہنگا بکتا ہے اور انصاف اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کی جیب میں روپے کھنکتے ہیں۔

۲۔ وکلاء کی فیسیں بہت زیادہ ہیں جنہیں عام شہری برداشت نہیں کرسکتا۔ وکلاء کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

۳۔ کئی جج صاحبان عربی اور علوم اسلامیہ سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ان کی تقرری کے وقت ان کے اسلامی رجحان کو اہمیت دی جائے۔ ججوں کو ریفریشر کورس کرائے جائیں۔ ادنیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کو اسلامی علوم میں تربیت دی جائے اور اس سلسلے میں علماء سے مدد لی جائے۔

۴۔ شرعی عدالتوں میں علماء مقرر کئے جائیں۔

۵۔ کلیدی جگہوں پر صاف اور صالح ذہن رکھنے والے افراد کو لگایا جائے۔

۶۔ اسلامی حدود کے ساتھ "تعزیراتِ پاکستان" بھی چل رہی ہے جو جرائم اسلامی حدود کے تحت آتے ہیں، انہیں تعزیراتِ پاکستان کے ذریعے ختم کرایا جائے۔

جہاں تک علمائے کرام کا تعلق ہے، اس کنونشن کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ آپ کو صحیح مقام نہ صرف عطا کرنا ہے بلکہ آپ کو بھی اس کے متعلق احساس دلانا ہے کہ آپ کا مقام کیا ہے۔ آپ کو اپنے مقام سے بے بہرہ نہیں ہونا چاہیئے میرے نزدیک علمائے کرام اور مفکّرینِ دین کا مقام بہت اعلیٰ ہے۔ انشاء اللہ جہاں تک میرے اختیار میں ہے، آپ کی عزت اور آپ کے مقام کے لئے تمام ممکن اقدامات کروں گا۔ صوبائی کونسلوں میں بھی آپ کے نمائندے ہوں گے۔ وفاقی کابینہ، وفاقی کونسل یا بعد میں نیشنل اسمبلی بنے تو اس کے لئے بھی ایسے اقدامات کئے جائیں گے کہ علماء حضرات کی نمائندگی ہو۔

معزّزین شہر کی فہرستیں بنانے کا جو موجودہ طریقِ کار ہے، کل اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں انشاء اللہ اس کا فوراً سدِباب کروں گا اور ان فہرستوں میں علمائے کرام کو ضرور شامل کیا جائے گا۔ اس کے احکامات جلد جاری کر دیئے جائیں گے۔

اسلامیہ یونیورسٹی میں علماء کی بحیثیت اساتذہ تقرّری کی جائے گی۔ علماء کا ایک وفد عنقریب بلوچستان جائے گا۔

بلوچستان ہمارا وہ صوبہ ہے جو رقبہ کے لحاظ سے پورے پاکستان کا نصف حصہ ہے، اگرچہ آبادی کے لحاظ سے چھوٹا ہے۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ ہمارے وہ صوبے جو دوسروں کے مقابلے میں چھوٹے ہیں مثلاً صوبۂ سرحد، صوبۂ بلوچستان، صوبۂ

سندھ، وہاں محرومی کا احساس پیدا نہ ہو۔ پنجاب ایک بڑا صوبہ ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح یہ صوبہ بڑا ہے اسی طرح اس صوبے کے لوگوں، عالموں اور عوام کے دل بھی بڑے ہیں۔ مختلف صوبوں میں رہنے والے ہم سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی کوشش میں ایک قدم اور آگے بڑھیں تاکہ آپس میں صحیح طور پر برادرانہ تعلقات میں مزید اضافہ ہو۔

دینی مدارس کمیٹی کی رپورٹ آپ نے سن لی ہے۔ انشاءاللہ اس پر جلد عمل ہو گا۔

طریقۂ نفاذِ دستور پر بہت تنقید ہوئی ہے۔ میں آپ کی آرا سے متفق ہوں، لیکن آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کوئی سربراہِ مملکت یا سربراہِ انتظامیہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کو غلط قسم کے آدمی ملیں۔ کوئی یہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کو ایسے آدمی ملیں جو اس کے کام میں رکاوٹ ڈالیں۔ لیکن میرے نقطۂ نگاہ سے ضروری بات یہ ہے کہ سربراہ کے احکامات کی تعمیل پورے خلوص، لگن اور وفاداری سے کی جائے تاکہ مطلوبہ نتائج برآمد ہوں۔

درسِ قرآن کے ریڈیو اور ٹی وی کے اوقات کے متعلق میں جائزہ لوں گا۔

ابلاغِ عامہ کی اصلاح ہو رہی ہے اور مزید کی جائے گی۔

راشن کارڈ/شناختی کارڈ پر مذہب کے اندراج کا معاملہ کابینہ میں پیش کروں گا۔

احترامِ رمضان اور احترامِ نماز کے متعلق بہت گفتگو ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم صحیح معنوں میں احترام کر سکیں۔ مشاورتی کونسل کی توسیع کے بعد میں توقع کروں گا کہ جناب علامہ احسان الٰہی ظہیر کے خیالات کے مطابق یہ کونسل صحیح معنوں میں کام کرے گی۔

مساجد اپنے اپنے فقہ کے مطابق ہونی چاہئیں۔

علماء کنونشن سال میں دو دفعہ نہیں تو انشاء اللہ ایک دفعہ ضرور ہوا کرے گا۔ اس کنونشن کے ایک سیکرٹری جنرل کی بھی تجویز آئی ہے جس کا ہم جائزہ لے رہے ہیں۔

پولیس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ آپ کے مشورے بالکل جائز ہیں اور اس سلسلے میں ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔

ہمارا موجودہ سیاسی نظام جو پارٹی کی بنیاد پر بنا ہے، اس میں بڑی خامیاں ہیں۔ جب تک ان کو آپ دور نہیں کریں گے، اس وقت تک یہاں سیاست صحیح معنوں میں نہیں چل سکتی۔

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت خلا ضرور ہے، اس خلا کو کس طرح پر کیا جائے میں انشاء اللہ کچھ عرصے کے بعد اپنی تقریر میں اس کا اعلان کروں گا۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے نقطۂ نگاہ سے ہمارے ہر کام میں اسلامی نقطۂ نظر کارفرما ہونا چاہیئے۔

گزشتہ ۳۵ - ۴۰ سالوں میں ہماری ذہنی تربیت ایسی ہوئی ہے کہ سارا زور ووٹ کی پرچی ڈالنے پر ہے۔ جب تک کوئی شخص اپنی پرچی ڈبہ میں نہیں ڈال دیتا، اس کو تسلی نہیں ہوتی۔

جہاں تک ہر بالغ کو اپنی رائے دینے کا تعلق ہے، اس میں میرے خیال میں اسلامی نقطۂ نظر سے یہ اعتراض ضرور ہو سکتا ہے کہ آپ ایک ان پڑھ کو بھی وہی حق دے رہے ہیں اور پڑھے لکھے کو بھی وہی۔

جہاں تک بالغ رائے دہی کا تعلق ہے، آپ اس پر اتفاق کر لیں، اس پر

مصالحت کریں لیکن آپ کا جو نمائندہ ہے، اس پر اس قسم کی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ وہ جب تک صحیح معنوں میں پاکستانی اور صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہے، اسمبلی کا رکن بننے کا مستحق نہیں ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ہماری وزارتِ قانون اور میری ذاتی گزارش پر جناب بروہی صاحب اس چیز کا بھی جائزہ لے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جلد ہی ضروری قوانین نافذ کئے جائیں گے۔ جہاں تک ہمارے آئین کا تعلق ہے، اس کا دیباچہ تو اسلامی ہے لیکن اس کے اندر غیر اسلامی مواد ہے۔ اس کو صحیح معنوں میں اسلامی بنانا ہوگا۔ اس کے بعد الیکشن کے بارے میں بھی وہی بات قابلِ غور ہے کہ آیا پرچی ڈالنے کے طریقۂ کار کو یک دم بدل سکتے ہیں یا نہیں۔ میرے خیال میں اس کو فوری طور پر بدلنا مشکل ہے۔ اس دوران جو خلا پیدا ہو گیا ہے، اس کو پُر کرنے کے لیئے اور عوام کی شرکت کے لئے ضروری اقدامات ہونے چاہئیں۔ میں اس سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں کہ موجودہ خلا کو پُر کیا جائے، اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے قوم کو اعتماد میں لیا جائے اور یہ غیر یقینی حالت دور کی جائے۔

مگر میرے نقطۂ نگاہ سے محض اسمبلی یا وفاقی کونسل بنانا کافی نہیں ہے۔ جب تک آپ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس کونسل کو یا پارلیمنٹ کو صحیح معنوں میں مجلسِ شوریٰ نہیں بنائیں گے، اس وقت تک کام نہیں چلے گا۔ میری مجلس شوریٰ آپ ہیں اور آپ کے توسط سے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب آپ یہاں سے جائیں تو اپنے تمام رفقاء، عزیزو اقارب اور اپنے حلقۂ اختیار میں یہ بتائیں کہ اس وقت پورے ملک اور قوم کو جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم صحیح معنوں میں غریبوں کی خدمت کریں، صحیح معنوں میں اس ملک کو اسلامی اقدار پر استوار کریں اور اسلامی نظام کو نافذ کریں۔

مسجد داتا دربار کا کام رکا نہیں۔ منفرد ڈیزائن منظور ہو چکا ہے۔ کل لاہور میں

فائینل میٹنگ ہو رہی ہے۔ اس سال ستمبر/اکتوبر میں ٹنڈر طلب کئے جائیں گے۔ چھت تلے یا کورڈ ایریا میں دو ہزار اور کھلی جگہ میں بیس ہزار نمازیوں کے لئے گنجائش ہوگی۔ کل خرچ کا تخمینہ ڈھائی تین کروڑ روپے ہے۔

دعوت ناموں کا ذکر ہوا کہ انگریزی زبان میں جاری ہوئے۔ آئندہ آپ کو دعوت نامے اردو زبان میں ملیں گے۔

مختلف تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے چھ کمیٹیاں قائم کی جارہی ہیں جن کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ تبلیغی اور ابلاغِ عامہ کی کمیٹی

یہ کمیٹی اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک تبلیغِ اسلام کے پروگرام مرتب کرے گی۔ ابلاغِ عامہ کی اصلاح کرے گی۔

۲۔ تعلیمی کمیٹی

یہ کمیٹی اسلامی نظامِ تعلیم کی تدوین اور ترویج کے لئے رپورٹ تیار کرے گی اور موجودہ نظامِ تعلیم میں اصلاح کے لئے سفارشات مرتب کرے گی۔

۳۔ نفاذِ اسلام کمیٹی

یہ کمیٹی نفاذِ اسلام کے عمل کی نگرانی کرے گی اور مناسب اقدامات کی نشاندہی کرے گی۔

۴۔ معاشیات کمیٹی

بلاسود معاشی نظام قائم کرنے میں مدد دے گی۔

۵۔ قانونی اور سماجی کمیٹی

یہ کمیٹی اسلامی نظامِ عدل قائم کرنے میں حکومت کی راہنمائی اور مدد کرے گی۔ اس کے علاوہ سماجی برائیوں کی نشاندہی کرے گی اور ان کے قلع قمع کے لئے اقدامات تجویز کرے گی۔

۶۔ تنظیم مساجد کمیٹی

یہ کمیٹی مساجد کی بہتر تنظیم کے متعلق رپورٹ تیار کرے گی۔

یہ تمام کمیٹیاں اپنی علیحدہ علیحدہ رپورٹ تین ماہ کے اندر اندر پیش کریں گی۔ ان کمیٹیوں میں کون کون سے علماء شامل ہوں گے، ان کی کل تعداد کتنی ہوگی اور ان کا صحیح دائرۂ کار کیا ہوگا، اس کا تعین کرنے کے لئے ایک کنوینگ کمیٹی قائم کی گئی ہے جس کے ارکان یہ ہیں:۔

مولانا سید محمود احمد رضوی صاحب، مولانا پیر کرم شاہ صاحب، مولانا عبیداللہ صاحب، مولانا عبدالقادر آزاد صاحب، مولانا احسان الٰہی ظہیر صاحب، جسٹس (ریٹائرڈ) جمیل حسین رضوی صاحب اور وزارتِ مذہبی امور کے سیکرٹری (جو اس کمیٹی کے بھی سیکرٹری ہوں گے)

اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کا ایک مقام ہے مَیں

نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو وسعت دی جائے اور ان کی سفارشات کا اعلان کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس کونسل کی موجودہ میعاد ختم ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کی تشکیلِ نو میں ایسے افراد چنے جائیں جو صحیح معنوں میں اس کام کو تیزی سے آگے بڑھا سکیں۔ اس کنونشن کے تمام مقررین نے دو باتوں کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ حکومت کے طریقۂ کار میں کچھ نقص ہے۔ نفاذِ اسلام کی رفتار سست ہے۔ دوسری بات یہ کہ عوام کی آواز ہم تک نہیں پہنچ سکتی۔ آپ عوامی آدمی ہیں۔ مسجدوں میں عوام کے ساتھ مل بیٹھتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عوام کے کیا خیالات ہیں۔ اس سلسلے میں میں ایک علماء بورڈ کی تشکیل کرتا ہوں۔ اس علماء بورڈ کی حیثیت میرے مشیر کار کی ہو گی۔ ان کو حکومت کی طرف سے تمام سہولتیں بھی مہیا کی جائیں گی۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مجوزہ کمیٹیاں جو سفارشات پیش کریں گی، یہ علماء بورڈ ان سفارشات کا جائزہ لے۔ علماء بے شک انفرادی طور پر مجھ سے ملیں، لیکن اجتماعی طور پر کم از کم مہینے میں ایک دفعہ اس علماء بورڈ کا اجلاس ہو گا۔

بورڈ کے ارکان یہ ہیں :۔

۱۔ جناب مولانا سید محمود احمد رضوی صاحب

۲۔ پیر کرم شاہ صاحب

۳۔ ابو نصر منظور احمد صاحب

۴۔ مولانا عبید اللہ صاحب

۵۔ مولانا عبد القادر آزاد صاحب

۶۔ مفتی سیاح الدین کاکا خیل

۷۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب

۸۔ علامہ عبدالقادر روپڑی صاحب

۹۔ مولانا شبیر الحسن محمدی صاحب

۱۰۔ مسٹر جسٹس جمیل حسین رضوی صاحب

۱۱۔ علامہ رحمت اللہ ارشد صاحب

۱۲۔ بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب

۱۳۔ مولانا محمد بخش مسلم صاحب

۱۴۔ مولانا خلجی صاحب

۱۵۔ مولانا یوسف قریشی صاحب

آخر میں مَیں اپنی تقریر اس بات پر ختم کرنا چاہتا ہوں جو قوس و قزح کی طرح سارے کنونشن میں حاضرین کے دلوں میں بار بار خوشی کے احساسات پیدا کرتی رہی ہے۔ میری مراد مفاہمت اور اتحاد کے ان جذبات سے ہے جن کا تقریباً سبھی مقررین نے اظہار کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواہ ہمارا تعلق ملک کے کسی بھی علاقے اور دین کے کسی بھی مسلک سے ہی کیوں نہ ہو، قومی اور ملکی معاملات میں ہمارے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ ہمارا نصب العین اور ہماری منزل ایک ہے، ہمارا خدا اور ہمارا رسولؐ ایک ہے، ہماری کتاب ایک ہے اور ہمارا دین ایک ہے۔ ہم ایک امّت کے ارکان اور ایک ہی ملک کے شہری ہیں، نہ صرف ہمارا ماضی مشترکہ ہے بلکہ ہمارا مستقبل بھی انشاء اللہ ایک دوسرے سے منسلک ہے۔ ہماری خوشحالی اور ہماری بقائے باہمی اتحاد اور یگانگت میں مضمر ہے۔ کل بعض مقرّرین نے بجا طور پر فرمایا کہ اصل جنگ اسلام اور دشمنانِ اسلام کے درمیان ہے۔ دشمنانِ اسلام یہ نہیں دیکھتے کہ کونسا مسلمان کس فرقے یا مسلک سے تعلق رکھتا ہے۔ اُن کی گولی

بلا امتیاز مسلمانوں کے سینے میں پیوست ہوتی ہے اور آج بھی دنیا کے مختلف حصوں میں پیوست ہو رہی ہے۔ اگر ہم دشمن کی گولیوں کو دور رکھنا اور اس کی چالوں کو ناکام بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں دینی یگانگت اور ملی اتحاد کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ہوگا اور مجھے پورا یقین ہے کہ اس ملک کے آٹھ کروڑ عوام اس اتحاد کو ہر چیز پر مقدم سمجھیں گے اور اندرونی استحکام اور یک جہتی پر کبھی کوئی حرف نہیں آنے دیں گے۔ انشاء اللہ!

پاکستان پائندہ باد

قومی مسائلِ صحت کے موضوع پر سیمینار سے خطاب

اسلام آباد : ۲۳ اگست ، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۳ اگست ، ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں قومی مسائلِ صحت کے موضوع پر ایک سیمینار سے خطاب کیا۔

صدر نے عوام کی بھلائی اور ان کی صحتِ عامہ کے معیار کو بلند کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ تینوں طریقہ ہائے علاج کو مربوط کیا جائے اور حفظانِ صحت سے متعلق عوام کا شعور بیدار کیا جائے۔ اس سلسلے میں اصلاح وترقی کے لئے دیگر ممالک کی تحقیق وتجربے سے بھی استفادہ کیا جائے۔ طبّی تحقیق کو اس طرح منظم کیا جائے کہ عام آدمی مستفید ہو سکے۔

صدر نے پوسٹ گریجویٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام کی تجویز کو بھی منظور کرنے کا اعلان کیا اور ایلوپیتھی، یونانی اور ہومیوپیتھی طریقِ علاج کی وسیع پیمانے پر تحقیق کے لئے ہر قسم کی امداد کا یقین دلایا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے مسائل کا جائزہ ملک کے معاشی اور سماجی ماحول میں لینا چاہیئے۔

ہمارے اسلاف، طبّ، ریاضی اور سائنس میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔
ہم محنت، لگن اور کوشش سے دوبارہ یہ مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین

سائنس اور ٹیکنالوجی کے مشیر ڈاکٹر ایم اے قاضی صاحب،
وزارتِ سائنس ٹیکنالوجی کے سیکرٹری جناب منظور احمد شیخ صاحب،
وزارتِ صحت کے سیکرٹری لیفٹیننٹ جنرل سی کے حسن صاحب،
پاکستان میڈیکل ریسرچ کونسل کے چیئرمین میجر جنرل محی الدین صاحب
مندوبینِ کرام
اور
معزز خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ قومی مسائل، مسائلِ صحت سے متعلق اس سیمینار میں شامل ہونا میرے لئے باعثِ عزت اور خوشی کا مقام ہے جس کے لئے میں پاکستان میڈیکل ریسرچ کونسل، وفاقی

وزارتِ صحت اور وزارتِ سائنس و ٹیکنالوجی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں کل صبح تقریباً اسی وقت اسی ہال میں علماء کے کنونشن کے اختتامی اجلاس کی صدارت کر رہا تھا۔ بظاہر علماء کنونشن اور صحت کے مسائل میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا، لیکن اس کامیاب اور فکر انگیز کنونشن میں دیگر باتوں کے علاوہ دو باتیں ایسی بھی سامنے آئیں جن سے میڈیکل ریسرچ سمیت زندگی کے تقریباً تمام شعبے رہنمائی اور تقویت حاصل کر سکتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں ایسے سنہری دور گزرے ہیں جب ہمارے اسلاف نے فقہ، قانون، طب، ریاضی، سائنس اور دیگر علوم میں ممتاز مقام حاصل کئے اور قابلِ رشک خدمات انجام دیں اور ہم محنت لگن اور جاں فشانی سے اپنا یہ مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ سامنے آئی کہ ہمیں اپنی اصلاح اور ترقی کے لئے بے شک دوسرے ملکوں کی تحقیق اور تجربے سے استفادہ کرنا چاہیئے لیکن بنیادی طور پر ہمیں اپنے مسائل کو اپنے ماحول میں اور اپنے وسائل کے مطابق حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

تیسری چیز جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں اور اس کا بعد میں تفصیلاً کچھ عرض کروں گا، وہ یہ ہے کہ علماء کنونشن میں میں نے تمام فقہوں کے نمبرداروں کو یہاں بلایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ حضرات جن کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ ایک دوسرے سے بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ایک دوسرے کے متعلق ان کے آپس میں بڑے اختلافات ہیں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دو دِن کے کنونشن میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو اتحاد اور یگانگت میں نے محسوس کی، وہ میری توقعات سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔ آج کی اس کانفرنس میں مجھے صرف ایک طبقہ نظر آ رہا ہے اور وہ ہے سائنسدانوں کا۔ ڈاکٹرز بھی سائنسدان ہیں۔ اس کے بعد میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ریسرچ اپنی جگہ پر، لیکن طب کے میدان میں جب تک آپ باقی فرقوں کو اپنے ساتھ نہیں ملائیں گے، پاکستان کی مشکلات حل نہیں ہوں گی۔ دوسرے فرقوں سے

میری مراد حکماء اور ہومیو پیتھس سے ہے۔ اگر آپ ان میں نیم حکیم بھی شامل کرنا چاہیں تو بےشک کر لیں۔ لیکن اگر اللہ کا فضل شاملِ حال رہا تو آج سے چار سال بعد پاکستان میں اتنے ڈاکٹر ضرور ہو جائیں گے جو ہماری ضروریات پوری کر سکیں، لیکن پھر بھی ایک ڈاکٹر کم از کم پچاس ہزار نفوس کے لئے ممکن ہو سکتا ہے۔ اب آپ بطور محقّق، بطور سائنسدان، بطور ڈاکٹر اس طرف توجّہ دیجئے کہ کیا آج سے پانچ سال بعد بھی پاکستان کے لوگ ڈاکٹر کی شکل دیکھنے کے لئے ترسیں گے۔ سی۔ کے۔ حسن صاحب نے کہا ہے کہ بعض حضرات کو اس کے متعلق شک ہے کہ پاکستان میں ریسرچ ہو رہی ہے۔ اگر کسی کو شک ہے تو میرے سامنے بات کرے۔ پاکستان میں اتنی ریسرچ ہو رہی ہے کہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ بعض معاملات میں ہمارا معیار اتنا وسیع ہے کہ ترقی پذیر ممالک ہمیں رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں چند مشکلات ہیں جن کی طرف میں آپ کی توجّہ دلوانا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کہ بعض ترقی یافتہ ممالک میں بھی یہ مسائل ہوں، مگر میں نے تین سال کے اس تجربے اور پینتیس سال کی فوج کی نوکری میں یہ مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے یہاں ہر شعبے میں، ہر طبقے میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً طب کے شعبے میں دو قسم کے ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہیں حرفِ عام میں ڈنڈا ڈاکٹر کہتے ہیں۔ چاہے ان کو O.C.C.M.M. لگا دیں، لیبارٹری میں لگا دیں یا فوجیوں کے ساتھ سکیمیں کرنے کے لئے بھیج دیں، ہر فن مولا ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو ماہرین یا SPECIALISTS ہوتے ہیں۔ جب آپ کسی SPECIALIST کا نام لیں تو آپ کے ذہن میں کسی ایسے مرد یا خاتون کا نقشہ بنے گا جو اپنے پیشے میں بہت مقام رکھتے ہیں۔ لوگ ان کی تعریف بھی کرتے ہیں اور ان کا تجربہ بھی بہت وسیع ہے، لیکن ان کے متعلق دو چار اور باتیں آپ کے ذہن میں آئیں گی۔ مثلاً یہ کہ ان کی فیس بہت زیادہ ہے، وہ پاکستان میں نہیں بلکہ امریکہ یا جرمنی

میں رہتے ہیں اور پھر جب ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے شعبے میں کچھ کارکردگی دکھائیں، کچھ سازوسامان مہیا کریں، اپنے شعبے کو بہتر طریقے پر منظم کریں تو وہاں ان کی کارکردگی صفر ہوتی ہے۔ البتہ اپنے کام میں وہ ماہر ہوتے ہیں اور اس کی میں انہیں داد دیتا ہوں۔ لہٰذا آپ کو پاکستان میں نہ صرف تحقیق کے معیار کے سائنس دان پیدا کرنے ہیں بلکہ اگر ان میں انتظامی لحاظ سے بھی صلاحیت اور قابلیت پیدا کی جائے تو ہم اتنی ترقی کر سکتے ہیں کہ بہت سے ممالک کو پیچھے چھوڑ جائیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ محی الدین نے SPECIALIST، ہوتے ہوئے بھی کچھ انتظامی صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ محققین کو بھی اس قابل بنائے کہ وہ انتظامی استعدادِ کار کا مظاہرہ کر سکیں۔

تیسری بات جو میں آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ پاکستان میں وسائل کی کمی ہے۔ خاص طور پر صحت کے میدان میں جن چیزوں پر تحقیق کی ضرورت ہے، ان کے لئے وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آپ نے ابھی ڈاکٹر صاحب کی زبانی بین الاقوامی ادارۂ صحت کے بارے میں سنا کہ تحقیق کا مقام صرف ترقی پذیر ممالک کے حصے میں آیا ہے، کیونکہ انہیں ٹیکنالوجی کی سوجھ بوجھ ہے، مالی وسائل کی کوئی کمی نہیں اور پھر کام کرنے والے بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ آپ اس چیز کی طرف توجہ دیجئے کہ ترقی پذیر ممالک میں اگر ریسرچ کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر ہم کسی شعبے میں مقام حاصل نہیں کر سکتے تو پاکستان کے حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، آپ ان کو کیسے عبور کریں گے؟ پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ ہمارے یہاں کیا اس بات کی ضرورت نہیں کہ بجائے اس کے کہ خاص خاص افراد کو خاص خاص شعبوں میں متعین کیا جائے، ان کو وہ کام بھی دیا جائے جسے کرنے کے بعد وہ قوم اور ملک اور میڈیکل ریسرچ کونسل یا میڈیکل کے شعبے کے خاص آدمی کو اپنے تجربات سے آگاہ کر سکیں۔

یہ دو تین باتیں تھیں جن کی طرف میں آپ کی توجہ دلوانا چاہتا تھا، لیکن ایک نکتہ اور بھی ہے جس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے اس بارے میں آپ کا نقطۂ نظر کچھ اور ہو۔ بہرحال، اگر اس بارے میں آپ کو مجھ سے اختلاف ہو تو میں معذرت چاہتا ہوں۔

وہ نکتہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں پیشہ ور افراد جن میں ڈاکٹر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جتنا زیادہ پڑھ لکھ جاتے ہیں اتنا ہی ان کا دل و ذہن تنگ اور محدود ہو جاتا ہے، حالانکہ ہونا تو اس کے برعکس چاہیئے۔ میرے خیال میں اس بات پر بھی تحقیق کرنی چاہیئے کہ ان کے دل و دماغ میں کس طرح کشادگی پیدا کی جائے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے طبّی ماہرین اپنی کارکردگی میں کسی سے پیچھے نہیں۔ طبّی تحقیق کے میدان میں مسلمان اکابرین کی خدمات بھی آپ کے سامنے ہیں۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ ابنِ سینا نے جراثیم کو اس وقت "اجسامِ خبیثہ" قرار دیا تھا جب ابھی خوردبین بھی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ رازی پہلا مسلمان طبیب تھا جس نے کلینکل میڈیسن کی اہمیت اور افادیت وضع کی۔ اس کے علاوہ جالینوس کی کتاب "التشریح" اور منصور بن محمد کی کتاب "تشریح منصوری" نے معاصرین سے اپنا لوہا منوایا۔ تاریخِ مسلمانوں کے اس طرح کے کئی کارناموں سے منوّر ہے۔ ہمارے سائنس دان، ڈاکٹر اور محقق یقیناً ان مثالوں کو مشعلِ راہ بنا کر تحقیق کی نئی سے نئی منزلیں طے کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے مسائل کا جائزہ اپنے معاشی اور سماجی ماحول میں لیں، ان کا اپنی قومی ضروریات کے مطابق تجزیہ کریں اور اپنے وسائل اور استعداد کے مطابق انہیں حل کریں۔

آج مجھے دو تین تقاریر سُننے کے بعد یہ خوشی ہوئی ہے کہ مشکلات اور محدود وسائل کے باوجود پاکستان میں میڈیکل ریسرچ کا کام تسلّی بخش طور پر جاری ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان

میڈیکل ریسرچ کونسل قابلِ قدر خدمات انجام دے رہی ہے۔کونسل کے چیئرمین نے خالص پیشہ ورانہ مگر ٹیکنیکل انداز میں ریسرچ سے متعلق کام اور مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔میں ان سے اتفاق کرتا ہوں کہ ملک میں ریسرچ کی سہولتوں کو بہتر بنانے کے لئے مزید کئی سہولتوں کی ضرورت ہے، لیکن ہماری سب سے بڑی رکاوٹ وسائل کی کمی ہے۔ ہم ملکی وسائل کے مطابق ریسرچ پروگراموں پر حتی الامکان توجہ دے رہے ہیں مجھے خوشی ہے کہ ریسرچ کونسل کے زیر اہتمام کئی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کئے جا چکے ہیں۔ جنرل محی الدین صاحب نے جہاں جہاں نئے انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے، حکومت ان کا بھی جائزہ لے گی اور اصولی طور پر میں ان کی اس تجویز کو قبول کرتا ہوں، لیکن اس چیز کا جائزہ لینا ضروری ہے۔وسائل کی فراہمی کے ساتھ ساتھ نئے پوسٹ گریجویٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی کھولے جانے کی ضرورت ہے۔ ان تمام اداروں کا جائزہ لیا جائے گا۔ بہر حال، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت ہر قسم کی تحقیق، خاص طور پر طبّی تحقیق کو بہت اہمیت دیتی ہے کیونکہ اس کا تعلق انسانی جانوں سے ہے۔میرے خیال میں میڈیکل ریسرچ پر خرچ ہونے والا ایک ایک پیسہ انسانی جانوں کے تحفّظ پر خرچ ہونے کے مترادف ہے۔حکومت وطنِ عزیز کے عزیز شہریوں کی صحت اور زندگی کے لئے بہتر سہولتیں مہیا کرنے پر پوری توجّہ دے رہی ہے اور دیتی رہے گی۔

ہمارے ہاں صحت اور علاج کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے۔ ہماری شہری اور دیہی آبادی کا بیشتر حصّہ ایسے حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے جہاں صحت اور صفائی کی بنیادی سہولتیں بھی مفقود ہیں۔شہروں کے پسماندہ علاقوں میں لوگ حفظانِ صحت کے بنیادی اصولوں کے منافی ایسے ماحول میں رہ رہے ہیں جہاں بیماریوں کا پیدا ہونا اور پھلنا پھولنا ایک قدرتی امر معلوم ہوتا ہے۔اس طرح ہماری اکثر دیہاتی آبادی ایسے دُور دراز اور غیر ترقی یافتہ علاقوں میں رہ رہی ہے

جہاں ہسپتال اور علاج معالجے کی سہولتیں تو درکنار، پینے کا پانی بھی نایاب ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں شہری اور دیہی علاقوں کے متعلق بنیادی اعداد و شمار بھی دستیاب نہیں جن پر پوری طرح اعتماد کر کے حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی کی جا سکے۔

ان گھمبیر اور بظاہر ناقابلِ حل مسائل کو حل کرنے کے لئے ہم آج تک زیادہ تر مغربی ممالک کی تقلید کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ہم اپنے مسائل کا حل مغربی طریقۂ علاج اور مغربی ٹیکنالوجی میں تلاش کرتے رہے ہیں، حالانکہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن جیسے بین الاقوامی ادارے اس بات کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ مغربی طرز کی ہیلتھ ٹیکنالوجی ترقی پذیر ملکوں کی فوری ضروریات پوری کرنے کے لئے بالکل غیر موزوں ہے۔ اس کے خیال میں یہ ٹیکنالوجی اور اس پر مبنی ادویات اتنی مہنگی ہیں کہ اس سے ترقی پذیر ممالک کی قلیل آبادی ہی مستفید ہو سکتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق فی الحال ہمارے ملک میں ۲۵٪ افراد کو طبی سہولتیں میسّر ہیں اور ان ۲۵ فیصد لوگوں میں بھی زیادہ تر وہ خوش قسمت شامل ہیں جو بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں اور طبی اخراجات کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یہاں چونکہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کا ذکر آیا ہے، اس لئے میں آپ کے توسّط سے ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے نمائندے کو پاکستان کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ اس ادارے نے طبّی میدان میں پاکستان کی وہ مدد کی ہے جس کا ذکر نہ صرف لازمی ہے بلکہ اس کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا ایک فرض سمجھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کا تعاون پاکستان کے ساتھ اسی طرح برقرار رہے گا۔

طبّی مسائل کی کثرت اور طبّی سہولتوں کی کمی کے پیش نظر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک ہی طریقۂ علاج پر انحصار کرتے ہوئے ایک طویل عرصے تک اپنے قومی مسائلِ صحت پر قابو نہیں پا سکیں گے لیکن ہم ذرا انقلابی اور غیر روایتی انداز میں سوچنے کی عادت ڈالیں اور دیسی طریقۂ علاج کو بھی سرکاری سطح پر اپنائیں تو طبّی مشکلات پر کافی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں مجھے عوامی جمہوریۂ چین کی قابلِ قدر مثال یاد آرہی ہے جس نے ایک ہی نسل کے عرصے میں بھوک، بیماری اور جہالت سے نجات حاصل کر کے اپنے عوام کو ایک تندرست و توانا اور تعلیم یافتہ قوم میں بدل دیا ہے۔ چین کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ اس نے نیک نیتی اور خلوصِ دل کے ساتھ کمرِ ہمت باندھی، نئی بنیادوں پر صحت کی منصوبہ بندی کی، ملکی ذرائع کا صحیح استعمال کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے مقامی طرزِ علاج "ایکوپنکچر" جس کا آپ نے ذکر سُنا ہو گا، کو فروغ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ترقی یافتہ ممالک سے بھی کئی لوگ علاج کے لئے عوامی جمہوریۂ چین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایلوپیتھی کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے میں صدیوں سے رائج طبِّ مشرق کی سرپرستی پر زور دینا چاہتا ہوں۔ یہاں ایلوپیتھی کے خلاف کوئی بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور ایلوپیتھی کا اپنا مقام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علاج میں جتنی ترقی طبّ کے میدان میں ایلوپیتھی کے ذریعے ہوئی، اس کے متعلق کسی کو کوئی شک نہیں ہے، لیکن اس علاج معالجے کا طریقہ اور اس کی بنیادیں اگر آپ دیکھیں تو وہ آپ کو طبِّ مشرق میں ملیں گی اور جب طبِّ مشرق کے بعض بعض شعبوں کی اس قدر اہمیت ہے اور اس سے اتنا استفادہ کیا جا سکتا ہے تو پھر ہمیں اس کی طرف کیوں نہیں دیکھنا چاہیئے۔ اس بارے میں مَیں آپ حضرات سے درخواست کروں گا کہ للّٰلہ آپ تنگ نظری کے بجائے اپنے دل اور ذہن کو تھوڑا کشادہ کیجئے اور بغیر کسی شک و شبہے کے اس کی طرف توجّہ دیجئے۔ یہ طریقۂ علاج جو عام طور پر "یونانی حکمت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، آج بھی بہت مقبول ہے۔ آج بھی بہت سے لوگ اس طریقۂ علاج پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں اور بعض حالات میں اسے مغربی طرزِ علاج پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور مروّج طریقۂ علاج ہومیوپیتھی ہے جس کے کئی ماہرین

اور معالج ملک کے مختلف حصوں میں عوام کی خدمت کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں مجھے ہومیو پیتھ ڈاکٹروں کے ایک وفد سے ملنے کا اتفاق ہوا ان کا دعویٰ تھا کہ وہ بعض ایسی پیچیدہ اور پرانی بیماریوں کا کامیابی سے علاج کر سکتے ہیں جن کے بارے میں بعض اوقات مغربی طریقۂ علاج بھی بے بس ہو جاتا ہے۔ ذاتی طور پر میں ان کے اس دعوے کی تصدیق یا تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہمارے ہاں کئی لوگ ہومیو پیتھی کو ایک مؤثر طریقۂ علاج سمجھ کر اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

علاج کے ان تین طریقوں کا ذکر کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ ہماری میڈیکل ریسرچ کو اس طرح منتظم کیا جانا چاہیئے کہ اس کے نتائج صرف ایلوپیتھی تک محدود نہ رہیں بلکہ ان سے دوسرے طریقۂ علاج بھی استفادہ کر سکیں۔ اسی طرح طبِ مشرق اور ہومیو پیتھی میں جو ریسرچ ہو رہی ہے اس کے نتائج بھی ایلوپیتھی کے ماہرین کے نوٹس میں آنے چاہئیں۔ فی الحال مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان تینوں طریقہ ہائے علاج میں تعاون کے بجائے رقابت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس صورتِ حال کو بدلنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کی تحقیق اور تجربے سے استفادہ کر سکیں۔ اولاً تو ایک ہی ادارے میں تحقیق ہونی چاہیئے اگر بالفرض یہ ممکن نہ ہو تو جو ادارے الگ الگ کام کر رہے ہیں ان کے اندر تعاون کا کوئی طریقۂ کار اختیار کیا جانا چاہیئے۔ پچھلے کچھ عرصے سے آپ نے سنا ہو گا ہم نے ایک مشیرِ طب مقرر کیا تھا، مشیرِ طب جناب محمد سعید صاحب۔ حکیم صاحب آج کل دوسرے چند ضروری مشاغل میں مصروف ہیں، لیکن ان کے مشورے سے ہم نے ایک کونسل بنائی تھی جس کے اندر سائنس دان، ڈاکٹرز، طبِ مشرق سے تعلق رکھنے والے حکما شامل تھے۔ میں نے تو یہاں

RESEARCH ANALYSTS تک کہا تھا کہ اس میں آپ اگر چاہیں تو ہومیو پیتھ

بھی شامل کر لیجئے۔ اس کونسل نے کچھ عرصہ کام کیا لیکن میں یہاں آپ کی اطلاع کے

لیے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حکیم صاحب جو کہ بہت کشادہ دل اور بہت کام کرنے والی

شخصیّت ہیں، نہایت مایوس اور دل برداشتہ ہو کے منسٹری کو خیرباد کہہ کر مجھے

استعفیٰ دے کر چلے گئے۔ جس وقت میں نے حکیم صاحب کا تقرّر کیا تو مجھے میرے چند

دوست احباب نے کہا کہ دیکھو یار تم نے یہ طبّ کے مشیر تو مقرّر کر دیئے ہیں

اب ایلوپیتھی کے شعبے میں مشیر مقرر کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟

تو میں نے ان سے کہا کہ جناب دیکھئے! ایلوپیتھی کے متعلق تو کسی کو شک ہے ہی

نہیں۔ میرا ایک مشیر نہیں، دس مشیر ہیں۔ جنرل سی۔کے حسن کو دیکھئے،

سیکرٹری ہیلتھ ہیں۔ کیا وہ میرے مشیر نہیں ہیں۔ جنرل محی الدین کو دیکھئے، کیا وہ

میرے مشیر نہیں ہیں اور جتنے جتنے میڈیکل کالجز کے پرنسپلز ہیں، ڈاکٹرز صاحبان ہیں،

ریسرچ کونسل ہے، کیا وہ میرے مشیر نہیں ہیں؟ میں نے کہا اس طریقے کو تھوڑی

مدد SUPPORT کی ضرورت ہے، اس کو ہم نے یہ مقام دیا ہے تاکہ اس کی حوصلہ

افزائی ہو، لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ڈاکٹروں نے حکیم صاحب

کا بستر گول کروا دیا۔ اس لیے میں آپ سے گزارش کروں گا کہ اس کی طرف توّجہ

دیجئے۔ میں اتنی جلدی ہار ماننے والا نہیں ہوں۔ میں ایک کے بجائے تین

حکیم سعید لاؤں گا اور اس ملک میں تینوں شعبوں میں انشاء اللہ تعالیٰ کام ہوگا۔

میں ابھی آپ کو نہایت اطمینان، تسلّی اور نہایت دھیمے دھیمے انداز میں اس

چیز کی طرف رجوع کروا رہا ہوں، لیکن مجھے امید ہے کہ ان کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ڈاکٹرز اور سائنس دان حضرات سے میری گزارش ہے کہ اس کی طرف دیکھیں کیونکہ

اس علم، اس پیشے، یعنی طبّ مشرق کی بہت سی خدمات ہیں، انہیں آپ نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میرے اس اندازِ فکر کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ صحت سے متعلق اتنے مسائل ہیں کہ ان پر تینوں اطراف سے حملہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ایک طریقۂ علاج دوسرے طریقۂ علاج کی اعانت اور تکمیل کر سکے۔ میرے خیال میں اس سلسلے میں کسی طرح کے احساسِ برتری یا احساسِ کمتری میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ خلوصِ نیت اور جذبۂ خدمت کے ساتھ قومی مسائلِ صحت کو حل کرنے کے لیے کوشش کرنی چاہیئے۔

لہٰذا میں پاکستان میڈیکل ریسرچ کونسل سے جو طبّی تحقیق کا سب سے اعلیٰ ادارہ ہے، یہ توقع کروں گا کہ وہ نہ صرف ایلوپیتھی کے مختلف شعبوں میں کی جانے والی تحقیق میں ربط پیدا کرے گی، بلکہ وہ مشرقی طریقۂ علاج کے تحقیقی کام کو بھی مربوط بنائے گی۔ اس سلسلے میں وفاقی وزارتِ صحت اور وزارتِ سائنس اور ٹیکنالوجی کونسل کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کریں گی۔

جہاں میں آپ کے سامنے یہ ذکر کر رہا تھا کہ ہمارے ہاں تین طریقے ہیں اور ان میں باہمی ربط و تعاون ہونا چاہیئے، وہاں میرا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ پاکستان میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر تحقیق نہ کی گئی ہو یا جس پر کوئی موادِ مطالعہ موجود نہ ہو، جس کا نہ صرف عام اشخاص بلکہ بڑے بڑے ملکی اور غیر ملکی ماہرین نے تجزیہ نہ کیا ہو۔ آپ کیبنٹ ڈویژن میں چلے جائیے، وہاں آپ کو انبار کے انبار نظر آئیں گے۔ میں آپ کو نہایت یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ گزشتہ ۳۲ سال میں ریسرچ، رپورٹرز، سٹڈیز چاہے کسی موضوع کا نام لیجئے، اگر آپ طب یا میڈیکل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو

بتانے کے لئے تیار ہوں کہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس پر کوئی تجربہ نہ ہوا ہو۔ میں صرف عام میڈیکل ریسرچ کے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں، کیوں کہ اس کا ایک مسلسل عمل ہے،، بلکہ وہ تمام مضامین یا شعبے جن کا تعلق صحتِ عامہ یا میڈیکل ایجوکیشن کے ساتھ ہو۔ جس وقت یہ سٹڈیز مکمل ہو جاتی ہیں اور ان کی رپورٹیں چھپ جاتی ہیں تو ہماری مشکل صرف یہ ہے کہ پھر ان کو نہ تو کوئی پڑھنے والا ملتا ہے اور نہ ان پر کوئی عمل کرنے والا ملتا ہے۔ میں یہاں کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرنا چاہتا، آپ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ہی کو لے لیجئے اور دیکھئے جنرل محی الدین صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے میڈیکل ریسرچ کونسل کا اگر دائرۂ اختیار نہیں تو کم از کم اسے دائرہ اظہار کہہ لیجئے، اتنا ہے کہ بعض بعض کالجوں کے اندر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم ہیں، لیکن اگر آپ دیکھیں کہ ان کے اندر، ان کے مابین کتنی ایسوسی ایشن ہے تو اس کے لئے آپ ڈاکٹر امیر محمد صاحب جو نیوکلیر زرعی سائنس دان ہیں، سے پوچھئے۔ وہ آپ کو بتائیں گے کہ یہ تحقیقی ادارے آپس میں کتنا تعاون کرتے ہیں۔ ایک سائنس دان جو لاہور میں کام کر رہا ہے، اس کا تحقیقی کام اور تجربہ صرف اُسی تک محدود ہے۔ وہ اپنے دوسرے ساتھی کو بتانے کے حق میں نہیں جب تک وہ گندم کی B-55 کی جگہ B-57 نہ پیدا کرے۔ اور پھر وہ اپنے اس کارنامے کے نتائج میں اتنا غرق رہتا ہے کہ دنیا کے تمام کام بھول جاتا ہے۔ ہمارے یہاں جو طریق کار ہے وہ یہ ہے کہ ایک چیز کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور اس پر ہم بہت محنت اور جاں فشانی سے کام کرتے ہیں، پھر اس کا نتیجہ بھی اچھا نکلتا ہے، رپورٹیں بھی چھپتی ہیں، لیکن ان پر عمل کروانا مشکل ہے۔ میں میڈیکل ریسرچ کونسل کے

ممبران کو اس سیمینار کے توسط سے یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جو موجودہ ادارے کام کر رہے ہیں، ان کا جائزہ لیجئے، ان میں باہمی تعاون کرنے کی فضا پیدا کیجئے، ان میں آپس میں ربط اور CO-ORDINATION ہونا چاہیئے۔ پھر اس کے بعد تحقیق کے میدان میں آپ کے لیے ذرائع پیدا کرنا میرا کام ہے۔ آپ ایک نہیں دس سینٹر کہیں، میں بنانے کے لئے تیار ہوں، لیکن آپ مجھے صرف ایک چیز کی گارنٹی دیجئے کہ یہ ادارے خود مختار نہیں ہوں گے، جنرل محی الدین صاحب ان پر صحیح معنوں میں کنٹرول کریں گے۔ مجھے ان کی قابلیت کا اعتراف ہے، اعتراض نہیں ہے، لیکن میں صرف توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ ہمیں ریسرچ کی ضرورت ہے، ریسرچ کے اداروں کی ضرورت ہے، خاص طور پر میڈیکل کالجوں میں۔ جس ادارے میں آپ تحقیق ہی نہیں کر رہے، وہاں پڑھائیں گے کیا؟ تو اس لئے میں ان کی اس تجویز کے ساتھ بالکل اتفاق کرتا ہوں اور تمام وسائل انشاء اللہ مہیا کروں گا، لیکن جو میری توقعات ان سے اور ان کی ریسرچ کونسل سے ہیں، وہ یہ ہیں کہ ان کے اندر ربط و تعاون اس قسم کا ہو کہ اس سے قوم کو اور میڈیکل کے پیشے کے لوگوں کو فائدہ پہنچ سکے۔

یہ قابلِ تحسین بات ہے کہ میڈیکل ریسرچ کونسل نے ملک میں موجودہ پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوٹس ہی سے کام لینا شروع کر دیا ہے جس کے لئے الگ ادارے اور انسٹی ٹیوٹس کی ضرورت تھی۔ اس طرح ملک میں موجود سہولتوں اور ذہانت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں ہمیں اپنے ہاں سرمائے اور مناسب تربیت یافتہ تحقیقی کام کرنے والوں کی کمی کا کچھ مسئلہ بھی درپیش ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ دوسرے میڈیکل کالج جو ماضی قریب میں معرضِ وجود میں

آئے ہیں، وہ بھی ایسی مثال قائم کریں گے اور پاکستان میڈیکل ریسرچ کونسل ان تعلیم گاہوں میں ایسے مراکز قائم کرنے کی ضرورت کا جائزہ لے گی تاکہ یہ درس گاہیں بھی اسی سطح پر آجائیں۔ اس طرح صحت کے مسائل کے حل میں مدد ملے گی اور صحت کے مختلف النوع اور پیچیدہ مسائل پر بڑا مفید کام ہو سکے گا۔ جہاں تک پاکستان ریسرچ انسٹی ٹیوٹ فار میڈیکل سائنس کے قیام کا تعلق ہے، طب کے شعبے میں جدید تحقیقات اور مسلسل تگ و دو ایک جاری و ساری عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہر حال، اس طرح کے کسی تحقیقی ادارے کے قیام کے منصوبے کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میں اصولی طور پر اس انسٹی ٹیوٹ کے قیام کی منظوری دیتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ متعلقہ وزارتیں اس منصوبے پر ہمدردی سے ہی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں غور کر کے اس کا جائزہ لے کر کابینہ کے سامنے سفارشات پیش کریں گی تاکہ اس انسٹی ٹیوٹ کے قیام میں کوئی دیر نہ ہو۔

حکومت پوری طرح کوشاں ہے کہ محنت، لگن اور خلوص سے وطن اور قوم کے لئے مصروفِ عمل محققین کو مکمل سہولتیں اپنے قیام کی حدود میں مہیا کی جائیں اور مجھے پوری توقّع ہے کہ ہمارے ذہانت کے اسلحہ خانے خالی نہیں ہیں۔ یہ لوگ پورے ایثار سے اپنی صلاحیّت کا مظاہرہ کر کے ملک سے بیماریوں اور مشکلات کے خاتمے کے لئے ہمارا ساتھ دیں گے۔ اس کے لئے ہم نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے لئے کچھ قواعد وضع کئے ہیں۔ میں میڈیکل ریسرچ کونسل اور ان کے چیئرمین اور ممبران سے گزارش کروں گا کہ وہ اس کا مطالعہ کریں، سیکرٹری ہیلتھ اس چیز مطالعہ کریں اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ، ڈاکٹر بزمی صاحب کی جو دکان ہے اور آپ جو نیا پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ قائم کرنا

چاہتے ہیں، اس کا بھی مطالعہ کیجئے۔ ہمارے ہاں آج کل یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ ایسے ادارے کے قیام کے وقت یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ جناب ہمیں خود مختار حیثیت دی جائے اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں RED TAPISM اتنا ہے کہ میں بھرپور کوشش کے باوجود تین سال میں ایک فیتہ نہیں کاٹ سکا ہوں۔ اگر میں ان کے مسائل حل نہیں کرسکتا ہوں تو پھر ان کو ایک AUTONOMOUS BODY بنا دیجئے۔ شاید اس کے ذریعے مسائل حل ہو جائیں، کیونکہ بعض خود مختار اداروں کی کارکردگی بہت بہتر ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے ابھی پچھلے دنوں جیسا کہ ڈاکٹر سی۔کے۔حسن صاحب نے ذکر کیا ہے، ہیلتھ لیبارٹریز کو نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ اٹانومس کا درجہ دے دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ انہیں جو مشکلات درپیش ہیں، وہ دور ہو جائیں گی اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ صحیح معنوں میں قومی معیار پر پورا اترے گا۔ اس طریقے سے آپ اسں کو بھی بنائیے، آپ اس کو بھی اٹانومس سٹیٹس دیجئے، میں اس کا بھی اعلان کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ آپ جائزہ لیجئے کہ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں جو ہمارے سائنس دان ہیں، جو بہت ہمت اور محنت کے ساتھ قومی مسائل کی بعض شکایات کو حل کرنے میں مصروف ہیں اور ان میں سے بعض سائنس دان ایسے ہیں، جس طرح ہمارے ہاں بعض ڈاکٹرز ایسے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو آج انہیں کسی غیر ملک میں ہمارے ملک سے چار، پانچ، دس گنا زیادہ تنخواہ مل سکتی ہے اور جن کو زیادہ تنخواہ نہیں ملتی وہ اللہ کے فضل سے یہاں بھی اپنی محنت کے ساتھ ۲۴ گھنٹوں میں ۲۲ گھنٹے پرائیویٹ پریکٹس کر کے اتنی رقم مہیا کر سکتے ہیں۔ اس لیے میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ آپ اس چیز کا جائزہ لیجئے اور ایسے

قوانین وضع کیجئے ۔ اگر ہم ایک میڈیکل اینڈ ریسرچ انالسٹ کو پندرہ ہزار روپیہ نہیں دے سکتے تو کم از کم اتنی رقم تو دیں کہ انہیں کسی اور طرف توجّہ دینے کی ضرورت نہ رہے ۔ دیکھئے جو پیٹ کا مسئلہ ہے، یہ نہ صرف ڈاکٹروں کے لیے ہے، نہ صرف اداروں کے لئے ہے بلکہ یہ سب کے لیے ہے ۔ یہاں تک کہ علمائے دین کا بھی مسئلہ یہی ہے ۔ آپ نے کل میری تقریر میں سنا ہوگا، میں نے صاف کہا ہے کہ جب تک پیٹ میں ایندھن نہیں پہنچے گا، نہ دماغ کام کرے گا نہ ہاتھ کام کریں گے ۔ یہ ایک انسانی فطرت ہے ۔ جس شخص نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصّہ ایک خاص تعلیم حاصل کرنے کے لیے صرف کیا ہے اور نہایت محنت کے ساتھ ڈگریاں لی ہیں، تمغے لیے ہیں، باہر کے ملکوں کی ہوا کھائی ہے، دھکے کھائے ہیں، جب وہ پاکستان میں آکر جنرل محی الدین سے کہتا ہے کہ مجھے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ میں لگاؤ تو برنی صاحب کہتے ہیں کہ میرے پاس تو، اگر بڈ کے علاوہ جگہ خالی نہیں ۔ اٹھارہ سو روپے میں وہ یہاں کیا گھاس کھائے گا۔اس لیے آپ ان کی تنخواہوں کا تعیّن کیجئے تاکہ موجودہ حالات کے مطابق ایک محبِّ وطن سائنس دان، ڈاکٹر یا عالمِ دین تنخواہ کی فکر سے بالاتر ہو۔ ہمارے وسائل اتنے نہیں ہیں کہ ہم انہیں اتنی تنخواہ دے سکیں کہ وہ بالکل ہی دنیا کو بھول جائیں یہ بھی نہیں ہو سکتا، لیکن کم از کم ہم اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ انہیں ان کی تعلیم، ان کے مقام، ان کی پیشہ ورانہ صلاحیّت کے مطابق یا جس کام کے لیے وہ متعیّن ہیں، کم از کم اس کے لیے اتنے مالی ذرائع ان کے لئے پیدا کریں کہ پھر فالتو ٹی اے ڈی اے یا پرائیویٹ پریکٹس یا اِدھر اُدھر کے خیالات سے ان کا ذہن پاکیزہ رہے اور وہ صحیح معنوں میں ریسرچ کی طرف رجوع کر سکیں ۔

حاضرینِ گرامی ! پاکستان میڈیکل ریسرچ کونسل کے چیئرمین کی رپورٹ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بعض بیماریاں عام طور پر پسماندہ ممالک سے مخصوص ہوتی ہیں اور بعض ترقی یافتہ ممالک سے۔ مثلاً ملیریا، چیچک، تپ دق اور چھوت وغیرہ کی وبائیں عام طور پر غریب اور غیر ترقی یافتہ ممالک کا مقدّر سمجھی جاتی ہیں جب کہ ہائپرٹینشن "ہارٹ اٹیک" اور "ان سومنیا" جیسے امراض عموماً ترقی یافتہ ممالک میں پائے جاتے ہیں، لیکن پاکستان جو نہ پورے طور پر پسماندہ ہے اور نہ مکمل طور پر ترقی یافتہ، دونوں قسم کی بیماریوں کی زد میں ہے جیسا کہ جنرل محی الدین صاحب نے ابھی ذکر کیا ہے اس لئے جنرل محی الدین صاحب جب پاکستان میڈیکل ریسرچ کونسل کے زیرِ اہتمام ہونے والی تحقیقات کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے مختلف بیماریوں کا ذکر کر رہے تھے تو مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ شاید دنیا کی سبھی بیماریاں ہماری ہی قسمت میں لکھ دی گئی ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے؟ میرا اور آپ کا اس میں کوئی حق نہیں؟ جب تک ہم حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی صحیح معنوں میں نہیں کرتے، بیماریوں کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ اردن کوئی ترقی یافتہ ملک نہیں ہے، ترقی پذیر ملک ہے۔ میں نے کچھ عرصہ وہاں گزارا ہے۔ لبنان میں اب حالات کچھ مشکل ہیں کبھی زمانے میں لوگ اسے مشرق کا پیرس کہا کرتے تھے، لیکن آپ اردن میں جا کر دیکھئے وہاں پر بھی ہماری ہی طرح کے لوگ ہیں۔ مڈل کلاس، لوئر کلاس۔ کوئی ٹیکسی ڈرائیور ہے، کوئی فوج میں ہے، کوئی دکاندار ہے، لیکن آپ وہاں جا کر دیکھیں گے کہ ہر شخص کا چار اینٹوں کا مکان ہے، ہمارے ہاں اسے جھگی کہتے ہیں، وہاں پر اس قسم کی جھگی نہیں، لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ گھر پتھر کا بنا ہے، ہمارے یہاں اینٹ کا

یا مٹی کا بنا ہوا ہے، لیکن ہر گھر کے باہر ایک سیلوفین بیگ کے اندر گھر کا تمام کوڑا کچرا گھر والی باہر رکھ دیتی ہے جسے میونسپل کمیٹی کی گاڑی اٹھا کے لے جاتی ہے۔ یہ میں ۱۹۸۰ء کا ذکر کر رہا ہوں۔ اب وہاں کیا حالت ہے میرے خیال میں اس سے زیادہ ترقی کی ہوگی انہوں نے ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میڈیکل ریسرچ کونسل یہ دیکھے کہ سیلوفین بیگ کس قسم کا ہونا چاہیئے، میں آپ کی توجّہ اس طرف دلوانا چاہتا ہوں کہ آپ اس پر بھی ریسرچ کریں اور قوم و ملک اور حکومت کی رہنمائی کریں کہ حفظانِ صحت یا صحتِ عامّہ کے متعلق ہمارے ہاں کیا کیا جانا چاہیئے، کس طریقے سے ہم لوگوں کو صفائی کا احساس دلا سکتے ہیں۔ آپ دیکھئے، صفائی سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے ۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ اس سلسلے میں ذرا توجہ دیجئے ۔ میرے خیال میں جیسا کہ میں عرض کر رہا تھا کہ بیماریوں کو کم کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لوگوں میں حفظانِ صحت کا شعور پیدا کیا جائے ۔ میری رائے میں پاکستان میڈیکل ریسرچ کونسل کو اس کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے کہ پاکستان جیسے ملک میں جہاں بیشتر آبادی لکھنے پڑھنے کی صلاحیّت سے عاری ہے کس طرح صحت کا شعور پیدا کیا جا سکتا ہے۔ آج کل دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ شہروں اور قصبوں کی گلیوں اور گھروں کے سامنے گندا پانی بہتا رہتا ہے۔ گھر کا کوڑا کرکٹ اپنے یا اپنے ہمسائے کی دہلیز پر ڈال دیا جاتا ہے ۔ پینے کے پانی کو صاف کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ۔ صفائی کا معیار غیر تسلی بخش ہوتا ہے۔ ان حالات میں بیماریاں خود بخود جنم لیتی ہیں اور خوب پھلتی پھولتی ہیں ۔ مجھے معلوم ہے کہ اس مسئلے کا کوئی فوری اور آسان حل نہیں ہے، لیکن میرے خیال میں صحت کے متعلق لوگوں میں شعور پیدا کرنے سے ہم خاصی حد تک اس مسئلے کو کسی حد تک

حل کر سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں حفظانِ صحت کا شعور پیدا کر کے بیماریوں کے خلاف آدھی جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ جنرل محی الدین نے کونسل کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے جن تجاویز اور مشکلات کا ذکر کیا ہے، حکومت ان پر ہمدردی سے غور کرے گی اور کوشش کرے گی کہ طبی تحقیق کو درپیش رکاوٹیں جلد از جلد دور کی جائیں۔ میں متعلقہ وزارتوں کو ہدایت کروں گا کہ وہ بھی یہ مسائل حل کرنے میں کونسل سے پورا تعاون کریں۔

مجھے امید ہے کہ اس کونسل کے نتائج کی نہ صرف رپورٹ تیار کی جائے گی بلکہ آپ مقصد کے حصول کے لئے بتائیں گے کہ آپ کی سفارشات پر کس طریقے سے عمل کرانے کی کوشش کی جائے۔ جہاں تک ریسرچ کونسل اور تحقیقی اداروں کا تعلق ہے، جیسا کہ میں نے ابھی آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومتِ پاکستان انشاءاللہ آپ کی پوری مدد کرے گی اور آپ کو جو مالی یا دوسری مشکلات درپیش ہیں، انہیں انشاء اللہ ہم ضرور حل کریں گے۔ آخر میں مَیں آپ کا شکریہ ادا کرنے سے پہلے صرف ایک چیز کا اور ذکر کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ابھی چند دن ہوئے ہیں HIJRA CENTENARY CELEBRATION کے سلسلے میں ایک میٹنگ ہو رہی تھی، اس کا موضوع تھا

CONTRIBUTION OF ISLAM TOWARDS SCIENCE IN FOURTEEN HUNDRED YEARS

اور ایک نکتہ جس پر بحث ہو رہی تھی وہ یہ تھا کہ آیا کہ اس کانفرنس میں صرف مسلمانوں کو بلایا جائے یا غیر مسلموں کو بھی شمولیت کی اجازت دی جائے۔ ڈاکٹر منظور احمد صاحب نے یا جنرل سی۔ کے حسن نے، کسی نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا تھا، اس لئے میں اس کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح

اسلام کے نقطۂ نگاہ سے مسلمان مملکتوں کے درمیان کوئی جغرافیائی حدود نہیں ہیں، اسی طرح میرے نقطۂ نگاہ سے تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی میں بھی کوئی جغرافیائی حدیں نہیں ہیں۔ اس وقت اگر مغرب میں یہ ترقی ہو رہی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم مغرب کی نہ صرف تقلید کریں بلکہ ان کے جو نکات ہیں ان کو سیکھنے کے بعد اس چیز کا جائزہ لیں کہ ہم ان کو کس طریقے سے اپنے ماحول میں اپنا سکتے ہیں۔ اس لئے سائنس دان، ڈاکٹر صاحبان کی خدمت میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے اگر آپ چین جانا چاہیں، جاپان جانا چاہیں، یورپ جانا چاہیں، انگلستان جانا چاہیں، روس جانا چاہیں، جہاں مرضی ہو جایئے، تعلیم حاصل کیجئے، علم حاصل کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ اسے پاکستان میں آپ کس طریقے سے صحیح معنوں میں زیرِ عمل لا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اکثر جو شکایات آ رہی ہیں، اُن کے متعلق آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میرے احکامات کے مطابق پاکستان میں سائنس دان، ڈاکٹرز، اگر کسی وقت خواہ چھٹی لے کر یا کسی سیمینار میں یا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے باہر جانا چاہیں تو ان کے لیے جانے کا طریق کار ہم نے اتنا آسان اور سہل بنا دیا ہے کہ آپ کو اس کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیئے۔ اور اگر کسی وجہ سے ہے تو پھر آپ جنرل سی کے حسن صاحب کا دامن پکڑ لیجئے، کیونکہ میں نے انہیں بتایا ہے کہ میں نے تمام محکموں میں اس قسم کی ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ تعلیم اور سائنس کے شعبے میں کسی صاحب کو دعوت نامہ آئے، کوئی اپنے خرچ پر جانا چاہے یا کوئی ہمارا نمائندہ جائے، اس سلسلے میں کسی قسم کی دقّت نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے سائنس دان اور ڈاکٹر خاص طور پر مغربی ممالک سے جو ترقی کے میدان میں بہت زیادہ آگے بڑھ گئے ہیں، علم حاصل کریں۔ پھر ہم ان سے یہ توقع

کریں گے کہ وہ پاکستان بھی واپس آئیں (انشاء اللہ تعالیٰ! (انشاء اللہ کہنا بہت ضروری ہے) اور پھر اس کے بعد پاکستان کے عوام کی خدمت کا بھی خیال کریں۔

میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس اہم مسئلے پر اظہارِ خیال کرنے اور اس سیمینار کا افتتاح کرنے کی دعوت دی۔ میں سیمینار کے نتائج اور رپورٹ کا انتظار کروں گا۔ اس رپورٹ پر عمل کروانے کا بھی بندوبست کیا جائے گا، انشاء اللہ! ساتھ ساتھ ایک واعظ کا نقطۂ نظر بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کا پروگرام جس طریقے پر بنا ہے اُسی طریقے پر آپ اس کو FOLLOW نہیں کریں گے۔ اس میں نماز کے وقفے کی بھی گنجائش ہونی چاہیئے اور ایسی چیزوں کے متعلق میں یہ اظہار کروں گا کہ ہمیں کوئی شرم نہیں محسوس کرنی چاہیئے۔ پروگرام کے اندر یہ لکھا ہوا ہونا چاہیئے کہ وقفہ برائے نمازِ ظہر۔ میں جن شخصیتوں کو جانتا ہوں، یہاں اس ہال میں اس وقت ایسے ایسے نیک بندے، متقی، پرہیزگار بیٹھے ہیں کہ اگر میں ان کی تعریفیں آپ کے سامنے کرنے لگوں تو اس کے لئے بہت زیادہ وقت درکار ہو گا۔ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔ ہمارا تعلق اسلامی جمہوریۂ پاکستان سے ہے اور بحیثیت مسلمان ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اپنے فرائض کی ادائیگی پوری ایمانداری اور خلوصِ دل سے کریں۔ جس طرح آپ یہ چاہتے ہیں کہ حکومت آپ سے تعاون کرے، آپ کے مسائل حل کرے، اسی طرح مجھے بھی آپ سے، خاص طور پر ڈاکٹر صاحبان سے یہ توقع ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے۔ یہ ہمارا ہی نہیں بلکہ اہلِ مغرب کا بھی عقیدہ ہے کہ وہ ڈاکٹر کامیاب ہے جس کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے شفا دی ہے۔ اس کے لئے مخلصانہ محنت درکار ہے۔ اس کے لئے جب تک آپ خدا سے گڑگڑا کر دعا نہیں مانگیں گے، کچھ حاصل نہیں ہو گا، چاہے آپ کتنا ہی علم کیوں حاصل نہ کرلیں۔ اس کے لئے APOLOGETIC ہونے کی ضرورت

نہیں۔ عبادت آپ کا فرض ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ نماز کی ادائیگی باجماعت کریں گے اور نہ صرف مرد بلکہ خواتین بھی پڑھیں گی۔ اگر آپ کسی وجہ سے نہیں پڑھ سکتے تو دعا کیجئے کہ خدا آپ کو اس کی توفیق دے کیونکہ جہاں زندگی میں اور باتیں ضروری ہیں کہ انسان کا ذہن اور اس کی روح خدا کے سامنے سرنگوں ہو۔ آپ اس ہستی کو کائنات کا بانی کہہ لیجئے، نیچر کہہ لیجئے، سپر پاور کہہ لیجئے، جو دِل چاہے کہہ لیجئے مگر جب انسان پر مشکل وقت آتا ہے تو اس کی زبان سے یہی نکلتا ہے کہ اے خدا! میری مدد کر۔ میرا مشاہدہ ہے کہ خاص طور پر طبّی پیشے میں بہت اچھّے اور دین دار لوگ ہیں۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ میں نے بہت سے ایسے غیر مسلم ڈاکٹر بھی دیکھے ہیں کہ جتنا خدا کا ڈر ان کے دلوں میں ہوتا ہے، کسی اور پیشے کے لوگوں میں نہیں ہوتا۔ مجھے امیّد ہے کہ اس نہایت معزز پیشے میں جو ڈاکٹر اور سائنسدان ہیں، میرا روئے سخن خاص طور پر ڈاکٹروں کی طرف ہے، وہ یقیناً اس طرف توجہ دیں گے۔ میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

فیصل آباد میں ٹیلی ویژن بوسٹر کے افتتاح کے موقع پر خطاب

فیصل آباد: ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء کو فیصل آباد میں ٹیلی ویژن بوسٹر کا افتتاح کیا۔

پاکستان ٹیلی ویژن کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ اس ادارے کے تین اہم مقاصد ہیں، عوامی بہبود کے سلسلے میں سرکاری پالیسیوں کی وضاحت کرنا، عوام کو حالاتِ حاضرہ سے باخبر رکھنا اور لوگوں کے لئے تفریحی پروگرام پیش کرنا۔ ٹیلی ویژن کے ذریعے سے ہر قسم کے احساسات کو عوام تک پہنچایا جا سکتا ہے اور پی۔ ٹی۔ وی اپنے مربوط پروگراموں کے ذریعے یہ کام انتہائی مؤثر طریق پر انجام دے رہا ہے۔

صدرِ مملکت نے نفاذِ اسلام کے سلسلے میں پاکستان ٹیلی ویژن کی گراں قدر خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ اس ادارے نے اسلامی اقدار کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس موقع پر انہوں نے بوسٹر کی تکمیل کو تمام پاکستانی انجینئروں اور کارکنوں

کی کارکردگی کا مظہر قرار دیا اور انہیں ایک ماہ کی تنخواہ دینے کا اعلان کیا، ساتھ ہی شہریوں کے لئے اعلان کیا کہ اس سہ ماہی کی لائسنس فیس فیصل آباد کے شہریوں کی طرف سے وہ خود ادا کریں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۝

گورنر پنجاب، جنرل جیلانی صاحب،

سیکرٹری منسٹری آف انفارمیشن، جنرل مجیب الرحمٰن صاحب

اور

معزز خواتین وحضرات!

السلام علیکم۔ پاکستان ٹیلی ویژن ہماری وزارتِ اطلاعات ونشریات کا ایک حصّہ ہے۔ اس وزارت کی تین اہم ذمّہ داریاں ہیں۔ وہ تمام ادارے جن کا تعلق نشرواشاعت سے ہے، ان کی سب سے پہلی ذمّہ داری یہ ہے کہ وہ حکومت کے پروگرام کے بارے میں عوام کو تفصیلی اطلاعات فراہم کریں۔ دوسرا اہم کام جوان کے ذمّے ہے وہ یہ کہ وہ عوام کو صحیح حالات سے باخبر رکھیں اور ان تک صحیح خبریں پہنچائیں۔ ان کی تیسری ذمّہ داری یہ ہے کہ وہ عوام کے لیے تفریح کا سامان بھی مہیّا کریں۔

ٹیلی ویژن کا ادارہ ان تینوں مقاصد کے حصول کے لیے کام کر رہا ہے کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست عوام کے ساتھ ہے جب کہ ریڈیو کا تعلق براہِ راست نہیں ہے کیونکہ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق ریڈیو پروگرام سنتا ہے اور وہ اپنے پسند کے سٹیشن کا خود انتخاب کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ بی بی سی BBC بھی سنتے ہیں۔ ٹی وی اور ریڈیو میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ ریڈیو کی صرف آواز آپ کے کانوں تک پہنچتی ہے۔ آپ کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مخاطب کی شخصیت کیسی ہے۔ یہی حال اخبارات کا ہے۔ آپ اخبارات پڑھتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر آپ لکھنے والے سے واقف نہیں ہوتے۔ اس کی شخصیت کا علم آپ کو نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر "نوائے وقت" کا ایک کالم ہے "روزنِ دیوار سے" جسے عطاء الحق قاسمی تحریر کرتے ہیں۔ اس کالم کو پڑھ کر کالم نگار کے بارے میں اسی وقت اندازہ لگایا جا سکتا ہے جب آپ ان سے ملیں گے اور ان سے بات کریں گے۔ ٹیلی ویژن کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ جب میں ٹی وی پر آپ سے مخاطب ہوتا ہوں یا جب آپ مجیب الرحمٰن صاحب کو سنتے ہیں یا مصلح الدین صاحب چین کے شہر بیجنگ BEIJING سے خبریں ارسال کر رہے ہوتے ہیں تو ہر چیز آپ کے سامنے ہوتی ہے یعنی جس طرح ایکس رے X-RAY کے ذریعے آپ سب کچھ معلوم کر لیتے ہیں اور کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی، ٹھیک اسی طرح ٹیلی ویژن پر نہ صرف آپ کا عکس نظر آتا ہے بلکہ آپ کی آواز سے لے کر آپ کے جذبات اور احساسات کی بھی اس کے ذریعے بخوبی عکاسی ہوتی ہے گویا یہ آپ کو عریاں کر دیتا ہے، بے نقاب کر دیتا ہے۔ اسی لئے یہ ادارہ اپنی نشریات کے آغاز سے لے کر اختتام تک لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے۔

ٹی وی کا سارا عملہ اور ہر پروگرام خواہ اس پر اظہر لودھی صاحب خبریں پڑھ رہے ہوں یا رندھاوا صاحب اس وقت پس منظر میں سٹیشن پر کام کر رہے ہوں، ناظرین کی توجہ کا مرکز ہوتا ہے۔ ٹی وی کے ناظرین مختلف ذوق کے مالک ہوتے ہیں۔ جہاں بہت سے لوگوں کا پسندیدہ پروگرام اقراء ہے، وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو چپس CHIPS پروگرام بڑے شوق سے دیکھتے ہیں، باوجود اس کے کہ وہ ایسے پروگراموں پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد کا پروگرام ہے۔ جب یہ پروگرام پیش کیا جاتا ہے تو کچھ لوگ بھنویں چڑھاتے ہیں، طرح طرح کی باتیں کی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا پسندیدہ پروگرام نیلام گھر ہے۔ الغرض ہمارے مختلف طبقے مختلف قسم کے پروگراموں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ صرف اسی ملک کی بات نہیں، ہر قوم میں مختلف سوچ، فکر اور ذہن کے لوگ ہوتے ہیں۔ تو میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس وقت اس کی نشریات شروع ہوتی ہیں، اس وقت سے لے کر اختتام تک ٹی والوں کی، اس ادارے کی یا تو تعریفیں ہو رہی ہوتی ہیں یا انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگلے روز اخبارات میں تبصرے بھی شائع کئے جاتے ہیں، اداریے بھی لکھے جاتے ہیں۔ آپ پر تنقید مثبت بھی ہوتی ہے اور منفی بھی۔ لہٰذا آپ کا ادارہ وہ ادارہ ہے جو ۲۴ گھنٹے میں سے اپنی نشریات کے دوران تک حالتِ جنگ میں ہوتا ہے۔ اس جیسا کوئی اور ادارہ نہیں ہے۔ پاکستان کے علاوہ دیگر ملکوں میں بھی اس ادارے کی اتنی ہی اہمیت ہے۔ اس لیے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ بعض اعتراضات کے باوجود ہمارے انجینئروں،

ہمارے فنی ماہرین، ہمارے فن کاروں اور آرٹسٹوں نے اپنی انتھک کوشش کے ذریعے اس وقت ملک میں ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے جو نہایت خوش گوار ہے اور اس کامیابی کا سہرا سراسر پاکستان ٹیلی ویژن کے سر ہے۔

پاکستان ٹیلی ویژن سے بجا طور پر بہت سے لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ اس کے زیادہ سے زیادہ پروگرام اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہوں اور اس ادارے میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو صحیح معنوں میں اسلامی ذہن رکھتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کے پروگراموں پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاکستان ٹیلی ویژن میں تو تمام بائیں بازو LEFTISTS سے تعلق رکھنے والے لوگ بھرے پڑے ہیں۔ وہ یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ ضیاء الحق نے اس سلسلے میں اب تک کچھ نہیں کیا۔ ایسے عناصر کی انہوں نے چھانٹی کیوں نہیں کی، لیکن اگر آپ صحیح معنوں میں اس بات کا مثبت طریقے سے جائزہ لیں تو آپ کو واضح طور پر نظر آئے گا کہ گذشتہ تین سالوں کے دوران نہ صرف یہ کہ پاکستان ٹیلی ویژن کا رُخ خانہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا ہے بلکہ اس عرصے میں اس کی اسلامی خدمات اتنی زیادہ ہیں کہ اس کے مقابلے میں پاکستان کے کسی اور ادارے کی نہیں ہیں۔ کسی اور ادارے نے پاکستان اور اسلام کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی کہ پاکستان ٹیلی ویژن نے کی ہے۔ لہٰذا میں آپ کو مبارک باد کا مستحق سمجھتا ہوں۔ میں شروع سے اس کا مدّاح رہا ہوں۔ پاکستان ٹیلی ویژن نے جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، وہ بلاشبہ لائقِ تحسین ہیں اور اس خصوصی موقع پر میں آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ بطورِ سربراہِ مملکت میرا یہ فرض ہے کہ جو اچھی خدمات ہیں انہیں سراہا جائے۔ میرا یہ فرض ہے کہ عوام کو بتاؤں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

قوم و ملک کی وہ خدمت کی ہے جو قابلِ فخر ہے۔
ممکن ہے کہ اس ادارے میں تھوڑے بہت ایسے عناصر بھی ہوں جن کے سوچنے کا انداز مختلف ہو اور جن کے نظریات ہم سے نہ ملتے ہوں۔ ایسے عناصر کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ نہ صرف آپ بلکہ عوام بھی ان کا محاسبہ کریں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پاکستان ٹیلی ویژن پورے کا پورا ایسا ادارہ ہے جسے آپ صبح سے لے کر شام تک کوستے رہیں۔ اس ادارے میں کام کرنے والے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نہ صرف یہ کہ صحیح معنوں میں مسلمان ہیں، پاکستانی ہیں بلکہ ہر وقت قوم و ملک کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ ابھی آپ نے مجیب صاحب کی زبانی کچھ پروگراموں کے بارے میں سُنا۔ میری زبانی بھی چند ایک پروگراموں کے بارے میں سُنیئے۔ آپ اظہر لودھی سے خبرنامہ سُنیں، طارق عزیز کا نیلام گھر دیکھیں، اقراء میں شاکر قاسمی صاحب کی قرأت سُنیں، یہ تمام کے تمام ایسے پروگرام ہیں جو نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونِ ملک بھی بے حد مقبول ہیں۔ شاکر قاسمی صاحب کی قرأت کا جو انداز ہے اس کی نہ صرف پاکستان بلکہ عالمِ اسلام میں تعریف کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو پاکستانی بیرونی ممالک میں رہتے ہیں وہ بھی ان پروگراموں میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کے کیسٹوں کے منتظر رہتے ہیں۔ ماہ رمضان میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ کیسی کیسی مشہور و معروف ہستیوں نے اسلامی تعلیمات پر مبنی پروگراموں میں حصّہ لیا۔ محرم الحرام کے دوران بھی ذکر و اذکار کا اہتمام کیا گیا۔
میں نے جن تین مقاصد کا ذکر کیا تھا، ان تینوں کے اہم پہلوان پروگراموں میں آپ کو نمایاں نظر آئیں گے۔ یہاں اس امر کا ذکر بے جا نہ ہو گا کہ نہ صرف

پاکستان ٹیلی ویژن بلکہ کسی بھی ادارے اور لشہر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ ملک کی تمام آبادی کو خوش رکھے اور نہ ہی یہ آپ کا مقصد ہونا چاہیئے کیونکہ آپ کو نہ مجھے خوش کرنا ہے نہ کسی اور کو، بلکہ آپ کو مثبت انداز میں سوچنا ہے۔

میں یہاں پر ایک مزاحیہ پروگرام کے بارے میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ آج کل ٹی وی پر ففٹی ففٹی پروگرام چل رہا ہے۔ میں نے بہت کم یہ دیکھا ہے لیکن اکثر و بیشتر سُننے میں آتا ہے کہ ففٹی ففٹی میں دلچسپ انداز سے تنقید کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں جب میرا تجسس بڑھا تو میں نے بھی گذشتہ روز اس کا ایک پروگرام خاص طور پر وزارتِ اطلاعات ونشریات سے منگوا کر دیکھا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آخر اس میں کون سی ایسی بات ہے۔ یقین کیجیئے کہ پروگرام دیکھنے کے بعد مجھے اتنی ہنسی آئی کہ بیان نہیں کرسکتا۔ میں نے مجیب الرحمٰن صاحب سے کہا کہ اس پروگرام کے جو پروڈیوسر اور فنکار ہیں، ان کو میری طرف سے خاص طور پر مبارک باد دے دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پروگرام میں پولیس والوں پر ہلکے پھلکے انداز میں تنقید کی جاتی ہے، ٹیلی ویژن کے خلاف، ڈاکٹروں کے خلاف باتیں کی جاتی ہیں، ان پر طنز کیا جاتا ہے، لیکن آپ لوگوں کو کوئی تو ایسا موقع دیجئے کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکیں۔ آپ لوگوں کی زبان بند نہیں کرسکتے۔ انہیں اظہارِ خیال کا موقع دینا ہوگا اور یہ موقع فراہم کرنا ابلاغِ عامہ کا اوّلین فرض ہونا چاہیئے۔

یہی وجہ تھی کہ جب جنرل مجیب صاحب نے اطلاعات ونشریات کی وزارت کے سیکرٹری کا عہدہ سنبھالا تو میں نے ان سے کہا کہ آپ اس چیز کا جائزہ لیں کہ لوگ بعض غیر ملکی ریڈیو سٹیشن کیوں سُنتے ہیں یا غیر ملکی خبر ایجنسیوں

کی خبروں پر کیوں یقین کرتے ہیں۔ ہماری خبروں پر لوگوں کا ردِ عمل کیوں مختلف ہوتا ہے۔ لوگ کیوں کہتے ہیں کہ یہ محض سرکاری خبریں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کم از کم پاکستان ریڈیو اور پاکستان ٹیلی ویژن کا امیج IMAGE اتنا بڑھائیں کہ لوگوں کو ان کی خبروں پر یقین ہو اور کسی کو اس کے بارے میں شک و شبہ نہ ہو۔ لوگ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ ان کی خبریں سچی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم لوگوں کو صحیح حالات سے باخبر رکھیں۔ اگر بعض خبریں حکومتِ وقت کے خلاف ہیں اور اس کے لئے مشکلات کا باعث بن سکتی ہیں تو اس سلسلے میں بھی ہمیں عوام کو بتانا چاہیئے۔ عوام کو ان مشکلات کا علم ہونا چاہیئے۔

لہٰذا میں پاکستان ٹیلی ویژن کے ساتھ ساتھ منسٹری آف انفارمیشن سے بھی یہ توقع کرتا ہوں کہ وہ اس امر کی طرف توجہ دے گی اور وزارت ریڈیو اور ٹی وی کی خبروں کے معاملے میں اس مقصد کو نظر انداز نہیں کرے گی۔

اخبارات پر ہم نے جو تھوڑی بہت سنسر شپ CENSORSHIP عائد کی ہے، اس کے بھی کچھ مقاصد ہیں۔ اس سنسر شپ کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔ اس لیے آپ کو پوری اجازت ہے کہ آپ ففٹی ففٹی کے ذریعے یا اس قسم کے کسی اور پروگرام کے ذریعے مثبت تنقید کر سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ صحیح خبریں فراہم کریں، ان کی صداقت کو ملحوظ رکھیں تاکہ عوام کو صحیح حالات کا علم ہو۔ جہاں تک حکومت کی کارکردگی پر تنقید کا تعلق ہے تو آپ کو اس بات کی اجازت ہے کہ مثبت انداز میں تنقید کریں اور اگر تنقید کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا طنز و مزاح کا پہلو بھی شامل ہو جائے تو پھر میرے خیال میں یہ سونے پر سہاگہ کے مترادف ہے۔ آپ کے ڈراموں کی قدر نہ صرف پاکستان بلکہ باہر کے ملکوں میں بھی کی جاتی ہے،

اب تک ملک بھر میں پندرہ بوسٹر لگائے جا چکے ہیں آج جس بوسٹر سٹیشن کا افتتاح ہو رہا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تقریبًا تمام کل پُرزے پاکستان میں تیار کئے گئے ہیں اور پاکستانی انجینئروں نے انہیں نصب کیا ہے۔ اس کارنامے پر میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ میں پاکستان ٹیلی ویژن کے مینجنگ ڈائریکٹر، جناب ضیاء صاحب کو جن کا اس کامیابی میں بڑا حصّہ ہے اور وزارتِ اطلاعات کے سیکرٹری جناب مجیب الرحمٰن صاحب کو خصوصی طور پہ مبارک باد دیتا ہوں۔ ان کے علاوہ آپ حضرات نے پاکستان کے اس ادارے کی جو خدمت کی ہے، اس پر میں اپنی طرف سے، قوم کی طرف سے اور حکومت کی طرف سے آپ لوگوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اس موقع پہ آپ کے توسط سے ایک دو چیزوں کے بارے میں اپنی رائے سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر انسان بلکہ حیوان میں بھی بُرے بھلے کی تمیز ہوتی ہے۔ فطرت نے ہر کسی کو عقل دی ہے۔ اگر ایک گائے جا رہی ہے اور آپ اُسے کھلا چھوڑ دیں تو وہ نالی میں نہیں گرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی تھوڑا سا دماغ دیا ہے، لیکن اس کو یہ تمیز نہیں کہ یہ آپ کا لان ہے یا بنجر زمین کیونکہ اس کے لیے سب جگہ گھاس ایک جیسی ہے۔ پھر یہ کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ ہر شخص خواہ وہ اعلیٰ ہے یا ادنیٰ، توقع کرتا ہے کہ جب وہ صحیح کام کرے تو لوگ اس کی تعریف کریں۔ اس کے برعکس اگر کوئی غلط کام کرتا ہے تو اسے اس بات کا خدشہ ضرور لگا رہتا ہے کہ لوگ اس سے بازپرس کریں گے، اس پہ تنقید ہو گی۔ لیکن انسان کی یہ فطری خواہش ہے کہ لوگ اس کی غلطیوں سے درگذر کریں اور اگر اس کی غلطیاں معاف کر

دی جاتی ہیں تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اچھا کام کرتا ہے تو وہ بجا طور پر یہ توقع کرتا ہے کہ لوگ اسے سراہیں، اس کی حوصلہ افزائی کریں۔ لیکن اگر کوئی غلط کام کرتا ہے تو پھر اس کا محاسبہ بھی ضرور ہونا چاہیئے، اسے سزا بھی ملنی چاہیئے۔ سزا اور جزا کا معاملہ نہ صرف آخرت سے تعلق رکھتا ہے بلکہ اس دنیا میں بھی اس پر عمل ہوتا ہے۔ یہ نہ صرف اللہ اور بندے کے درمیان ہے بلکہ بندے اور بندے کے درمیان بھی بہت ضروری ہے۔

یہاں میں آپ کی توجہ سزا کے پہلو کی طرف نہیں بلکہ جزا کے پہلو کی طرف دلانا چاہتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان ٹیلی ویژن کے وہ تمام کارکن جنہوں نے اس بوسٹر سٹیشن کی تنصیب میں حصہ لیا، ان کو اور اس کے پروگراموں سے تعلق رکھنے والے یعنی انجینئرنگ یا ایڈمنسٹریشن کے شعبوں کے تمام ملازمین کو ماسوائے افسروں کے، ایک ماہ کی اضافی تنخواہ بطور انعام دی جائے گی۔ جہاں تک افسران کا تعلق ہے، میرے خیال میں ان کے کام کی تعریف کر دینا ہی کافی ہوگا۔ ان کے لئے ایک ماہ کی اضافی تنخواہ سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی کارکردگی کو سراہا جائے۔ لہٰذا میں مجیب الرحمٰن صاحب سے خاص طور پر توقع کرتا ہوں کہ وہ اس ضمن میں مجھے مشورہ دیں گے کہ کس طرح ان کی کارکردگی کو سراہا جائے۔ کیا انہیں تعریفی اسناد دی جائیں یا کوئی اور طریقۂ کار اپنایا جائے۔ جہاں تک تعریف کا تعلق ہے وہ تو میں نے کر دی ہے۔

دوسری چیز جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ پاکستان ٹیلی ویژن پر تنقید کی جاتی ہے کہ اسے اسلام سے زیادہ لگاؤ نہیں ہے۔ اس کی دلچسپی اس سے کم ہے، لیکن آج کی اس محفل کو ہی آپ لے لیجئے، دور جانے کی

ضرورت نہیں۔ اس تقریب کا آغاز اللہ کے پاک نام سے ہوا اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں یہاں بیٹھا ہوں یا سعد اللہ صاحب جو فیصل آباد ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے چیئرمین ہیں، یہاں تشریف رکھتے ہیں، بلکہ اب یہ ایک معمول بن گیا ہے کہ تمام مجالس، تمام تقاریب، قرآنی آیات اور اللہ کے پاک نام سے شروع ہوتی ہیں۔ اب پاکستان کے تمام ریڈیو اور ٹیلی ویژن سٹیشن کے پروگراموں کا آغاز اللہ کے متبرک نام سے ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔

ابھی آپ نے جنرل مجیب صاحب کی زبانی سُنا کہ پاکستان ٹیلی ویژن نے اسلام کے لیے کیا کیا خدمات انجام دی ہیں۔ آپ خود بھی اس کے پروگراموں کو دیکھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں آپ کو اور آپ کے ذریعے قوم کو بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستان ٹیلی ویژن کا ادارہ سو فی صد پاکستانی اور اسلامی ادارہ ہے اور اس کے جو ملازمین ہیں، جو انچارج ہیں، وہ بھی اسلام اور پاکستان سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ جو لوگ اپنی کج دماغی کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ ہر وقت اسلام اسلام کی رٹ نہ لگائی جائے بلکہ تھوڑا سا پاکستان ٹیلی ویژن پر ناچ گانے کا پروگرام بھی پیش کیا جائے تو ایسے لوگوں کو میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے دماغ سے اس قسم کے خیالات نکال دیں۔ جہاں تک گانے کا تعلق ہے، میں اس بحث CONTROVERSY میں نہیں پڑنا چاہتا کہ قرآن اور سنت کی رُو سے یہ جائز ہے یا نا جائز؟ بحیثیت ایک مسلمان آپ خود اس بارے میں سوچیئے۔ تاہم میں توقع کرتا ہوں کہ آپ ٹی وی کو ایسے تمام پروگراموں سے پاک کر دیں گے جن سے لادینیت کی بُو آتی ہو۔ اسلام کے مخالف عناصر اگر کہیں ہیں تو ان کا محاسبہ صرف میرا اور مجیب الرحمٰن کا کام نہیں بلکہ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ پاکستان ٹیلی ویژن

کے ملازمین اوراس کے نمائندوں سے میں یہ اُمید کرتا ہوں کہ وہ ایسے عناصر کی نشاندہی کریں گے اوران کا محاسبہ کریں گے۔

مجھے فیصل آباد آنے کے اب تک کئی مواقع ملے ہیں اور بحیثیت سربراہِ مملکت اس شہر کا آج یہ میرا تیسرا دورہ ہے، لیکن اس دورے کی خاص بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں میں پہلے کی مقابلے میں اسلام سے وابستگی کا عنصر زیادہ نمایاں ہے۔ یہاں میں نے آج ایک ایسی فضا دیکھی جو سراسر اسلامی ہے اور اس کا اندازہ لوگوں کے روشن چہروں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ میں کسی سیاسی مقصد کے تحت ایسا نہیں کہہ رہا ہوں، نہ ہی مبالغہ آرائی EXAGGERATION سے کام لے رہا ہوں بلکہ سچے دل سے اپنے جذبات کا اظہار کر رہا ہوں۔ ابھی تک میں نے یہاں کے علمائے کرام سے ملاقات نہیں کی ہے لیکن لوگوں کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے چہرے ہیں، یہ اسلام کے شیدائیوں کے چہرے ہیں۔ فیصل آباد کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک، شمال سے جنوب تک، مشرق سے مغرب تک، میں جہاں کہیں بھی گیا (میں صبح نو بجے سے دورے پر ہوں) لوگوں نے بڑی تعداد میں میرا بے ساختہ استقبال کیا۔ انتظامیہ نے استقبال کے لئے آدمی اکٹھے نہیں کئے تھے کیونکہ اس کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔ جو فضا میں نے آج یہاں دیکھی ہے وہ میں نے تین سال کے عرصے میں پاکستان کے کسی اور شہر میں نہیں دیکھی۔

لہٰذا پاکستان ٹیلی ویژن کے توسط اور تعاون سے میں فیصل آباد کی انتظامیہ، فیصل آباد کے عوامی نمائندوں، فیصل آباد کی کارپوریشن، ان کے میئر MAYOR، کونسلر صاحبان، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، پولیس اور فیصل آباد ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے چیئرمین،

جناب سعد اللہ صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے انتہائی محبت خلوص اور جوش سے فیصل آباد میں میرا استقبال کیا۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں اور مجھے امید ہے کہ جس پُرتپاک طریقے سے انہوں نے میرا استقبال کیا اور جوش وخروش کا مظاہرہ کیا، اُسی جذبے اور لگن کے ساتھ وہ پاکستان کی خدمت کریں گے اور فیصل آباد کو ایک مثالی شہر بنانے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں گے۔

اس پُرمسرت موقع پر میں اہالیانِ فیصل آباد کی خدمت میں ایک چھوٹا سا تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو عوام کو تحفہ دینے کے کئی طریقے ہیں۔ آپ اُن کی تعریف کر دیجئے، یہ بھی ایک تحفہ ہے۔ ان کی خدمات کو سراہیئے، یہ بھی ان کے لیے تحفے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کوئی جلسہ، جلوس کا اہتمام کر لیا جائے۔ میں جلسہ، جلوس تو نہیں کر سکتا البتہ عوامی نمائندوں سے مل کر ان کا شکریہ ادا کیا جا سکتا ہے اور وہ میں انشاء اللہ کروں گا۔ آج میں جو تحفہ دے رہا ہوں، اس میں پاکستان ٹیلی ویژن کا بھی کچھ حصہ ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ فیصل آباد شہر اور نواح کے علاقے میں جو لوگ رہتے ہیں، ان کے ٹیلی ویژن لائسنسوں کی فیس میں ادا کروں گا، یعنی آج ۲۵ اگست سے لے کر یکم ستمبر تک ایک ہفتے کے اندر اندر ایسے جتنے بھی ٹیلی ویژن سیٹ جن کے لائسنسوں کی میعاد ختم ہو چکی ہے اور جو تجدید طلب ہیں یا اگر کسی نے نیا ٹیلی ویژن خریدا اور وہ نیا لائسنس لینا چاہتا ہے تو ان تمام کی فیس اس دوران میں ادا کروں گا۔ میری طرف سے یہ فیصل آباد کے عوام کے لیے ایک تحفہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اس چیز کا بھی اہتمام کر رہا ہوں کہ اگلے چند دنوں میں فیصل آباد میں اتنے ٹیلی ویژن سیٹ آ جائیں کہ اگر کوئی متوسط طبقے کا آدمی یا کم آمدنی والا آدمی آسان قسطوں پر

بغیر سود کے خریدنا چاہے تو وہ آسانی سے خرید سکے۔ ایسے لوگوں کو ٹی وی سیٹ کی خریداری کے لئے بلا سود قرضے بھی آسان قسطوں میں واپسی کی بنیاد پر دیئے جائیں گے تاکہ وہ ٹیلی ویژن خرید سکیں۔ یہ سہولت ایک ہفتے کی مدت کے لئے ہوگی۔

مجھے اُمید ہے کہ فیصل آباد کے عوام اس حقیر سے تحفے کو قبول کریں گے اور فیصل آباد کو جیسا کہ ابھی میں نے کہا ہے، صحیح معنوں میں اسلامی سانچے میں ڈھلا ہوا ایک اسلامی اور مثالی شہر بنانے کے لیے انتھک کوشش کریں گے۔

آخر میں مَیں ایک مرتبہ پھر سیکریٹری اطلاعات، جناب مجیب الرحمٰن صاحب اور آپ حضرات کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ سعادت بخشی کہ میں اتنا اہم کام یعنی پاکستان ٹیلی ویژن بوسٹر سٹیشن کا افتتاح کروں۔ اس کے ساتھ میں آپ تمام حضرات کی اعلیٰ کارکردگی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو دوبارہ مبارکباد دیتا ہوں۔

پاکستان ٹیلی ویژن زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

معذور فوجیوں اور شہیدوں کے لواحقین سے خطاب

فیصل آباد: ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے فیصل آباد کے دورے کے دوران معذور فوجیوں اور شہیدوں کے لواحقین کے ایک اجتماع سے خطاب کیا۔ ان میں سے چند مستحق حضرات میں صدر نے بائیس کوارٹروں کی چابیاں تقسیم کیں جو کہ حکومت کے خرچ پر تعمیر کئے گئے ہیں۔

صدرِ مملکت نے اپنے خطاب میں کہا کہ شہیدوں اور غازیوں کا درجہ بڑا افضل ہے۔ حق کی راہ میں قربانی دینا خدا کے نزدیک نہایت پسندیدہ فعل ہے۔ ان کے لواحقین کا خیال رکھنا حکومت اور معاشرے کا فرض ہے۔ حکومت نے یہ منصوبہ ۱۹۷۳ء میں شروع کیا تھا۔ اس کے تحت راولپنڈی، جہلم، کھاریاں، سیالکوٹ اور پشاور میں کوارٹر بنا کر مستحق افراد کو دیئے جا چکے ہیں اور آج فیصل آباد میں ۲۲ کوارٹر فوجی بھائیوں کے سپرد کئے جا رہے ہیں۔

تقریب کے آخر میں صدر نے شہیدوں کی بیواؤں اور سابق فوجیوں میں کچھ تحائف بھی تقسیم کئے اور تمام افسران اور عملے کے ارکان کو مبارکباد دی جنہوں نے کوارٹروں کی تعمیر میں حصہ لیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ آج کی تقریب میرے لئے باعثِ مسرت ہے کیونکہ اس طرح نہ صرف مجھے آپ لوگوں سے ملنے کا شرف حاصل ہوا بلکہ آپ میں سے چند مستحق حضرات کو بائیس تیار کوارٹروں کی چابیاں حوالے کرنے کا موقع بھی ملا۔

صوبہ پنجاب بڑے محنتی اور دلیر لوگوں کی سرزمین ہے جس کی تاریخ جرأت اور بہادری کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ یہاں کے بہادروں نے ملک کے دفاع میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قوم کو ان پر فخر ہے جنہوں نے اسلام اور مادرِ وطن کی حرمت پر اپنی جانیں نچھاور کیں اور جو مجاہد فرائض کی ادائیگی کے دوران جسمانی اعضاء سے معذور ہو گئے، ہم ان کا سچے دل سے احترام کرتے ہیں۔ بے شک ان کی قربانیاں ہماری تاریخ کا درخشاں باب ہیں۔

شہید اور معذور فوجیوں کے کارنامے قوم کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ یہ اجتماعی

مفاد کی خاطر ذاتی قربانی اور ایثار کی اعلیٰ علامت ہیں۔ شہیدوں اور غازیوں کو کسی مادی یا دنیاوی معیار پر پرکھا نہیں جا سکتا۔ ان لوگوں کا درجہ بڑا افضل ہے۔ حق اور سچائی کی راہ میں شہادت یا جسمانی اعضاء کی قربانی دینا ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔

یہ درست ہے کہ ان کو اجر اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے لیکن ان کے لواحقین اور ان کا خیال رکھنا معاشرے کا اہم فریضہ ہے۔ معاشرے کو یہ فرائض یاد دلانے کا یہ مطلب نہیں کہ حکومت یا فوج اس ضمن میں اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کر رہی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت اور فوج شہیدوں کے لواحقین، معذوروں اور سابق فوجیوں کی فلاح و بہبود کو اپنا فرض سمجھتی ہے اور اپنے وسائل کے مطابق اس سلسلے میں ہر ممکن کوششیں کرتی رہی ہے۔ اگر اس میں بعض کمزوریاں ہیں تو اس کی وجہ صرف وسائل کی کمی ہے جنہیں اور بہتر بنانے کی کوششیں جاری ہیں۔ یہ ایک اجتماعی مسئلہ ہے جس کے لئے حکومت، فوج، قوم اور معاشرے کو مل کر اپنا کردار ادا کرنا ہے۔

حکومت نے معذور فوجیوں کے لئے مکانوں کی تعمیر کا یہ منصوبہ ۱۹۷۳ء میں بنایا تھا جس کے تحت سرکاری خرچ پر کوارٹر بنا کر معذور فوجیوں کو دیئے جا رہے ہیں۔ ان کی لاگت بیس برسوں میں آسان سہ ماہی قسطوں میں قابلِ ادا ہے اور اس پر کوئی سود نہیں لیا جائے گا۔ تاحال ایک سو اڑسٹھ کوارٹرز راولپنڈی، جہلم، کھاریاں، سیالکوٹ اور پشاور میں بنا کر مستحق افراد کو دیئے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں بائیس کوارٹروں کی چابیاں آج ان فوجی بھائیوں کے سپرد کی جا رہی ہیں۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ فیصل آباد میں ان کوارٹروں کی تعمیر پر اڑتیس ہزار روپے فی کوارٹر خرچ آیا ہے۔ میں ان تمام افسران، ایم۔ ای۔ ایس کے عملے اور ٹھیکیدار

کو مبارک باد دیتا ہوں جنہوں نے ذاتی دلچسپی اور تندہی سے کام لے کر یہ کارنامہ انجام دیا۔

معذور فوجیوں سے میں یہ کہوں گا کہ وہ اپنی معذوری کے باوجود اپنے حوصلے بلند رکھیں۔ ہاتھ، پاؤں، کان یا آنکھ کی قربانی بہت بڑی قربانی ہے ان کی کمی انسانی صلاحیتوں کو کسی حد تک کم تو کر دیتی ہے لیکن ایک عضو کے بے کار ہونے سے انسان بالکل ناکارہ نہیں ہو جاتا اس میں پھر بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتیں باقی رہ جاتی ہیں کہ وہ ہمت سے کام لے کر اپنی باقی زندگی باعزت طریقے سے گزار سکتا ہے ان معذور مگر باہمت فوجیوں کی مدد کے لئے کئی ادارے کام کر رہے ہیں جہاں ٹریننگ حاصل کر کے وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔

کوارٹروں کی الاٹمنٹ کے علاوہ یہاں کچھ تحائف بھی شہیدوں کی بیواؤں اور سابق فوجیوں کو دیئے جائیں گے۔ یہ تحائف اگرچہ گراں قیمت تو نہیں لیکن یہ فوج کے اس فلاحی جذبے اور لگاؤ کی ترجمانی کرتے ہیں جو انہیں اپنے شہداء، ان کے لواحقین اور اپنے معذور بھائیوں سے ہے۔

مَیں آخر میں کوارٹر حاصل کرنے والوں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے گھروں میں باعزت زندگی بسر کرنا نصیب کرے۔

پاکستان پائندہ باد

فضلِ اسلام گرلز کالج کا سنگِ بنیاد رکھنے کے موقع پر خطاب

فیصل آباد : ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے دورۂ فیصل آباد کے دوران ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء کو فضلِ اسلام گرلز کالج کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آج ہی کے دن صدر نے فیصل آباد میں فاطمہ جناح گرلز کالج کا افتتاح بھی کیا۔

اس موقع پر صدر نے شرکائے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کی یہ پالیسی رہی ہے کہ تعلیم کے میدان میں آگے بڑھا جائے، اس سمت میں قدم اٹھانے والوں کی ہر طرح سے ہمت افزائی کی جائے اور ہر ممکن تعاون کیا جائے۔

صدر نے کالج کی تعمیر کے سلسلے میں مالی امداد کے بارے میں اعلان کرتے ہوئے کہا کہ کالج میں شعبۂ ہوم اکنامکس کے قیام اور معیاری لائبریری کے اخراجات برداشت کرنے میں حکومت مدد کرے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

گورنر پنجاب، جناب جنرل غلام جیلانی صاحب،

فضلِ اسلام سوسائٹی کے صدر، جناب عبدالغنی صاحب

اور

معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ آپ صاحبان کو اس بات کا علم ہوگا کہ ہماری حکومت کی پالیسی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ تعلیم کے میدان میں حکومت کی اجارہ داری نہ ہو۔ بعض گزشتہ پالیسیوں کی بنا پر تمام تعلیمی ادارے گورنمنٹ کی تحویل میں لے لئے گئے تھے۔ میرے نقطۂ نگاہ سے اس عمل کو صحیح طریقے سے جاری نہیں رکھا جا سکا جس کے نتیجے میں نہ صرف تعلیمی ڈھانچے میں بہت سی خامیاں رہ گئیں بلکہ اس کا معیار بھی بہت حد تک گر گیا۔ اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد میں وقتاً فوقتاً اس بات کا اعلان کرتا رہا کہ اگر تعلیم کے میدان میں مخیر حضرات اور عام شہری آگے آئیں تو حکومت ان کے ساتھ پورا

تعاون کرے گی۔ آپ کو علم ہوگا کہ اس سلسلے میں اس گرلز کالج کی تعمیر کے لئے جو قطعۂ زمین دیا گیا ہے، یہ بھی حکومتِ پنجاب کی طرف سے ہدیہ ہے۔ جب مجھے میاں عبدالغنی صاحب کی طرف سے یہ درخواست موصول ہوئی کہ میں آ کر اس کالج کا سنگِ بنیاد رکھوں تو میں نے ان سے پوچھا کہ انہیں یہ عمارت تعمیر کرنے میں کوئی مالی مشکل تو درپیش نہیں، کیونکہ آج کل جب صدر یا گورنر کو کسی تقریب میں بلایا جاتا ہے تو اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ عمارت کا سنگِ بنیاد رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی تعمیر کے لئے کچھ رقم بھی دے۔ میاں صاحب نے جواب دیا کہ انہیں کوئی مالی مسئلہ درپیش نہیں بلکہ اس کالج کے لئے جو سوسائٹی، ادارہ یا ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے، اس کی صرف یہ خواہش ہے کہ میں یا جنرل غلام جیلانی صاحب یا ہم دونوں اکٹھے یہاں آ کر اس کا افتتاح کریں۔ لہٰذا میں نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور اپنے بہت سے دوسرے ضروری کام چھوڑ کر اس تقریب کو خاص اہمیت دی۔ دوسری گزارش میاں صاحب نے یہ کی کہ کالج کے ساتھ ہوسٹل بھی ہونا چاہیئے۔ میں یہاں کی انتظامیہ سے گزارش کروں گا کہ وہ اس بات کا جائزہ لیں کہ گورنمنٹ کالج برائے خواتین میں طالبات کے لئے کیا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ سعداللہ صاحب جو فیصل آباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے مینیجنگ ڈائریکٹر ہیں، متقی اور پرہیزگار آدمی ہیں اور میری معلومات کے مطابق مخلصانہ طور پر فیصل آباد کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ اس کالج کی بھی سرپرستی کریں تاکہ تعمیر کے سلسلے میں جو مشکلات درپیش ہیں، ان کا حل تلاش کیا جا سکے۔

دوسری گذارش میاں صاحب نے یہ کی کہ جب یہ کالج بن جائے تو اسے حکومت کی تحویل میں لے لیا جائے۔ جہاں تک میرا اختیار ہے، یہ کبھی حکومت کی تحویل میں نہیں

لیا جائے گا۔ آپ خود ہی یہ ادارہ بنائیں گے اور خود ہی اسے چلائیں گے اور آپ نے اس مقصد کے لیے جو ٹرسٹ قائم کیا ہے یہ اس کی ذمّہ داری ہوگی۔ ورنہ آج میرے پاس ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کہیں گے کہ بلڈنگ ہم بنا دیتے ہیں، انکم ٹیکس میں ہمیں تھوڑی سی رعایت دیجئے" اس کے بعد حکومت سنبھال لے۔ ایسا قطعی نہیں ہوگا۔

میں اس سلسلے میں آپ کو چند ایک ضروری ہدایات اور دینا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ آپ نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ یہ ادارہ خواتین کے لئے ہے اور اس کی بنیاد اسلام پر ہوگی، میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام میں جہاں خواتین کے بہت سے فرائض کی نشاندہی کی گئی ہے، وہاں میرے خیال میں یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین مردوں کے شانہ بشانہ چلیں۔ اگر وہ اٹامک انرجی میں ریسرچ کرنا چاہتی ہیں تو بڑے شوق سے کریں، لیکن میرے خیال میں ان کا اصل مقام ان کا گھر ہے۔ لہٰذا انہیں گھر کی سائنس جسے ہوم اکنامکس کہا جاتا ہے، پر زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔ میں حکومت کی طرف سے آپ کو یہ یقین دہانی کروانا چاہتا ہوں کہ جب یہ کالج تکمیل کے آخری مراحل میں ہو اور یہاں ہوم اکنامکس کا شعبہ قائم کرنے میں کسی مالی مدد کی ضرورت ہو تو میں یہ اخراجات برداشت کرنے میں آپ کی مدد کروں گا۔ اس کالج کی لائبریری بھی پاکستان کے تمام کالجوں سے منفرد اور مثالی ہونی چاہیئے۔ اس کے اخراجات بھی حکومتِ پاکستان برداشت کرے گی۔ اگر آپ طالبات کو سائنس پڑھانا چاہیں تو لیبارٹری کے لئے EQUIPMENT بھی حکومت مہیا کرے گی۔ باقی دوسرے اخراجات آپ کے ذمے ہوں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہاں سے فارغ التحصیل طالبات نہ صرف اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوں گی بلکہ جدید مضامین کا بھی بہترین علم رکھتی ہوں گی۔ وہ نہ صرف معاشرے کی اچھی رکن بنیں گی بلکہ ایک بہترین خاتونِ خانہ بھی ہوں گی اور اس

طرح قوم وملک اور معاشرے کی بہتر خدمت کریں گی۔ میں میاں صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اس کارِ خیر میں سعادت حاصل کرنے کا موقع دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیک نیتی میں برکت دے، اہالیانِ فیصل آباد جو اس کالج کی تعمیر میں اس ٹرسٹ کی مدد کر رہے ہیں، کی آمدنیوں میں برکت دے اور انہیں زیادہ سے زیادہ ثواب کمانے کے مواقع مہیا کرے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کا ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اور دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ حکومت کی طرف سے کسی بھی قسم کے تعاون میں کوئی کمی نہیں چھوڑی جائے گی۔ رقم کا میں نے خاص طور پر ذکر نہیں کیا کیونکہ جب رقم ملے تو پھر لوگ سوچتے ہیں کہ یہ اتنی رقم ہے، اسے کسی اور مد میں خرچ کر لیا جائے۔ میں میاں صاحب کے لئے خاص طور پر دعا گو ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا ٹرسٹ صحیح معنوں میں اہالیانِ فیصل آباد اور ملک و قوم کی خدمت کرتا رہے گا۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

فاطمہ جناح گرلز کالج، فیصل آباد کی افتتاحی تقریب سے خطاب

فیصل آباد : ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء

۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے فیصل آباد میں فاطمہ جناح گرلز کالج کی افتتاحی تقریب سے خطاب کیا۔ یہ کالج انجمنِ اسلامیہ، فیصل آباد کے زیرِ انتظام قائم کیا گیا ہے۔

صدرِ مملکت کی تقریر سے پہلے ڈاکٹر غلام رسول چیمہ، انجمنِ اسلامیہ فیصل آباد کے صدر نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور اپنے فلاحی ادارے اور کالج کے قیام کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کالج میں ایک معیاری لائبریری اور سائنس لیبارٹری کے قیام کے سلسلے میں تعاون کے لئے صدرِ مملکت کی توجہ دلائی۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے خواتین کی تعلیمی اہمیت کے متعلق ذکر کرتے ہوئے کہا کہ حضرات و خواتین معاشرے کے دو اہم ستون ہیں اور کوئی بھی معاشرہ تب تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک مرد و عورت دونوں شانہ بشانہ نہ چلیں۔ عورتوں کو پرائمری تعلیم سے لے کر اعلیٰ تحقیق تک علم حاصل کرنا چاہیئے اور

اس طرح وہ معاشرے کا فعّال رکن بن کر ایک اچھا، صاف ستھرا، سلجھا ہوا ور ترقی یافتہ معاشرہ تشکیل دے سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں، صدر نے حاضرین پر زور دیا کہ وہ سادگی اختیار کریں کیونکہ یہ اسلام کا طرّۂ امتیاز ہے۔

صدر نے کہا کہ کالج میں ایک عمدہ لائبریری، ڈسپنسری کی دوائیوں اور سائنس لیبارٹری کے سازوسامان کے اخراجات حکومت برداشت کرے گی۔ وفاقی حکومت کی طرف سے مزید بھرپور تعاون کا وعدہ کیا اور صوبائی حکومت کی جانب سے بھی ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِيِّيۡنَ

گورنر پنجاب، جنرل غلام جیلانی صاحب،
انجمنِ اسلامیہ فیصل آباد کے صدر، ڈاکٹر غلام رسول چیمہ صاحب،
آنریری جنرل سیکرٹری، شیخ بشیر احمد صاحب،
معزز خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ یہ میری سعادت ہے کہ آج فیصل آباد کی مصروفیات میں سے جن دو اہم تقریبات میں مجھے شرکت کا موقع ملا، وہ دو اداروں کی تقریبات تھیں اور یہ دونوں ادارے خواتین کی تعلیم سے متعلق ہیں۔ ابھی یہاں آنے سے پہلے میں نے ایک گرلز کالج کا افتتاح کیا ہے، یہ ایک فلاحی ادارہ ہے جو اس بات کا متمنی ہے کہ اس علاقے میں خواتین کے لیے ایک اچھا کالج قائم کرے اور مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ انجمنِ اسلامیہ فیصل آباد میں ایک ایسے ادارے کے قیام میں کوشاں ہے جس میں ایک اچھا ادارہ بننے کی صلاحیتیں موجود

ہوں یہاں آنے سے پہلے ہی میں نے انجمن کے صدر، سیکرٹری جنرل اور میاں بشیر احمد صاحب کی تعریف سن رکھی تھی۔ اس محفل میں مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ یہاں معاشرے کے دونوں اہم ستون آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ ایک طرف خواتین ہیں، دوسری طرف حضرات اور درمیان میں بڑی عمدہ سبز باڑ لگی ہوئی ہے۔ جب تک ہمارے معاشرے میں مرد عورت دونوں شانہ بشانہ نہیں چلیں گے، اس وقت تک معاشرے میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آسکتی۔ ہاں اتنا ضرور خیال رکھنا چاہیئے کہ دونوں کا اپنا اپنا دائرۂ کار ہے جیسے کہ میں محض ایک سپاہی ہوں اور ملک کی عنانِ حکومت سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن اگر میں یہ کہوں کہ میں سیارے چھوڑنے کا ماہر ہوں تو لوگ کہیں گے پاگل ہو گیا ہے۔ میں نے یہاں آنے سے پہلے دوسرے اداروں سے کہا ہے کہ میری یہ تمنا ہے کہ پاکستان میں ایسی خواتین پیدا ہوں جو نہ صرف خواتین کی قیادت کریں بلکہ ان کے لیے صحیح راستے پر چلنے کی نشاندہی بھی کریں۔ میرے نقطۂ نگاہ سے خواتین کے لیے تعلیم کے تمام شعبے کھلے ہونے چاہئیں۔ اگر وہ اٹامک انرجی میں سائنس دان بننا چاہیں تو انہیں اس کا موقع ملنا چاہیئے۔ لیکن جس طرح میں ایک فوجی ہوں اور مجھے یہی کام کرنا چاہیئے، آج کل میں نے عنانِ حکومت سنبھالی ہے تو مجھے حکومت کی طرف ہی توجہ دینی چاہیئے۔ اسی طرح خواتین کا بنیادی دائرۂ کار گھر ہے میں اپنی بہنوں سے، ماؤں سے گذارش کروں گا کہ وہ تعلیم حاصل کریں اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایسے معاشرے کی تشکیل میں مدد کریں جس کی بنیاد گھر میں رکھی جاتی ہے۔ اگر آپ پاکستان کی تاریخ، اسلامی تاریخ بلکہ تمام ممالک کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ ہر شخصیت، ہر معاشرے

کے پیچھے کسی نہ کسی خاتون کا ہاتھ ہوتا ہے۔اس لیے ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ خواتین کے لیے ذرائع تعلیم میں اضافہ ہو اور ان اداروں سے صحیح معنوں میں اسلامی جذبے سے سرشار ایسی خواتین نکلیں جو معاشرے میں ایک بہتر کردار ادا کر سکیں، اچھی تعلیم یافتہ ہوں اور گھرانے کو اچھے طریقے سے چلانے کی صلاحیت رکھتی ہوں، پھر اس کے بعد اچھی معلّمات بھی ہوں، اچھی ڈاکٹر بھی ہوں اور اچھی سائنس دان بھی۔ یہاں میں نے دیکھا ہے کہ ان میں اور بہت کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہیں۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ کالج بڑی صلاحیتوں کا مالک ہے۔

تعلیم کے شعبے میں ہماری حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ تعلیمی ادارے حکومت کی اجارہ داری میں نہیں ہونے چاہئیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ عوام اور معاشرہ خود اپنی تنظیموں اور اداروں کے ذریعے اچھے سکول اور کالج بنائے۔ حکومت کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ تنہا قوم کی تعلیمی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اس کے علاوہ ہمارے حالات اور ہماری روایات کے مطابق جب ایک چیز حکومت کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو پھر اس کے نتائج کچھ بہتر نہیں ہوتے۔ جو فیکٹریاں ہم نے اپنائی ہیں، ان کا کیا حشر ہوا؟ تعلیمی ادارے ہم نے قومیائے تو ان کا ستیاناس ہو گیا۔ یہ کام حکومت کے کرنے کے نہیں ہیں۔ حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ عوام کو وہ تمام سہولتیں بہم پہنچائے جن کے وہ حق دار ہیں۔ تعلیمی میدان میں حکومت اور نجی شعبہ، دونوں کا خصوصی کردار ہونا چاہیئے۔ آپ دیکھیں گے کہ پاکستان کے قیام سے پہلے بہت سے ایسے تعلیمی ادارے تھے جن کو مسلمان مفکّرین اور مسلمان اکابرین

کی حمایت اور تعاون حاصل تھا۔ آپ نے مدرسۃ البنات کا نام سُنا ہوگا۔ میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ پاکستان بننے سے بہت پہلے اس کی انتظامیہ نے مسلمان بچیوں کو صحیح معنوں میں معیاری تعلیم دلوانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد لاہور منتقل ہوگیا۔ لیکن جب سے حکومت کی تحویل میں آیا ہے ان کا ستیاناس ہوگیا ہے۔ اس تنزّل میں سیاست کا بھی بہت عمل دخل ہے۔ سیاسی عمل یہ ہے کہ اساتذۂ کرام جنہوں نے حکومت کی ملازمت میں آ کے دیکھا کہ یہاں تو بہت آرام ہے، آٹھ بجے کی بجائے دس بجے سکول، کالج آتے ہیں۔ ایک گھنٹہ پڑھایا اور چلے گئے، کوئی پوچھنے والا نہیں اور اگر کوئی پوچھنے کے لئے آئے بھی تو اپنی ایک ایسوسی ایشن، ایک یونین بنا لیجئے پھر آپ کے نزدیک کوئی نہیں آئے گا۔ میں ان خواتین سے جن کا تعلق تعلیم سے ہے، نہایت معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ جس طریقے سے ہمارے طب کے پیشے میں کئی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، اسی طرح تعلیم کے میدان میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ آج کل کے اساتذہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی پرائیویٹ پریکٹس یعنی ٹیوشن کیسی جارہی ہے۔ میں یہ توقع کروں گا کہ اس ادارے کی معلمات اور پرنسپل صاحبہ اس میدان میں صحیح معنوں میں ایک مثالی کردار ادا کریں گی اور طالبات کی خدمت کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت صرف کریں گی۔ اس کے بعد آپ پرائیویٹ ٹیوشن ضرور کریں، میں اس سے منع نہیں کرتا۔

تعلیمی شعبے کے بارے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ پرائیویٹ ادارے ہوں، اس کا ایک اصول بھی ہے، مثلاً اگر میں یہ کہوں کہ میاں بشیر صاحب یہ لیجئے دس لاکھ روپے اور اس ادارے کو چلائیں تو یہ کوئی اصولی بات

نہیں۔ اصول یہ ہے کہ جب ہم یہ چاہتے ہیں کہ نجی شعبے میں تعلیمی ادارے ہوں تو ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ مخیر حضرات اور انجمنیں ان کے تعلیمی اخراجات پورے کریں۔ اگر میں نے یہ کہا کہ یہ چندہ میری طرف سے لے لیجئے تو ایک سال کے لیے تو انتظام ہو جائے گا، پھر اگلے سال آپ کیا کریں گے؟ کیونکہ ہر سال تو آپ مجھے نہیں بُلا سکتے۔ ایک دفعہ تو میں نے سنگِ بنیاد رکھ دیا۔ یہ تو ایک ہی دفعہ رکھا جائے گا۔ ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ جب دوسری دفعہ میں آؤں تو یہاں پر تقسیمِ اسناد کا جلسہ ہو، تقسیمِ انعامات کا جلسہ ہو، قرآن کی تعلیمات کے متعلق جلسہ ہو جس میں قاری حضرات اور خواتین شریک ہوں اور پھر اس جلسے میں روپے پیسے کی بات نہ ہو۔ اس لیے میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنی کوششیں جاری رکھیں، حکومت اپنی ذمے داریاں پوری کرے گی۔

جناب چیمہ صاحب نے جن باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے، مجھے ان سب سے اتفاق ہے۔ آپ کو کمرے چاہئیں، آپ خود بنائیں۔ میرا اور حکومت کا کام یہ ہے کہ میں آپ کو ایسی سہولیات دوں جو آسانی کے ساتھ آپ کو میسّر نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے کہا کہ لائبریری میں کتابیں بہت کم ہیں۔ آپ دو لاکھ کی بات کرتے ہیں، میں آپ کو اتنی کتابیں دوں گا کہ آپ سمیٹ نہیں سکیں گے۔ اس ادارے کے لیے ایک عمدہ جدید لائبریری کے اخراجات حکومتِ پاکستان برداشت کرے گی۔ یہاں میں نے ایک چھوٹی سی ڈسپنسری بھی دیکھی ہے۔ اس ڈسپنسری کی دوائیوں کے اخراجات بھی حکومت پاکستان برداشت کرے گی۔

یہ لڑکیوں کا ادارہ ہے یہاں ایک بلاک پر جلی حروف میں لکھا ہے "شعبۂ ہوم اکنامکس"۔ اس شعبے کے لیے کھانا پکانے کا سامان آپ خود مہیا کریں، لیکن شعبۂ ہوم

اکنامکس اور دوسرے سائنسی علوم کے لیے آپ کو لیبارٹری کا ساز و سامان اور کتابیں میں مہیا کروں گا۔

یہاں پر میرے بہت سے نمائندے ہیں۔ یہ انجمن خود میری نمائندہ ہے۔ اس کے علاوہ فیصل آباد میں بریگیڈیئر سعد اللہ صاحب میرے نمائندے ہیں جن کا تعلق فیصل آباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی سے ہے۔ کمشنر سرگودھا ڈویژن جو آج خصوصی طور پر آئے ہوئے ہیں، وہ میرے نمائندے ہیں۔ میں ان سے گذارش کروں گا کہ اگلی دفعہ وہ خود آپ کی جائز ضروریات کا اندازہ لگانے کے لیے بریگیڈیئر سعد اللہ صاحب کے ساتھ تشریف لائیں۔ پرنسپل صاحبہ سے بات ہوگی، پھر میں ان کو ایک نقشہ بنا کر بھیجوں گا کہ لائبریری کا معیار کیسا ہونا چاہیئے اور اس میں کتنی کتابیں ہونی چاہیں۔ یہ اخراجات تو میں پورے کروں گا۔ چندہ وغیرہ دینے کا میں قائل نہیں۔ اس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔ آپ نے آخر میں پولیس کا ذکر کیا ہے۔ ہماری پولیس میں تمام شعبوں کی طرح اچھے آدمی بھی ہیں، کچھ بدعنوان اہل کار بھی ہیں۔ کچھ کمزوریاں بھی ہیں جو ہر معاشرے میں ہوتی ہیں۔ پولیس کے متعلق ایک سابق رکن اسمبلی نے پرسوں مجھے ایک کہانی سنائی۔ انہوں نے کہا ایک دفعہ ہم اسمبلی میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک علاقے کے نمائندے نے کھڑے ہو کر پولیس کو صلواتیں سنانی شروع کر دیں اور ان کی اچھی طرح سے خاطر تواضع کی۔ انہوں نے نہایت پُرجوش الفاظ میں یہ کہا کہ اس علاقے کی پولیس کے اعلیٰ افسران کا تبادلہ کیا جائے اور ان کا محاسبہ کیا جائے۔ حکومت نے اس بات کا نوٹس لیا یا نہیں، اس بات کا مجھے علم نہیں لیکن "دروغ برگردنِ راوی"، کہانی کے مطابق دو ہفتے کے بعد اسمبلی کے اجلاس میں انہی صاحب نے اسمبلی میں کھڑے ہو کر پولیس کی اتنی تعریفیں کیں کہ لوگ حیران رہ گئے۔ بعد میں راوی نے

بتایا کہ انہوں نے ان صاحب کے پاس جا کے کہا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ ابھی دو ہفتے پہلے آپ پولیس کو صلواتیں سنا رہے تھے اور ان کے احتساب کا مطالبہ کر رہے تھے اور آج آپ ان کی تعریفیں کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت جو میرے ساتھ بیتی ہے اگر آپ کے ساتھ بیتے تو آپ بھی تعریف کرنے لگیں۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ خواتین کے ادارے نے فیصل آباد پولیس کی تعریف کی ہے۔ میں یہاں کے سپرنٹنڈنٹ پولیس اور اہل کاروں کو مبارک باد دیتا ہوں لیکن ساتھ یہ بھی توقع کرتا ہوں کہ یہ تعریف ان معنوں میں نہیں ہوگی جس کی میں نے کہانی سنائی ہے بلکہ صحیح معنوں میں ہوگی۔

فیصل آباد شہر کی اپنی اہمیت ہے اس کا اپنا مزاج ہے جس طرح آپ نے زندہ دلانِ لاہور کا ذکر سُنا ہوگا، مجاہدین سیالکوٹ کا ذکر سُنا ہوگا اسی طرح میں اقتدار سنبھالنے کے بعد فیصل آباد دو تین مرتبہ آیا ہوں اور مجھے یہاں کے شہریوں میں الفت و محبت کے جذبات نظر آئے ہیں۔ یہاں کے لوگ محنت کے عادی ہیں۔ یہاں کے لوگ اس شہر کو ایک مثالی شہر بنانے کے خواہاں ہیں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ کا تعلق ایک ایسے شہر سے ہے جس پر پاکستان کو صحیح معنوں میں فخر ہے۔

آخر میں مَیں آپ خواتین و حضرات کا انجمن اسلامیہ کا اور اس ادارے کی انتظامیہ کا مشکور رہوں کہ انہوں نے مجھے موقع دیا کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکوں اور حکومت کی طرف سے آپ کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اس ادارے کی خدمت کر کے کچھ ثواب حاصل کر سکوں۔ مجھے امید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ صوبائی حکومت کی طرف سے بھی آپ کو ہر ممکن مدد اور تعاون میسر ہوگا۔ اسی طرح

فیصل آباد کی انتظامیہ کی طرف سے بھی آپ کو تعاون کی یقین دہانی کروانا چاہتا ہوں، اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ کو ان کا تعاون ہمیشہ حاصل رہے گا۔ میں ان خواتین کا بھی مشکور ہوں جو یہاں تشریف لائی ہیں۔ میاں بشیر احمد صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ ہماری تقریب بہت سادہ ہو گی۔ میں یہ گذارش کروں گا کہ یہ تقریب اس سے بھی سادہ ہو سکتی تھی۔ ہمیں سادگی کو اپنانا چاہیئے۔ اس کی بنیاد بھی آپ انجمن اسلامیہ کے اس ادارے کی طرف سے رکھیں۔ انجمن کی باقی ضروریات کے لئے میں چیمہ صاحب اور جناب بشیر احمد صاحب سے علیحدہ بات کروں گا۔ لیکن یہاں یہ یقین دہانی کروانا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں اگر حکومت کی طرف سے کچھ ضروری مدد درکار ہو تو میں انشاء اللہ آپ کی خدمت کرنے کے لیے حاضر ہوں۔ ان الفاظ کے ساتھ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ شکریہ

پاکستان زندہ باد

عزیز فاطمہ ٹرسٹ ہسپتال، فیصل آباد کی افتتاحی تقریب سے خطاب

فیصل آباد : ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت کا دورۂ فیصل آباد اس لحاظ سے اہمیت کا حامل تھا کہ انہوں نے ٹیلی ویژن بوسٹر اور خواتین کے دو تعلیمی اداروں کا افتتاح کیا اور اسی دن یعنی ۲۵ اگست ۱۹۸۰ء کو عزیز فاطمہ ٹرسٹ ہسپتال کی افتتاحی تقریب سے بھی خطاب کیا۔

اس موقع پر صدر نے ستارہ ملز کے پروپرائٹرز، برادران جناب حاجی بشیر احمد اور غفور صاحب کو اپنے اخراجات پر ہسپتال تعمیر کرنے پر خراجِ تحسین پیش کیا اور ستارہ ٹرسٹ ملز کی مثال کو دوسرے مخیّر حضرات کے لئے قابلِ تقلید قرار دیا۔ ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے صدر نے یہ اعلان کیا کہ ستارہ ٹیکسٹائل ملز کے مالکان کو یہ خصوصی رعایت دی جاتی ہے کہ وہ جتنی رقم بھی عزیز فاطمہ ٹرسٹ اور اس سے منسلکہ اداروں پر خرچ کریں گے، اس پر کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔

ہسپتال کو سوئی گیس کی فراہمی کے سلسلے میں صدر نے کہا کہ یہاں سوئی گیس پہنچانے میں حکومت ہر طرح سے مدد کرے گی اور ہسپتال کو ایرکنڈیشننگ پلانٹ اور دوسری مشینری ٹیکس فری ملے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

گورنر پنجاب، جناب جنرل غلام جیلانی صاحب،
ستارہ ٹرسٹ انسٹیٹیوشن کے چیئرمین،
سیکرٹری صاحب
اور
معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ آج فیصل آباد میں یہ تیسرا پرائیویٹ رفاہی ادارہ ہے جس میں شرکت کی مجھے سعادت نصیب ہوئی۔ اس سلسلے میں میں نہ صرف فیصل آباد کے عوام بلکہ تمام مخیر حضرات کو بھی خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ جہاں میں نے خواتین کے دو پرائیویٹ کالجز کا افتتاح کیا، وہاں مجھے ایک فلاحی ادارے جسے ہم اور آپ عزیز فاطمہ ٹرسٹ ہاسپٹل کے نام سے یاد کریں گے، اس کی رسمِ افتتاح کی سعادت بھی نصیب ہو رہی ہے۔ میں ستارہ ملز کے پروپرائٹرز PROPRIETORS، برادران

جناب حاجی بشیر صاحب اور غفور صاحب کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقع دیا۔

اس موقع پر میں چند ایک چیزوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ اس وقت پاکستان میں وسائل کی کچھ کمی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن میں نے جس بات کا مشاہدہ کیا ہے وہ یہ کہ پاکستان میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دلوں میں بہت وسعت ہے۔ میں نے ایسے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جن کا اپنا گزارہ بھی مشکل سے ہوتا ہے، لیکن انہوں نے رفاہ عامہ کے لئے لوگوں کی مدد کے لئے، خدمت کے لئے اپنی اس حقیر رقم میں سے کچھ رقم دی۔ ستارہ ٹرسٹ ملز کی مثال بھی دوسروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جناب غفور صاحب اور حاجی بشیر صاحب مخیّر حضرات میں سے ہیں۔ مخیّر حضرات پاکستان میں بہت ہیں مگر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کتنوں کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ انہوں نے کسی قسم کا رفاہی ادارہ قائم کیا ہو۔ اس لحاظ سے یہ کارِ خیر نہ صرف خراجِ تحسین پیش کرنے کے قابل ہے بلکہ اس کی تقلید کرنا بھی بہتر ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو خیر و برکت کا ذریعہ بنائے اور ستارہ ٹرسٹ کو اس قابل بنائے، اتنی استطاعت دے اور ان کی آمدنی میں اتنی وسعت دے کہ وہ اس قسم کے کارِ خیر میں حصّہ لیتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان خدمات کو قبول فرمائے۔ جہاں تک فیصل آباد کے عوام کا تعلق ہے، مجھے امید ہے کہ انہوں نے اس کارِ خیر کو سراہا ہو گا۔ میں بطور سربراہِ مملکت اور آپ کا ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے یہ بتانے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان میں اس وقت ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں انسانی محبت اور اسلامی جذبہ موجود ہے۔ لوگوں میں ایسے ادارے قائم کرنے کا جذبہ باقی ہے جن سے وہ

عوام کی خدمت کر سکیں۔ آپ مجھے یہ بتائیے، میں اس سلسلے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں، کیونکہ عزیز فاطمہ ہاسپٹل نے مجھ سے کوئی رقم نہیں مانگی، کوئی زمین نہیں مانگی، ڈاکٹروں کے لئے کچھ نہیں مانگا۔ اس لئے میں ایک چھوٹا سا تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ اس ہاسپٹل کو وسعت دینے میں اگر آپ کو کچھ دشواریاں ہوں تو آپ ان کی نشاندہی کریں تاکہ میں آپ کی مدد کر سکوں۔ جنرل جیلانی صاحب یہاں موجود ہیں، ڈی۔ایم۔ایل۔اے، جنرل راحت لطیف صاحب یہاں موجود ہیں اور جناب حاجی صاحب نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں بریگیڈیئر سعد اللہ صاحب کی، کمشنر صاحب کی اور ڈپٹی کمشنر صاحب کی تعریف کی ہے۔ مجھے اُمید ہے ان کا تعاون پہلے ہی سے آپ کے ساتھ ہے۔ آپ نے کہا کہ ڈاکٹر صاحبان کی بھی کوئی تکلیف نہیں ہے۔ آپ ہر ہفتے ان کو لاہور سے منگواتے ہیں تو پھر مجھے بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

سوئی گیس کی فراہمی کے متعلق میں آپ کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ عزیز فاطمہ ٹرسٹ ہاسپٹل کی اس چھ ایکڑ زمین میں سوئی گیس ضرور آئے گی اور اس علاقے میں بھی آئے گی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اس کا جائزہ لوں گا۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان تمام تکالیف کو دور کروں گا جو آپ کو درپیش ہیں۔ میں جناب سعد اللہ صاحب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ فیصل آباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی، کمشنر یا ڈپٹی کمشنر جن کے دائرۂ اختیار میں یہ چیز ہو، وہ جائزہ لیں۔ جہاں تک سوئی ناردرن اور سوئی گیس کمپنیوں کا تعلق ہے، یہ وفاقی ادارے براہِ راست میرے ماتحت ہیں۔ اگر صرف یہی مسئلہ ہے تو آپ ان سے بات کریں وہ جلد ہی آپ کا یہ مسئلہ حل کر دیں گے۔ اس کے تمام اخراجات میرے ذمے ہیں۔

دوسری چیز میں آپ سے یہ عرض کروں گا جیسا کہ حاجی صاحب نے فرمایا وہ ہاسپٹل میں ایئر کنڈیشننگ کروانا چاہتے ہیں تو ایئر کنڈیشننگ پلانٹ یا ہاسپٹل کے لئے کوئی اور آلہ یا مصنوعات، کوئی انسٹرومنٹ یا کوئی مشینری جو سامان بھی آپ منگوانا چاہتے ہیں، وہ آپ کو ٹیکس فری ملے گا۔ اس پر آپ کو کوئی ٹیکس نہیں دینا پڑے گا۔

آپ کی ان خدمات کو سراہتے ہوئے میں آپ کو ایک خصوصی انعام اور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ پاکستان کے موجودہ قوانین کے مطابق ایک رقم کی ایک سیلنگ CEILING ہے کہ اس سیلنگ کو آپ رفاہی اداروں میں خرچ کریں گے تو آپ کو انکم ٹیکس میں چھوٹ ملے گی۔ میں ستارہ ٹیکسٹائل ملز کے مالکان کی خدمت کو سراہنے کے لئے اور عزیز فاطمہ ٹرسٹ ہاسپٹل بنانے کی خوشی میں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ غفور صاحب، حاجی بشیر صاحب برادران، ستارہ ٹیکسٹائل ملز کو یہ خصوصی رعایت دی جاتی ہے کہ وہ جتنی رقم عزیز فاطمہ ٹرسٹ پر یا عزیز فاطمہ ٹرسٹ کے باقی رفاہی اداروں پر خرچ کریں گے، اس پر کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔ یہ اس لئے کہ رفاہی اداروں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے۔ آپ نے انتظامیہ کی تعریف بھی کی ہے۔ اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی کہا کہ بڑی تکالیف ہیں۔ پھر وہ تکالیف کیا ہیں ان کی نشاندہی کیجئے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کمشنر، ڈپٹی کمشنر فیصل آباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور فیصل آباد کے میئر سب کا تعاون آپ کے ساتھ ہے۔ پھر آپ کو کیا شکایت ہے۔ وفاقی حکومت کے اداروں سے کوئی شکایت ہے یا صوبائی حکومت کے اداروں سے کوئی شکایت ہے؟ سیکرٹری وزارت صحت، صوبہ پنجاب یہاں موجود ہیں، جناب گورنر صاحب یہاں موجود ہیں۔ عوام کے مسائل حل کرنے کے

لئے حکومت پنجاب جو کوششیں کر رہی ہے، ان کا مجھے علم ہے۔ اگر آپ کو کوئی شکایت ہے تو میرے علم میں لائیں تاکہ جلد دور کی جا سکے اور تاجر برادری کے باقی مخیر حضرات اگر اس قسم کے رفاہی کاموں میں حصہ لینا چاہیں تو انہیں کوئی دشواری نہ ہو۔

ایک چھوٹا سا تحفہ اور میں آپ کو دینا چاہتا ہوں کہ حاجی بشیر اور حاجی غفور صاحب برادران کے یہاں اگر کوئی ایسا فرزند ہو جو ڈاکٹر بن سکے تو اگر اس کے نمبر کم بھی ہوں پھر بھی میں اسے میڈیکل کالج میں سیٹ دلواؤں گا کیونکہ اس خاندان میں ایک ڈاکٹر ضرور ہونا چاہیئے جو آج نہیں تو کم از کم دو سال، پانچ سال، دس سال بعد اس ہاسپٹل کا نہ صرف انتظام سنبھال سکے بلکہ اس میں خود بھی کام کر سکے۔

ٹرسٹ کی ہمارے ہاں دو چار مشکلات ہوتی ہیں۔ میں ان سے آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایسے فلاحی اداروں کا بنانا آسان ہوتا ہے لیکن ان کو چلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ ٹرسٹ کے جتنے ممبران ہیں وہ آپس میں اتفاق رکھیں۔ آپ کو فیصل آباد کے شہریوں کی، پاکستانیوں کی، مسلمان بھائیوں کی اور اپنی شہری برادری کی خواہ اس میں مسلم ہوں یا غیر مسلم، سب خدمت کا موقع ملنا چاہیئے، اس لئے آپس میں اتفاق رکھیئے جہاں آپ کو کوئی مشکل پیش آئے، مجھے بتایئے، جناب گورنر صاحب کو بتایئے، انتظامیہ کو بتایئے تاکہ ہم اس کو دور کر سکیں۔ کیونکہ آپ دیکھیں گے کہ پاکستان بننے کے بعد بہت کم ایسے ٹرسٹ بنے ہیں اور کامیابی سے چلے ہیں۔ بنے تو بہت سارے ہیں لیکن بدقسمتی سے ان کے چلانے والوں میں نااتفاقی کی وجہ سے یا آپس میں کشیدگی کی وجہ سے زیادہ عرصہ نہ چل سکے۔ میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کروں گا کہ آپ آپس میں اتفاق رکھیئے۔ صحیح معنوں میں اس ٹرسٹ کو ٹرسٹ کے طور پر چلایئے۔ وفاقی

حکومت کی طرف سے جو رعایات، سہولیات بہم پہنچائی جاسکتی ہیں، ان کا میں وعدہ کرتا ہوں۔ گیس تو ایک چھوٹی سی چیز ہے یا ہاسپٹل EQUIPMENT بغیر ڈیوٹی کے آپ کو مل جائے، یہ بھی چھوٹی سی چیز ہے۔ اگر آپ کو اور کوئی بڑا مسئلہ درپیش ہو تو مجھے بتایئے تاکہ نہ صرف دس سال میں بلکہ اس سے بھی کم عرصے میں یہ ۱۰۰ بیڈ والا ہاسپٹل کم از کم دوگنا ہو سکے۔ اپنے ادارے میں مسجد ضرور بنوایئے۔ اگر مسجد بنانے میں وفاقی حکومت اس کارِ خیر میں کوئی حصّہ لے سکتی ہو تو آپ مجھے بتایئے تاکہ میں بھی ثواب کمانے میں وفاقی حکومت کی طرف سے کچھ حصہ لے سکوں۔

مجھے اُمید ہے کہ صوبائی حکومت بھی آپ کی مدد کرے گی، لیکن یہ ادارے اس طرح بننے چاہئیں کہ اس میں لوگوں کا حصہ زیادہ ہو۔ پرائیویٹ انسٹی ٹیوشن کی ایک خصوصیت جو کسی زمانے میں تھی وہ یہی تھی کہ حکومت سے وہ صرف تعاون چاہتے تھے، سہولتیں چاہتے تھے۔ مجھے اُمید ہے کہ جس طریقے سے فاطمہ ٹرسٹ ہاسپٹل بن رہا ہے یا اس ٹرسٹ کے باقی کام چلیں گے، آپ بھی انہی کے نقشِ قدم پر چل کر ایک اچھا ٹرسٹ بنائیں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ہاسپٹل کو ایک مثالی ادارہ بنائے جس سے عوام کی خدمت کرنے کا موقع ملے۔ میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس ٹرسٹ کو کامیابی عطا فرمائے۔ آمین!

پاکستان پائندہ باد

فیصل آباد میں زکوٰۃ کمیٹیوں کے اراکین سے خطاب

فیصل آباد : ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء

۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء کو صدرِ مملکت کا دورۂ فیصل آباد اس اعتبار سے انتہائی مصروف اور اہم ترین قرار دیا جاسکتا ہے کہ ایک ہی روز صدر نے خواتین کے دو تعلیمی اداروں، ٹیلی ویژن بوسٹر اور ایک ہسپتال کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی اور فیصل آباد کے کونسلروں، معذور فوجیوں اور شہیدوں کے لواحقین اور فیصل آباد کی ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹیوں کے اراکین سے بھی خطاب کیا۔

صدر نے نظامِ زکوٰۃ کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہم سب کو مل کر اس نظام کو مزید مستحکم کرنا چاہیئے۔ ضلعی زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران اور لوکل زکوٰۃ کمیٹیوں کے اراکین لوگوں میں ایسا جذبہ پیدا کریں کہ وہ زکوٰۃ دینا اپنا فرض سمجھیں۔

ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین جناب سلطان احمد داؤدی کی ماہنامہ جاری کرنے کی تجویز کے بارے میں صدر نے یقین دہانی کرائی کہ اس بات

کا جائزہ لیا جائے گا اور وفاقی یا صوبائی سطح پر کوئی ایسا ماہنامہ نکالا جائے گا جس میں زکوٰۃ کے متعلق فرائض، ہدایت اور فقہی مضامین شامل ہوں۔ اس موقع پر صدر نے اعلان کیا کہ اسلام نگر کے کچے مکانات کو وفاقی حکومت کے خرچ پر پکا بنوایا جائے گا۔ صدر نے تقریب کے نعت خواں کو سرکاری خرچ پر حج پر بھجوانے کا وعدہ بھی کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

چیئرمین ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی، جناب سلطان احمد داؤدی صاحب،
گورنر پنجاب، جناب جنرل غلام جیلانی صاحب،
فیصل آباد کی انتظامیہ کے اراکین،
زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران
اور
معزز خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ میں آپ تمام حضرات کا ممنون ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے اور مجھے یہ موقع دیا کہ میں کچھ گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں۔

نظامِ زکوٰۃ کے متعلق آپ کو علم ہے کہ اس پر کسی مکتبۂ فکر کا فقہی نقطۂ نظر سے کوئی اختلاف نہیں کہ زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں۔ آپ سب کے علم میں ہے کہ یہ ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان میں زکوٰۃ ایک اہم رکن

ہے۔ جس طرح پانچ وقت کی نماز فرض ہے اسی طرح زکوٰۃ دینا بھی فرض ہے۔ مختلف مسالک کے لوگوں میں زکوٰۃ لینے اور زکوٰۃ دینے کے طریقوں میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس پر ہمیں زیادہ تشویش نہیں ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شاملِ حال رہا تو زکوٰۃ کے نظام کو مزید مستحکم کریں گے۔ یہ ہم نے نیک نیتی اور اللہ کے نام پر شروع کیا ہے۔ انشاء اللہ اس کے صحیح مقصد کو حاصل کرنے میں کوشاں رہیں گے۔

پاکستان میں ہم نے جو نظام زکوٰۃ نافذ کیا ہے اور اس کے لئے جو طریقۂ کار اپنایا ہے، وہ اس طرح ہے کہ شہری علاقوں میں وارڈ کی سطح پر اور دیہی علاقوں میں گاؤں کی سطح پر زکوٰۃ کمیٹیاں بنائی ہیں۔ ہر کمیٹی میں سات ارکان ہوتے ہیں، بعض جگہ پر ان کے چیئرمین کو ملا کر آٹھ بھی ہیں لیکن عام طور پر سات ہی ہیں۔ ان ارکان کے چناؤ میں ہیں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ ان کو نامزد نہیں کیا بلکہ گاؤں یا شہر کی مسجد میں زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین کی نگرانی میں یہ ارکان منتخب ہوتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے تو یہ زکوٰۃ کمیٹی کا کام ہے، کمشنر ڈویژن اور ڈپٹی کمشنر کی ذمے داری ہے کہ اس کا تدارک کریں اور جہاں کہیں اس طریق کار سے ہٹ کر کام ہوا ہے، اس کو فوراً تبدیل کریں۔ مجھے امید ہے کہ جس زکوٰۃ کمیٹی کے توسّط سے آج ہم اس تقریب میں شامل ہوئے ہیں، اس کے ارکان کے چناؤ میں ایسا نہیں ہوا ہوگا اور فیصل آباد کی زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین جو نہایت محبِ وطن، مخلص اور تحریکِ پاکستان کے کارندوں میں سے ایک ہیں، ان سے ایسی غلطی نہیں ہوئی ہوگی۔ اگر ہوئی ہے تو اسے دور کیا جانا چاہیئے۔

ایک اور اہم بات جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اس میں سیاست

کا کوئی پہلو شامل نہیں۔ سیاست سے میری مراد کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا ہو یا اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہو۔ یہ تنظیم سراسر بیوگان، یتیمی اور غربا کے فائدے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس میں صرف رفاہی پہلو شامل ہے، اور کوئی دوسرا پہلو نہیں۔ ہم نے بڑے غور و فکر کے بعد اور ہر پہلو کا جائزہ لینے کے بعد اس نظام کے لئے ایک جامع تنظیم بنائی ہے۔ کونسلر صاحبان میں سے اکثر بہت ایمان دار اور دین دار ہیں، لیکن ان کی ذمے داریاں کچھ اور ہیں۔ اگر ان کو ان کمیٹیوں کا سرپرست بنا دیا جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے دل میں شہرت اور مقبولیت حاصل کرنے کا خیال آ جائے۔ وہ سوچیں کہ ممکن ہے یہ کام کرنے کے بعد انہیں دو چار ووٹ زیادہ مل جائیں یا آئندہ الیکشن کے لئے ان کا کوئی ذاتی مفاد آڑے آ جائے۔ صرف اس خیال کے پیش نظر انہیں یہ ذمے داری نہیں سونپی گئی۔ ورنہ آپ دیکھیں گے کہ لوکل باڈیز LOCAL BODIES، لوکل کونسل اور ڈسٹرکٹ کونسل کی سطح پر جو ممبران آئے ہیں، ان میں سے اکثر زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبر بھی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نہ صرف دین دار ہیں بلکہ لوگوں کی خدمت بھی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ آخر انسان ہیں، ایسا نہ ہو کہ ذاتی مفاد قومی مفاد پر غالب آ جائے اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوں، ہم نے کونسلر صاحبان کی ذمے داریاں الگ رکھی ہیں اور زکوٰۃ کی تنظیم کے لئے زکوٰۃ کمیٹیاں، ضلعی کمیٹیاں اور صوبائی کمیٹیاں الگ بنائی ہیں۔

اس نظام کو کامیاب بنانے کے لئے صرف صوبائی یا وفاقی حکومت کی مالی امداد پر بھروسہ کرنا مناسب نہیں۔ اگر ہم اسے فرض سمجھ کر صحیح معنوں میں چلانے کی کوشش کریں گے تو یہ چلے گا ورنہ نہیں۔ اگر اس میں یہ دیکھا جائے کہ کون کتنا چندہ دیتا ہے

اور وفاقی حکومت کی طرف سے کتنی رقم آتی ہے تو پھر یہ کارآمد ثابت نہیں ہوگا۔ آپ نے ڈنڈوٹ نامی گاؤں کا نام سنا ہوگا۔ ہم نے ٹی وی پر اس کی بہت پبلسٹی کی ہے۔ آج سے دس سال پہلے وہاں کے لوگوں نے خود اختیاری VOLUNTARY طور پر ایک تنظیم بنائی اور آج خدا کے فضل و کرم سے اس چھوٹے سے گاؤں میں احوال یہ ہے کہ انہوں نے صوبائی اور دوسری زکوٰۃ کمیٹیوں میں اپنی کمیٹی سے چندہ دیا ہے۔ اس طرح آپ دیکھیں گے کہ اگر نیتیں صاف ہوں، ایمان پختہ ہوں اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کام کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس میں کامیابی نہ ہو۔ میں زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین صاحب سے، ضلعی کمیٹی کے ممبران سے اور لوکل زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران سے عاجزانہ طور پر یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ لوگوں میں ایسا جذبہ پیدا کریں کہ وہ زکوٰۃ دینا اپنا فرض سمجھیں۔ بہر حال ہم نے کچھ رقم جو وفاقی حکومت سے ملی ہے اور کچھ جو مخیّر حضرات سے بطورِ زکوٰۃ وصول کی ہے، زکوٰۃ کمیٹیوں میں تقسیم کی ہے۔ یہ پہلی قسط ہے ان شاء اللہ جلد ہی اسی مالی سال کے دوران آپ کو ایک یا دو قسطیں اور ملیں گی، لیکن آپ بھی اپنے فرائض سے غافل نہ ہوں۔ اپنے علاقے کے مستحقین کی فہرست بنائیں۔ آپ سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ آپ کے علاقے میں کون بیوہ ہے، کون یتیم ہے اور کس کو کتنی مدد کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی اہل نصاب کی بھی ایک فہرست تیار کی جائے، کیونکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کے علاقے میں کون صاحب نصاب ہے اور کس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ آپ کا یہ فرض ہے کہ ان سے عاجزانہ طور پر درخواست کریں کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ ہر صاحب نصاب کا یہ فرض ہے کہ وہ پہلے اپنے خاندان میں اپنے قرب و جوار میں اگر کہیں زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو بڑے شوق سے دے۔ اس کے بعد

دوسرا حق زکوٰۃ کمیٹی کا آتا ہے۔

بعض حضرات نے اس نظام پر تنقید بھی کی ہے مگر میں اسے تنقید برائے تنقید کہتا ہوں یا پھر اس میں سیاست کا پہلو بھی شامل ہے سو وہ یہ کہتے ہیں کہ ضیاء الحق نے یہ نیا نظام نافذ کیا ہے۔ ایک ہزار روپے والے کو صاحب نصاب بنا دیا ہے اور یہ کل رقم سود میں سے بھی کاٹ لی گئی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں۔ میرے خیال میں یہ سب پروپیگنڈا ہے اور مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ میں نے یہ تہیہ کیا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نام پر بنکوں میں جمع شدہ رقوم پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ کاٹ لی جائے گی اور یہ رقم غرباء میں تقسیم ہو گی۔ کچھ اصحاب کے یہاں جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، ان کے مسلک کی بناء پر زکوٰۃ نہیں کاٹی جا سکتی تو میں ان سے ان کے مسلک کے طریق کار کے مطابق زکوٰۃ وصول کروں گا۔ میں اسلام کے نام پر تفرقہ بازی نہیں چاہتا۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ دینا فرض ہے مگر صرف تقسیم کے طریق کار میں اختلاف ہے، میں ان سے ان کے طریق کار کے مطابق زکوٰۃ وصول کروں گا۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو زکوٰۃ دینا فرض سمجھتے ہیں اور مجھ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ میں یہ نظام رائج کروں، لہٰذا میرا یہ فرض ہے کہ میں ان کی خواہش اور خدا کے حکم کا احترام کروں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اس سے کوئی منحرف نہیں کر سکتا۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کی کارکردگی اتنی پر اثر ہونی چاہیئے کہ آپ صاحبِ نصاب سے زکوٰۃ وصول کر سکیں اور اسے مستحقین میں تقسیم کر سکیں۔

ایک اور اہم بات زکوٰۃ کی تقسیم کے بارے میں ہے۔ یہ غلط ہے کہ وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت نے یہ کہا ہے کہ ہر مستحق میں چالیس چالیس روپے تقسیم

کئے جائیں۔ زکوٰۃ کمیٹی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی آمدنی کے مطابق ہر مستحق میں اس کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم یا زیادہ رقم تقسیم کر سکتی ہے۔ آپ کو یہ اندازہ ہونا چاہیئے کہ آپ کو وفاقی حکومت سے، صوبائی حکومت سے اور چندے کے ذریعے کتنی رقم ملی ہے۔ پھر آپ مستحقین کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس رقم کو تقسیم کر سکتے ہیں۔ بعض علاقے ایسے ہیں جہاں صاحب نصاب کم ہیں اور مستحقین زیادہ۔ بعض علاقوں میں مخیر حضرات زیادہ ہیں مگر وہ زکوٰۃ بہت کم دیتے ہیں آپ یہ دیکھیں کہ آپ کے پاس دس ہزار، بیس ہزار جتنی بھی رقم ہے، اسے کس طرح تقسیم کریں۔ اگر آپ برابر برابر تقسیم کریں گے تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر آپ کے پاس چار ہزار روپے جمع ہوئے ہیں اور مستحقین زکوٰۃ چار سو ہیں اور آپ سب میں دس دس روپے بانٹ دیں تو اس سے کس کس کا پیٹ پلے گا، اس لئے آپ کو یہ اختیار ہے کہ آپ اپنی آمدنی کا خیال رکھتے ہوئے، مستحقین کا خیال رکھتے ہوئے جس کو جتنی رقم دینا چاہیں، دیں۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر آپ کو صرف رہنمائی اور مالی امداد ملے گی۔ اس کے علاوہ ساری کارکردگی آپ کی ہے۔

جہاں کچھ لوگوں نے اس نظام پر تنقید کی ہے، وہاں کچھ اچھے اور مفید مشورے بھی ملے ہیں۔ ہم ان کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ تبدیلیاں بھی کریں گے مگر اس سے آپ کی کارکردگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ آپ کی جو ذمہ داری ہے وہ آپ کو بہرحال پوری کرنی ہے۔ صاحب نصاب لوگوں کی نشاندہی کرنی ہے اور ترغیب دلانی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں۔ ہم نے اس چیز کے متعلق بھی احکامات جاری کئے ہیں کہ تمام خط و کتابت اور کارروائی اردو میں ہوگی۔ آپ کو جو ہدایات ملیں گی وہ بھی اردو میں ملیں گی۔ داؤدی صاحب کی یہ تجویز بڑی اچھی ہے کہ کوئی ہفت روزہ

پندرہ روزہ یا ماہنامہ جاری کیا جائے جس میں زکوٰۃ کے متعلق فرائض، ہدایات اور فقہی پہلو وغیرہ کا ذکر ہو اور زکوٰۃ سے متعلق مضامین بھی ہوں۔ ہم اس کا جائزہ لینے کے بعد کوشش کریں گے کہ اس قسم کا کوئی ماہنامہ وفاقی یا صوبائی سطح پر نکالا جائے۔ میں دفتر کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ یہ کوئی بنیادی جمہوریت BASIC DEMOCRACY تو نہیں ہے یا کوئی ایسی جماعت نہیں ہے کہ آپ کو دفاتر درکار ہوں۔ ہاں اگر اللہ نے توفیق دی تو زکوٰۃ میں سے نہیں بلکہ وفاقی یا صوبائی حکومت کے دوسرے اخراجات میں سے رقم نکال کر آپ کو ٹیلی فون دے سکے تو ضرور دیں گے۔ زکوٰۃ کی رقم اس وقت اتنی کم ہے اور لوگ اتنے زیادہ ہیں کہ ہم اسے اور مدّوں میں خرچ نہیں کر سکتے۔ اتنے عرصے کے لئے آپ جہاد کیجئے۔ مسجد میں بیٹھ کر رجسٹر بنایئے۔ آدھا گھنٹہ، ایک گھنٹہ اپنے فالتو وقت میں سے نکالئے۔ روشنائی بازار سے خریدیئے۔ ستارہ ٹیکسٹائل ملز والوں نے اتنا بڑا شفاخانہ بنوایا ہے۔ میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ آپ کو کچھ سیاہی، قلم، دوات اور رجسٹر وغیرہ مہیا کریں۔ میں ابھی وہ شفاخانہ دیکھ کر آ رہا ہوں۔ آپ یقین کیجئے کہ پاکستان کے اچھے اچھے شفاخانوں میں ایسا انتظام موجود نہیں۔ اللہ نے انہیں توفیق دی کہ انہوں نے اتنا اچھا اور خوبصورت شفاخانہ بنوایا۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کو وفاقی اور صوبائی حکومت کی طرف سے اور مدد فراہم کریں۔ یہ دو بھائی، دو مخیر حضرات جنہوں نے یہ شفاخانہ بنوایا ہے اور اب مسجد بنا رہے ہیں، اپنی طرف سے غرباء اور یتامیٰ کو بہت سی رقم دیتے ہیں۔ آپ ڈھونڈیں تو ایسے بہت سے لوگ آپ کو ملیں گے۔ صرف ان کی نشاندہی کی ضرورت ہے، اس لئے میں موجودہ حالات میں داؤدی صاحب سے بڑی معذرت کے ساتھ درخواست کروں گا کہ فی الحال دفاتر اور ٹیلی فون کا مطالبہ پورا نہیں کیا جا سکتا۔

یہ مطالبہ جائز ہو سکتا ہے لیکن ایک فون لگانے کے لئے کنکشن کے لئے دو ہزار روپے دینے پڑتے ہیں۔ پھر فون کالوں پر جو اخراجات آئیں گے، وہ کون ادا کرے گا۔ اگر یہ رقم ہم زکوٰۃ میں سے خرچ کریں تو یہ جائز نہیں کہ زکوٰۃ تقسیم کرنے والا ادارہ زکوٰۃ کی رقم اپنے اوپر خرچ کرے۔ بہتر ہے کہ یہ رقم ضرورت مندوں کو دی جائے۔ وقت آنے پر اگر اللہ نے ہماری مدد کی، مالی حالات اچھے ہوئے اور وسائل میسر ہوئے تو انشاء اللہ میں خود اپنی طرف سے آپ کو دفاتر، کاریں، ٹیلی فون اور دیگر سہولیات فراہم کروں گا۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے۔

اب میں آپ کی توجہ ایک اور اہم بات کی طرف دلوانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ملکی دفاع صرف افواجِ پاکستان کی نہیں بلکہ پوری قوم کی ذمہ داری ہے۔ میں داؤدی صاحب کی تائید کرتا ہوں اور آپ کو کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتا کہ میں زکوٰۃ کی رقم افواجِ پاکستان پر خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ فقہی نقطۂ نگاہ سے یہ رقم دفاع پر خرچ ہو سکتی ہے مگر ابھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنے وسائل دیئے ہیں کہ ہم اپنے دفاع کی طرف توجہ دے سکیں۔ میں جس نکتے کی طرف آپ کی توجہ دلوانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم فوجی تعلیم حاصل کریں۔ میں اعلانیہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا وقت آیا تو پاکستان کے نو کروڑ عوام بوڑھے، بچے اور عورتیں بغیر ہتھیاروں کے بھی لڑیں گے۔ یہ ملک بڑی قربانیوں کے بعد بنا ہے۔ اس وقت ہم جو جہاد کر رہے ہیں، وہ نظامِ اسلام کے نفاذ کا جہاد ہے۔ ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ اسلام کے، دین کے اور اس ملک کے مخالف لوگوں کی نشاندہی کر کے ان کی سرکوبی کریں۔ خدا ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم اس ملک کی خدمت کر سکیں۔ غرباء کو ان کا حق دلوا سکیں۔ یقین کیجئے جب تک ہر مخیّر شخص جس کے ذمے زکوٰۃ واجب

ہے، اپنا فرض ادا نہیں کرے گا اس وقت تک ہمارے فرائض پورے نہیں ہوں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ غربار کو ان کا حق نہیں مل رہا۔ ٹھیک ہے یہ میرا فرض ہے، لیکن دیکھنے والا اللہ ہے۔ میری اور آپ کی اس سلسلے میں جو باز پرس ہوگی اس کا جواب دینے والا کوئی اور نہیں ہوگا، میں اور آپ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نظام ہمیں دیا ہے یہ صرف آج سے چودہ سو سال پہلے کے لئے نہیں دیا تھا کہ صرف اس زمانے میں لوگ غریب تھے اور حضرت عمرؓ یا کسی اور خلیفہ نے زکوٰۃ اکٹھی کر کے غربار میں تقسیم کر دی۔ نظامِ اسلام قیامت تک کے لئے ہے۔ اس کے اصول تمام زمانوں کے لئے ہیں اور یہ ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔ زکوٰۃ، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور فلاح بہبود کا جو طریق کار آنحضورؐ نے ہم تک پہنچایا ہے، ہمیں چاہیئے کہ اس کو پختگی سے پکڑے رکھیں اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کریں۔

اس تقریب کے اور بہت سے پہلو ہیں جن کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک تو میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں کہ یہ تقریب جو چار بجے شروع ہوئی تھی، آٹھ بجے اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ آپ نے جس صبر کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ میں بڑے فخر کے ساتھ آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فیصل آباد کے عوام میں اسلامی جذبہ کس حد تک موجود ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ اسلام کے نام پر کس جذبے سے کام کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ دیکھنے میں یہ علاقہ بہت امیر نہیں ہے۔ ممکن ہے ارد گرد کچھ مخیر حضرات رہتے ہوں مگر مجھے اس تقریب میں زیادہ تر نچلے طبقے کے لوگ نظر آ رہے ہیں۔ میں آپ کو یہ تاکید کرتا ہوں کہ جہاں آپ کے دل میں دینِ اسلام سے محبت ہے، وہاں اسلام کی خدمت کرنے کا جذبہ بھی رکھیئے۔ آپ کو قاریوں سے محبت ہونی چاہیئے، ان تمام لوگوں سے بھی جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں

اور ان لوگوں سے بھی جو رسولؐ کی محبت میں سرشار ہو کر نعت خوانی کرتے ہیں۔ جن صاحب نے آج کی اس تقریب میں نعت پڑھی ہے، میں ان کی آواز اور ان کے جوش و جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ انشاء اللہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جائے گی۔ اگر انہوں نے حج یا عمرہ نہیں کیا تو میں انہیں حج پر بھجواؤں گا تاکہ وہ یہ فرض بھی ادا کریں اور روضۂ رسولؐ کی زیارت بھی کریں۔ اس کے علاوہ یہاں آس پاس کئی کچے مکانات بھی ہیں۔ میں زکوٰۃ میں سے نہیں بلکہ وفاقی حکومت کی طرف سے اتنی رقم مہیا کروں گا کہ یہ مکانات پکے بن سکیں۔ میں بریگیڈیئر سعد اللہ صاحب کی ڈیوٹی لگاؤں گا کہ وہ فیصل آباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی کی مدد سے ایک ایسا منصوبہ بنائیں اور اس کا مالی بوجھ حکومت برداشت کرے گی۔ میں یہ اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ اس علاقے میں جو کچے کوارٹرز ہیں، انہیں پکا بنایا جائے گا۔ اس کے لئے "اسلام نگر" نام جو آپ نے منتخب کیا ہے، بہت مناسب ہے۔ انشاء اللہ یہ صحیح معنوں میں اسلام نگر بنے گا۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

فیصل آباد میں کونسلروں سے خطاب

فیصل آباد : ۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء

۲۵ اگست، ۱۹۸۰ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے دورۂ فیصل آباد کے دوران کونسلروں سے خطاب کیا۔

صدر نے اپنے خطاب میں فیصل آباد اور سرگودھا ڈویژن کے مسائل کے بارے میں تفصیلی اظہارِ خیال کیا۔ پینے کے پانی کی فراہمی اور سیم و تھور کے تدارک کے لئے مثبت اقدام کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

بلدیاتی نظام کا ذکر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ ہماری توجہ بنیادی اداروں کی جانب ہونی چاہیئے۔ پچھلے چند سالوں میں ان اداروں کو نظر انداز کیا گیا لہٰذا ان کو آگے بڑھائیں اور اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے عوام کی خدمت کریں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

گورنر پنجاب، جناب جنرل جیلانی صاحب،

ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، جناب راحت لطیف صاحب،

ضلع کونسل فیصل آباد کے قائم مقام چیئرمین، میاں عبدالرشید صاحب،

میئر فیصل آباد، میاں ریاض شاہد صاحب،

وفاقی حکومت کے سیکرٹری صاحبان،

صوبائی حکومت کے سیکرٹری صاحبان

اور

معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم - میں آپ لوگوں سے چند ایک باتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا تعلق فیصل آباد اور سرگودھا ڈویژن کے مسائل اور عوام الناس سے ہے۔ اس ہال کے ساتھ جہاں میں آپ سے مخاطب ہوں، میری بہت سی یادیں وابستہ

ہیں۔ شروع شروع میں اس جگہ میں نے عوام کے وفود سے ملاقات کی، سیکرٹری صاحبان اور وزراء سے یہاں کے مسائل پر بات چیت ہوئی، پھر علماء کے وفود سے بھی یہیں ملاقات ہوئی اور آج کونسلر صاحبان سے پہلی مرتبہ اس ہال میں مخاطب ہونے کا موقع ملا۔

عوام کے وفود نے اپنے مسائل وفاقی حکومت کے سیکرٹری صاحبان، صوبائی حکومت کے سیکرٹری صاحبان اور چیئرمین واپڈا کے سامنے بڑے بھرپور انداز میں پیش کئے تھے۔ اس وقت وفاقی حکومت کی طرف سے جتنی مدد ممکن ہو سکتی تھی، میں نے کی۔ کم و بیش چھبیس ٹیوب ویل میں نے یہاں لگوائے ہیں اور ایک دو DRAINS بھی نکاسیٔ آب کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اس کی وجہ سے حالت کچھ بہتر ہوئی ہے مگر فیصل آباد شہر اور ضلع فیصل آباد کے مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ سیم و تھور کا ہے۔ اس سلسلے میں وفاقی حکومت ضروری اقدام کر رہی ہے۔ اس سال ہم نے ہنگامی طور پر کچھ رقم پورے پاکستان میں سیم و تھور کے خاتمے کے لئے مختص کی ہے۔

آج صبح کی ملاقات میں کمشنر صاحب نے جس مسئلے کی طرف توجہ دلائی، وہ سیم اور تھور اور فیصل آباد میں پینے کے پانی کی فراہمی کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لئے وفاقی سطح پر انشاء اللہ ایک کانفرنس کریں گے اور خاص طور پر فیصل آباد ڈویژن اور سرگودھا ڈویژن میں سیم اور تھور کے تدارک کے لئے مثبت اقدام کئے جائیں گے۔

اس کے ساتھ جس چیز کی طرف میں آپ کی خاص توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ بلدیاتی نظام ہے۔ بلدیاتی نظام سے متعلق اسلام آباد کنونشن کے بارے میں آپ

نے سنا ہوگا۔ آپ میں سے بعض خواتین و حضرات وہاں موجود تھے۔ اس کے بعد ہم نے خواتین کا کنونشن منعقد کیا۔ اس کنونشن میں بہت سے مسائل سامنے آئے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ جو آپ کے عوامی ادارے ہیں جیسے لوکل سیلف گورنمنٹ LOCAL SELF-GOVERNMENT یا لوکل باڈیز LOCAL BODIES، ان کی کارکردگی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ یہاں فیصل آباد میں یہ دیکھ کر بہت زیادہ اطمینان اور تسلی ہوئی ہے کہ کونسلر صاحبان اور انتظامیہ میں کچھ افہام و تفہیم کا سلسلہ قائم ہو گیا ہے۔ ورنہ آج بھی بعض اضلاع میں، ڈویژنوں میں یہ حالت ہے کہ کونسلر صاحبان انتظامیہ سے بات کرنے کے لئے تیار نہیں اور انتظامیہ بھی یہ سمجھتی ہے کہ یہ کیوں ہم سے جواب دہی کے لئے آگئے۔ اس چیز کی نشاندہی میں نے اس لئے کی ہے کہ اس نظام کا جو ڈھانچہ ہے، اس کی پہلے بہت سی مثالیں تھیں، سابق صدر ایوب کی بیسک ڈیموکریسی BASIC DEMOCRACY تھی، اس سے پہلے بلدیاتی اداروں کی کارکردگی کی تنظیم کا ڈھانچہ ہمارے پاس تھا کیونکہ یہ ۱۹۳۵ء سے چلا آرہا ہے۔ ہم نے کسی نئی چیز کی اختراع نہیں کی لیکن ملک کے حالات کو دیکھتے ہوئے ہم نے یہ ارادہ کیا کہ ہماری توجہ سیلف گورنمنٹ SELF-GOVERNMENT یا بنیادی اداروں BASIC INSTITUTIONS کی طرف ہونی چاہیئے۔ سب سے پہلے اس کام کی طرف توجہ دینے کا سہرا سیکرٹری مظفر حسین صاحب کے سر ہے۔ یہ انتظامیہ کے آدمی ہیں اور صحیح معنوں میں بیوروکریٹ ہیں مظفر حسین صاحب نے اسلام آباد سے لے کر تمام صوبوں کا دورہ کیا، کونسلروں سے ملے، الیکشن سے پہلے لوگوں سے ملے اور ہر جگہ جا کر انتظامی امور کا جائزہ لیا۔ یہ موجودہ نظام مظفر حسین صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے اور آپ حضرات کی طرف سے جو سفارشات آئی ہیں، ان کو عملی جامہ

پہنچانے کے لئے بھی مظفر حسین صاحب نے سارا کام کیا ہے۔

میں آپ کو یہاں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان اداروں کے آنے کے بعد جو صورتِ حال ہو گئی ہے، اس کی طرف آپ کی توجہ ہونی چاہیئے۔ دیکھئے اقتدار جو ہے، پاور جو ہے IT ALWAYS CORRUPTS. IT IS AN INTOXICANT اس میں نشہ ہے اور جب آدمی کو یہ نشہ ہوتا ہے تو اس کے پیر زمین پر نہیں ٹکتے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس قابل بنائے کہ ہم اس نشے سے دور رہیں اور عوام کی خدمت کریں۔

اگر آپ اس چیز کا جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ گزشتہ پندرہ سال میں سارے کا سارا کام انتظامیہ کے ذریعے ہوا ہے اور انتظامیہ کو ایک آلۂ کار بنایا گیا ہے۔ شروع میں پریذیڈنٹ ایوب صاحب کے دور میں ۱۹۶۴ء کے الیکشن کے بعد جب یہ ادارے ختم ہو گئے تو صدر یحییٰ صاحب کے دور میں تمام کام انتظامیہ کے ہاتھ میں تھا۔ پھر اس کے بعد جب عوامی دور آیا تو سارا کاروبار انتظامیہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ خلا رہا۔ پھر ہم نے اس ملک کو چلانے کے لئے انتظامیہ کو اختیار دیا۔ میں نے شروع شروع میں سیکرٹریز کی ایک کمیٹی بنائی۔ کچھ ہمارے مشیر، ایڈوائزر یا منسٹر تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ تھوڑے عرصے میں شاید فراغت ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا۔ سکرٹریز کے ذریعے میں نے ایڈمنسٹریشن چلائی، لیکن ایک قوم ملک یا ادارے کو آپ اس وقت چلا سکتے ہیں جب اس کے باسیوں، اس کے نمائندوں اور اس کے عوام کی نہ صرف اس میں بھرپور نمائندگی ہو بلکہ بھرپور شمولیت بھی ہو۔ اب اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ایک تو ہمارے نمائندے لوکل باڈیز کے کارندے ہیں اور ان کی تنظیم ہے اور اب بھی بعض جگہ انتظامیہ کے پاس جو اختیارات ہیں وہ

ان کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ عوام کے نمائندوں، کونسلر صاحبان کو ان کا صحیح مقام دیا جائے۔

جو فضا میں نے فیصل آباد میں دیکھی ہے، اگر یہی فضا پورے ملک میں رہے تو اس کا سہرا ابھی آپ کے سر ہو گا کیونکہ افہام و تفہیم کا جو ماحول میں نے یہاں دیکھا ہے، اس پر ہم سب کو فخر کرنا چاہیئے۔ اگر افہام و تفہیم کی صورتِ حال یہی رہی تو پھر آپ یقین کیجئے کہ سرگودھا ڈویژن اور فیصل آباد میں اتنی ترقی ہو گی کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔ لوگوں کی نیتیں صاف ہیں اور کام کرنے کا جذبہ ہے۔ اس لئے میں کونسلر صاحبان سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ اپنے اختیارات میں رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دلچسپی کے ساتھ کام کریں۔ انتظامیہ کا تعاون ان کے ساتھ ہو گا۔ آپ کو عوام نے چنا ہے اور سرکاری صاحبان کا تقرر میں کرتا ہوں۔ اس لئے آپ کی جو ذمہ داریاں ہیں، آپ کا جو مقام ہے، اس کو مت بھولیئے اور یہ توقع رکھیئے کہ انتظامیہ ہر حال میں آپ کے ساتھ پورا تعاون کرے گی۔ انتظامیہ کے لوگ آپ کو ہر مرحلے پر بتائیں گے کہ کسی کام کی IMPLICATIONS کیا ہیں، اس کے فوائد کیا ہیں اور اس کے نقصانات کیا ہیں۔ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں، مگر انتظامیہ آپ کی یہ رہنمائی کر سکتی ہے کہ کوئی کام ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا۔ تیس لاکھ روپے میں پیر محل میں پانی کی سکیم بن سکتی ہے یا نہیں بن سکتی، لیکن آپ یہ خیال رکھیں کہ ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین ڈپٹی کمشنر نہیں ہیں۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے قائم مقام چیئرمین جناب عبدالرشید صاحب ہیں۔ میونسپل کارپوریشن کے چیئرمین میئر ہیں، کمشنر نہیں ہیں۔ جہاں پر اب تک الیکشن میں کچھ خامی رہ گئی ہے یا بعض حالات سامنے آئے ہیں یا کسی جگہ ہائیکورٹ نے STAY دے دیا ہے،

وہاں پر میں نے صوبہ پنجاب سے یہ درخواست کی تھی کہ بعض جگہ جہاں ایڈمنسٹریٹر لگے ہوئے رہیں، وہاں اب ایڈمنسٹریٹر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یا تو وہاں پر میونسپل کمیٹی کا چیئرمین ہو یا کارپوریشن کا میئر ہو، لیکن حکومت کا نمائندہ وہاں نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر چیئرمین کے الیکشن میں کوئی رکاوٹ ہے تو ان کی جگہ ان کا قائم مقام آدمی ہونا چاہیئے۔ انتظامیہ کے آدمیوں کو اب صرف اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے کام کرنا چاہیئے۔ کونسلر صاحبان کو اپنے اختیارات اور اپنے دائرے کے اندر کام کرنا چاہیئے۔

ایک اور بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ یہ جو ماضی کے اطوار ہیں، ہمیں ان سے ذرا ہٹ کر چلنا چاہیئے۔ فیصل آباد کو لیجئے یا ایک اور چھوٹا مقام لیجئے، بڑا شہر لیجئے، ہر جگہ کے اپنے مسائل ہیں۔ حالت ہماری وہی ہے جو ایک کنبے کی ہوتی ہے۔ کنبے کے چار افراد ہیں۔ ایک نے لوم لگائے ہوئے ہیں، وہ ہزار روپیہ کماتا ہے۔ ایک نے ریڑھی لگائی ہوئی ہے، اسے چار سو روپے مل رہے ہیں۔ ایک کا ماشاء اللہ بڑا عالیشان بنگلہ ہے۔

اب اسلام کے تحت مساوات کا جو پہلو ہے وہ ذرا مختلف ہے۔ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو صلاحیتیں دی ہیں، ان کو بروئے کار لا کر آپ جتنا حلال کما سکتے ہیں، کمائیے۔ رزق میں توسیع یا کمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، بندے کی طرف سے نہیں ہوتی۔ یہ میرا ایمان ہے۔ من و سلویٰ کا زمانہ چلا گیا۔ حضرت موسیٰ کے بعد یہ پھر کسی اور نبی کی قوم پر نہیں اترا۔ اس لئے محنت کرنی چاہیئے۔ ہر شہر، ٹاؤن کمیٹی، ڈسٹرکٹ کے اپنے اپنے وسائل ہیں۔ ان وسائل

کی حد میں رہتے ہوئے آپ اپنے پروگرام کا تعیّن کریں۔ پھر ڈسٹرکٹ لیول LEVEL کے اوپر ڈسٹرکٹ کمیٹی کا یہ فرض ہے اور جو ڈویژنل رابطہ کمیٹیاں بنائی جا رہی ہیں یا بنائی جا چکی ہیں، پنجاب میں ڈویژنل رابطہ کمیٹیوں کے فرائض میں یہ چیز شامل ہے کہ وہ دیکھیں کہ ان کے علاقے میں مخیر حضرات کون کون سے ہیں، متمول حضرات کون کون سے ہیں، ذرا نچلا طبقہ کون سا ہے۔ شہروں قصبوں اور گاؤں کی سطح پر پھر یہ ڈویژنل رابطہ کمیٹیوں کا فرض ہے کہ وہ علاقوں کی ضروریات کی مناسبت سے رقم دیں۔ میں نے صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد، صوبہ بلوچستان اور صوبہ سندھ کو ان کی آبادی کے لحاظ سے رقم دے دی کہ اس رقم کو آپ جس طرح مناسب سمجھیں تقسیم کیجئے۔ یونین کونسل کو دیجئے، ڈسٹرکٹ کونسلوں کو دیجئے، ٹاؤن کمیٹی کو دیجئے۔ میں نے آبادی کے لحاظ سے ۹ کروڑ روپے کے قریب رقم تقسیم کی ہے جس کا کچھ حصہ آپ کا ہو گا۔ اب آپ کو یہ چاہیئے کہ آپ اپنے علاقوں میں حسب ضرورت رقم کا تعین کریں کہ کہاں زیادہ رقم کی ضرورت ہے کہاں کم رقم کی ضرورت ہے۔ ہمارے وسائل اتنے نہیں ہیں کہ سارے مسائل یک لخت حل ہو جائیں۔ جیسا کہ میں ابھی سرگودہا کے چیئرمین صاحب سے ذکر کر رہا تھا کہ آپ اپنی ایک ایسوسی ایشن بنایئے اور مخیر حضرات سے پیسہ لیجئے پھر وہاں پر آپ کالج بنایئے۔ آج میں نے تین اداروں کا افتتاح کیا۔ یہ تینوں پرائیویٹ ادارے ہیں۔ ایک فاطمہ جناح ڈگری کالج برائے خواتین ہے ایک کالج کا میں نے سنگِ بنیاد رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسا کالج بنائیں گے کہ مثالی کالج ہو گا۔ ایک ہسپتال میں نے دیکھا ہے اسے دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی کیونکہ میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ پورے ملک میں سرکاری ہسپتالوں میں ایک بھی ہسپتال ایسا نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ اتنا عمدہ ہسپتال بنایا ہے

اور اتنے ہی احسن طریقے سے چلایا جا رہا ہے تو یہ بھی تو ادارے ہیں۔ آپ بھی عوام کو مخیّر حضرات کو تھوڑا سا متوجہ کیجئے اور سکول بنایئے، کالج بنایئے۔ آپ دیکھئے کہ باہر کے ملکوں میں اس وقت کیا ہو رہا ہے۔ سب سے اہم اور ضروری قدم جو اٹھایا وہ جنرل جیلانی صاحب نے اٹھایا ہے اور یہ ان کی سکیم ہے کہ ہر ضلع میں دیہاتی علاقوں میں سو میل پختہ سڑک بنائی جائے گی۔ میرے خیال میں یہ بہت احسن قدم ہے۔ اس کے نتائج دُور رس ہوں گے اور اس کا انشاء اللہ تعالیٰ بڑا فائدہ ہو گا۔

ٹیکس کے متعلق میں یہاں ایک چیز آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ میں خدمت کرنے کا جوش و جذبہ ہے۔ اس سلسلے میں بعض جگہوں پر لوگوں نے ہر ٹاؤن کمیٹی کے باہر، ہر گاؤں کے باہر، ہر ڈسٹرکٹ کے باہر چونگیاں بنادی ہیں۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ سندھ میں جو مال بیرونی ممالک کو برآمد کے لئے جا رہا ہے، انہوں نے اس پر بھی ٹیکس لگا دیا ہے۔ انہیں کہا گیا کہ ملک سے باہر جانے والے مال پر آپ ٹیکس نہیں لگا سکتے کیونکہ اس طرح ملک کو نقصان پہنچے گا۔ آپ صرف اپنے دائرۂ کار میں رہ کر ٹیکس لگائیں۔

پچھلی دفعہ جب میں فیصل آباد ایگریکلچر یونیورسٹی میں آیا تو وہاں کچھ چیزوں کی ضرورت تھی۔ فیصل آباد ایگریکلچر یونیورسٹی کا مقام نہ صرف پورے پاکستان میں بلکہ براعظم ایشیا میں اپنا مقام ہے۔ وہاں پر انسٹی ٹیوٹ آف جنیٹکس INSTITUTE OF GENETICS اور PLANT BREADING کے لئے کافی کام ہو چکا تھا اور اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے وفاقی حکومت نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی وساطت سے دو کروڑ باسٹھ لاکھ روپے کی امداد دی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس ادارے کے قائم ہونے کے بعد یونیورسٹی کا معیار خاصا بلند ہو گا اور یہ ادارہ اپنی

خدمات سے قوم کو مستفیض کرے گا۔

میونسپل کمیٹی کے مسائل جیسا کہ یہاں بیان کئے گئے، آپ نے بھی سنے بہت سے مسائل ہیں۔ اسی طرح ٹاؤن کمیٹیوں کے مسائل ہیں۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کو ضلع کا درجہ دینے کے بارے میں جنرل جیلانی صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ اس چیز کا جائزہ لیں۔ گوجرہ کے کھلاڑیوں کو ہم انشاء اللہ اور تھوڑا مضبوط کریں گے تاکہ ان میں اگر اچھے کھلاڑی ہیں تو ان سے فائدہ اٹھایا جائے ۔ پینے کے پانی کے لئے پیرمحل کی سکیم کے لئے میں وفاقی حکومت کی طرف سے دس لاکھ روپے کا اعلان کرتا ہوں۔ انہیں پینے کا پانی ضرور ملنا چاہیئے۔ جھنگ کا دورہ میں ضرور کروں گا۔ انشاء اللہ۔ جب آیا تو وہاں کے مسائل بھی تفصیل سے سنوں گا۔ دیہی ترقی کی جو آپ نے سفارش کی ہے، وہ جنرل جیلانی صاحب نے نوٹ کرلی ہے۔ اس پر بھی غور کیا جائے گا۔ ایک چیز کی طرف اور میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جس کا ذکر آپ کے ہر مقرر نے کیا ہے اور وہ ہے تعلیم۔ جب تک آپ تعلیم کا معیار نہیں بڑھائیں گے، اس وقت تک ہمارا ملک ترقی نہیں کرسکتا۔ اس وقت موجودہ حالات میں جس کا میں پہلے بھی کئی بار ذکر کر چکا ہوں کہ تعلیم کے میدان میں کوئی ترقی نہیں ہوئی، بارہ فی صد خواتین خواندہ ہیں، پڑھی لکھی ہیں اور خواتین و مرد ملا کر ۲۵ فی صد ہیں۔ ان میں قرآن ناظرہ والے بھی شامل ہیں۔ جس قوم کی پچھتر فی صد آبادی ان پڑھ ہو تو بتایئے اس سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ ان سے پھر بھی توقع کرنے کے بجائے ہمیں خود شرم آنی چاہیئے کہ ہم ایک ایسے معاشرے سے منسلک ہیں جن میں سے ۷۵ فی صد ہمارے لوگ، بہنیں اور بچے ان پڑھ ہیں۔ اس کے لئے سکول کالجز، ڈگری کالجز، لیبارٹریز سب کی ضرورت ہے، لیکن میں پھر یہاں پنجاب کی سکیم کی طرف توجہ دلاؤں گا جہاں

پر مسجد کو مکتب کا درجہ دیا گیا ہے اور اس کو ایک مرکز بنایا گیا ہے ۔ تمام پرائمری جماعتوں تک سکولوں کا اجراء جو ہے وہ مسجد میں کیا گیا ہے ۔ میں اُمید کروں گا، دعا کروں گا کہ یہ سکیم صحیح معنوں میں چلے۔اس میں کونسلر حضرات بہت مدد کر سکتے ہیں۔آپ یہ بتلائیے کہ آپ میں سے جو بزرگ حضرات یہاں بیٹھے ہیں، انہوں نے بنچوں پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کی ہے یا نیچے ٹاٹ پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ان کے زمانے میں پڑھائی درخت کے نیچے ہوا کرتی تھی یا سیمنٹ کی عمارتوں میں ہوا کرتی تھی۔ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں ۔ میں نے پرائمری جماعت تک ٹاٹ کے اوپر بیٹھ کر تعلیم حاصل کی ہے اور اس کے بعد جب ہم سکول میں گئے وہاں پر بھی بنچوں کا احوال کچھ اچھا نہ تھا۔ ان تمام باتوں کے بجائے ہماری توجہ استاد پر ہوتی تھی کہ وہ کیا پڑھا رہا ہے ۔اس وقت کے اساتذہ جو تھے، میں صرف دعا ہی کر سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آج موجودہ اساتذہ کو بھی اس قابل بنائے کہ وہ اپنا مقام طلباء اور طالبات میں پیدا کر سکیں۔تعلیم کی طرف ہمیں بہت زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔ للّٰہ آپ اس کے لئے جہاد کریں۔آپ اپنے ضلع میں، اپنی یونین کونسل میں، اپنے محلے میں چار بچوں کو یا چار بڑوں کو، چار بزرگوں کو لے کر شام کو بیٹھیے اور آدھا گھنٹہ ان کو پڑھائیے ٹیلی ویژن پر ہم نے پروگرام بنائے ہیں اُن کو دیکھیئے۔جب تک پڑھے لکھے آدمیوں کی طرف سے کوشش نہیں ہو گی، ان پڑھ طبقہ ہمیشہ ان پڑھ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستانی عوام ان پڑھ ضرور ہیں مگر دماغی لحاظ سے ان کی قوتیں قابل رشک ہیں۔

میں آج یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ آج جو صبح سے لیکر میں نے فیصل آباد میں دورہ کیا ہے اور اس کا ذکر میں نے پہلے ٹیلی ویژن بوسٹر سٹیشن کے افتتاح کے موقع پر بھی کیا

ہے کہ میں نے پاکستان کے کسی شہر میں بھی لوگوں کے پذیرائی کے جذبات کی ایسی فضا نہیں دیکھی۔ لوگوں نے بھرپور انداز سے میرا استقبال کیا ہے۔ میں آپ کا گنہگار خادم ہوں لیکن یہ آپ کا جذبۂ اخلاق ہے۔ یہ آپ کی پاکستان کے ساتھ والہانہ محبت ہے جس کے لئے میں آپ کا ازحد مشکور ہوں۔ میں آج یہاں سے یہ خیال لے کر جا رہا ہوں کہ اگر ہمارے عوام میں اس قسم کا جذبہ ہے تو پھر ان کو تعلیم دینا، صحیح راستے پر لگانا یا اسلامی جذبے کے تحت ان سے ایسے کام لینا جس سے کہ اسلام کو فروغ ہو، میرے خیال میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

میں نے فیصل آباد کے عوام کے لئے ایک چھوٹا سا تحفہ دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگلے سات دنوں میں فیصل آباد میں جتنے ٹیلی ویژن لائسنس RENEW ہوں گے، ان کی فیس میں دوں گا۔ جتنے نئے ٹیلی ویژن خریدے جائیں گے، ان کی ایک سال کی فیس میں دوں گا۔ میں نے یہاں ایک ہسپتال کو تھوڑی سی رعائتیں دی ہیں اور ایک چھوٹا سا ہدیہ پیر محل کی سکیم کے لئے کیا ہے جو بڑی بڑی چیزیں ہیں ان پر ہماری توجہ ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اس سلسلے میں میرے اعلانات کا انتظار نہیں کریں گے۔ جناب جنرل جیلانی صاحب یا ان کے چیف سیکرٹری نے مجھے ابھی بتایا کہ چونکہ اب وقت زیادہ ہو گیا ہے، شاید آپ تھک گئے ہوں، اس لئے کل صبح وہ آپ حضرات سے ملاقات کریں گے تاکہ وہ تمام مسائل جو کہ حل ہو سکتے ہیں، ان پر دوبارہ غور و خوض کیا جائے اور اس کے بعد پھر اس سلسلے میں صوبائی سطح کے اوپر کارکردگی کی جائے۔

میں فیڈرل اور پروونشل گورنمنٹ کے سیکرٹریز کا بھی نہایت مشکور ہوں کہ انہوں نے زحمت فرمائی اور اس تقریب کے دوران اس امر کے لئے تیار رہے کہ

شاید ان کی ضرورت پڑے۔ میں مظفر حسین صاحب کے تعاون کے لئے ان کا بھی نہایت مشکور ہوں اور آپ لوگوں سے بھی توقع کرتا ہوں کہ آپ عوام کے لئے کام کرنے والے اداروں کی کارکردگی بہتر بنائیں گے۔ ان الفاظ کے ساتھ میں آپ سب کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں اور انشاءاللہ کوشش کروں گا کہ سرگودھا، جھنگ اور فیصل آباد میں دوبارہ آ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکوں۔ بہت بہت شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

انجمنِ ہلالِ احمر کے سالانہ اجلاس سے خطاب

راولپنڈی : ۲۶ اگست ، ۱۹۸۰ء

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۶ اگست، ۱۹۸۰ء کو انجمن ہلالِ احمر کے سالانہ اجلاس سے خطاب کیا۔ وہ اس انجمن کے صدر بھی ہیں۔

افغان مہاجرین کا ذکر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ انجمنِ ہلالِ احمر نے جس طرح اپنے مہاجر بھائیوں کی امداد کی ہے، یہ بلاشبہ ایک قومی خدمت ہے۔ انہوں نے افغان مہاجرین کے سلسلے میں مدد کرنے والے دیگر ممالک کا بھی شکریہ ادا کیا اور انجمن سے غیر ملکی رفاہی اداروں سے رابطہ قائم کرنے کے لئے کہا۔

صدر نے مخیّر حضرات سے اپیل کی کہ وہ انجمن سے بھرپور تعاون کریں تاکہ دکھی انسانیت کے مسائل کم کئے جاسکیں۔ لوگوں کو قیمتی انسانی جانیں بچانے کے لئے خون کے عطیات دینے چاہئیں۔ مریضوں کی خدمت ہمارا انسانی و دینی فرض ہے۔ انہوں نے کہا کہ انجمنِ ہلالِ احمر کے دائرۂ کار کو توسیع دی جانی چاہیئے اور دُور دراز علاقوں میں بھیجے جانے والے گشتی یونٹوں کے پاس سامان کی کمی نہیں ہونی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین

انجمنِ ہلالِ احمر پاکستان کے چیئرمین، سید واجد علی شاہ

اور

معزز خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ صدرِ پاکستان کی حیثیت سے میں انجمنِ ہلالِ احمر کا بھی صدر ہوں اور اس حیثیت سے یہ دوسری مرتبہ ہے کہ مجھے انجمن کے سالانہ عام اجلاس کی صدارت کرنے اور اس کی کارکردگی دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ میں کسی مبالغے یا ناجائز ستائش کے کسی شائبے کے بغیر یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ سید واجد علی شاہ اور ان کے رفقاء کئی مشکلات کے باوجود نہایت مفید اور قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ میں ان کی محنت، لگن اور جذبۂ خدمت کی تہۂ دل سے داد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ان کے اس جذبے کو زندہ و تابندہ رکھے اور وہ دکھی اور مصیبت زدہ انسانیت کی خدمت

انجام دیتے رہیں۔

انجمن ہلالِ احمر نے بے بس اور بے گھر افغان مہاجرین کی امداد کے لئے جو کام کیا ہے وہ انسانی اور قومی خدمت کا درجہ رکھتا ہے۔ میں انجمنِ ہلال احمر جیسے ادارے کے پلیٹ فارم کو اس مسئلے کے سیاسی پہلوؤں پر اظہارِ خیال کے لئے استعمال کرنا نہیں چاہتا، لیکن یہ حقیقت ضرور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ مہاجرین اپنی مرضی سے اپنا گھر بار چھوڑ کر پاکستان نہیں آئے۔ وہ ظلم و ستم اور بربریت سے تنگ آ کر اپنے دین، اپنی عزتِ نفس اور اپنے طرزِ زندگی کو بچانے کے لئے پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ان مہاجرین کی ایک بڑی تعداد بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر مشتمل ہے۔ ان لٹے پٹے اور بے گھر افراد کی دیکھ بھال کرنا اسلام کی روایت اور انسانی ہمدردی کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ حکومتِ پاکستان اور انجمنِ ہلالِ احمر جیسے فلاحی ادارے ان مہاجرین کی حتیٰ الامکان مدد کر رہے ہیں، لیکن میں جس بات پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ صرف پاکستان یا انجمنِ ہلالِ احمر کا مسئلہ نہیں، یہ پوری دنیا اور ساری انسانی برادری کا مسئلہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ پچھلے چند ماہ سے بعض ممالک نے دستِ تعاون بڑھانا شروع کیا ہے اور بعض غیر ملکی اداروں نے انجمنِ ہلالِ احمر کے ذریعے بھی امداد بہم پہنچائی ہے۔ میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن مہاجرین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کی ضروریات بھی بہت زیادہ ہیں۔ وہ رہائش، خوراک اور طبی امداد جیسی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ انہیں یہ سہولتیں بہم پہنچانا پوری دنیا کا فرض ہے۔ حکومتی سطح پر ہم اس مسئلے پر پوری توجہ دے رہے ہیں، لیکن میں انجمن

ہلالِ احمر سے بھی اپیل کروں گا کہ وہ صرف کاغذی سطح پر اپیل کرنے تک اکتفا نہ کرے بلکہ اس سلسلے میں غیر ملکی رفاہی اداروں سے رابطہ قائم کرے، انہیں مسئلے کی سنگینی بتائے اور انہیں مہاجرین کی ضروریات کی نوعیت سے آگاہ کرے۔ مجھے اُمید ہے اس سے حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوں گے۔ دوسرا شعبہ طبّی امداد سے متعلق ہے جس میں تپ دق کے مریضوں کی مدد، موبائل آئی کلینک کے دورے اور زچہ و بچہ کی بہبود کے لئے کوششیں شامل ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ "طبّی امداد" کے دائرۂ کار کو حتّی الامکان حد تک وسعت دی جائے۔ جب موبائل آئی کلینک کی گاڑی اور عملہ آنکھوں کے علاج کے لئے دُور افتادہ علاقوں میں جائے تو اپنے ساتھ عام دوائیوں کی ایک کِٹ بھی لیتا جائے جس کی عام طور پر دیہات میں ضرورت پڑتی ہے۔ بعض علاقے ایسے بھی ہیں جہاں لوگ اسپرو کی گولی کو بھی ترستے ہیں۔ بخار، نزلہ، قبض، پیچش، پیٹ کا درد وغیرہ ایسی بیماریاں ہیں جو ہمارے دیہات میں عام ہیں۔ ان کے علاج کے لئے فوری طور پر دوا دی جاسکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس چھوٹی سی کوشش سے انجمنِ ہلالِ احمر کے اس موبائل یونٹ کی افادیت میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔

تیسرا اہم شعبہ زچہ و بچہ کی بہبود سے متعلق ہے۔ چند روز ہوئے مجھے بہبودِ آبادی کی مشیر نے POPULATION WELFARE PROGRAMME پیش کیا تھا جس میں بعض نکات بڑے مفید اور قابلِ عمل تھے۔ یہ پروگرام بنیادی طور پر سرکاری مشینری کے ذریعے چلانے کا ہے لیکن اس میں بعض پہلو ایسے بھی ہیں جہاں انجمنِ ہلالِ احمر بھی مفید خدمات انجام دے سکتی ہے۔

زچہ و بچہ کے علاوہ ہمیں ان بچوں کی بہبود پر بھی خاص طور پر توجہ دینی چاہیئے جو ذہنی یا جسمانی لحاظ سے معذور ہیں۔ میں سماجی بہبود کے جس ادارے میں جاتا ہوں، اس بات پر ضرور زور دیتا ہوں کہ ہمیں ایسے بچوں کی ضرور مدد کرنی چاہیئے تاکہ وہ معاشرے پر بوجھ بننے کے بجائے اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر عزت و احترام کی زندگی بسر کر سکیں۔ حکومت پہلے ہی اس اہم مسئلے پر خاصی توجہ دے رہی ہے اور ان اداروں کی امداد کر رہی ہے جو اس میدان میں مصروف عمل ہیں۔ میرے خیال میں انجمنِ ہلال احمر کا دستِ تعاون اس بارے میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

انجمن ہلالِ احمر کے آئین میں اس طرح کے سترہ ایسے شعبے درج ہیں جن میں انجمن مفید خدمات انجام دے سکتی ہے۔ ان میں سے بیشتر شعبوں میں پہلے ہی انجمن اپنی خدمات کا لوہا منوا چکی ہے۔ خاص طور پر جنگ اور قدرتی آفتوں کے دوران اس کی خدمات سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ گزشتہ دو جنگوں کے علاوہ اس نے زلزلے، سیلاب اور اندرونِ شہر بارود پھٹنے سے پیدا ہونے والی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے اہم خدمات انجام دی ہیں۔

غریبوں، بیماروں، معذوروں اور بے کسوں کی مدد کرنا عظیم انسانی خدمت ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت عزیز ہے۔ یہ سماجی بہبود ہی نہیں مذہبی فریضہ بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غرباء اور مساکین کی مدد اور نگہداشت پر بہت زور دیا ہے۔ ان احکاماتِ خداوندی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کی ہوئی اس دنیا کو امن و سکون اور فلاح و بہبود کا گہوارہ بنانا چاہتا ہے اور

اسے فلاح و بہبود کا گہوارہ بنانے کے لئے مجھے، آپ کو اور اس ملک کے آٹھ کروڑ عوام کو یہ فرض انجام دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری قومی آبادی کا بیشتر حصّہ دوسروں کی محتاجی سے بلند ہے۔ وہ خود اپنی روزی کماتا اور عزت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ نسبتاً بہت کم لوگ ہیں جو کسی بیماری یا آفت کی وجہ سے دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں اور بعض مخیّر حضرات ان کی مدد بھی کر رہے ہیں۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ صحت مند اور با وسیلہ لوگوں کی اکثریت اس بارے میں اپنی سماجی زندگیوں کے شعور سے عاری ہے۔

مثلاً انجمنِ ہلالِ احمر کو ہی لے لیجئے اس کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ وہ چندہ ہے جو ہر سال اپنے ممبروں اور ASSOCIATE ممبروں سے وصول کرتی ہے۔ مجھے یہ سُن کر افسوس اور دکھ ہوا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آٹھ کروڑ کی آبادی میں سے انجمن کے سالانہ ممبروں کی تعداد صرف ۸۴۲۲ اور ASSOCIATE ممبروں کی تعداد صرف ۶۸۱۲ ہے جن سے بالترتیب ۱۲ روپے اور ۲ روپے فی کس کے حساب سے جمع ہونے والی رقم ایک لاکھ تیرہ ہزار روپے بنتی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اس حقیر رقم سے انجمن کیا کارنامے انجام دے سکتی ہے؟

انجمن کی آمدنی کا ایک ذریعہ لاٹری یا ریفل ہوتا تھا جسے مذہبی بنیادوں پر بند کر دیا گیا ہے، لیکن جب ہم نے یہ کمی زکوٰۃ فنڈ سے پورا کرنے کی کوشش کی تو یہ شرعی نکتہ آڑے آیا کہ زکوٰۃ براہِ راست مستحقین کو دی جا سکتی ہے لیکن انجمنِ ہلالِ احمر کو نہیں دی جا سکتی، بلکہ مجھے یہ سُن کر تعجب ہوا کہ الٹا انجمن سے کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ ادا کیجئے کیونکہ جن اداروں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، ان میں آپ کا نام شامل نہیں ہے۔ پتہ نہیں یہ حکم کیوں اور کیسے جاری ہوا۔

بہر حال میں اسے فی الفور منسوخ کرتا ہوں۔ انجمن اگر زکوٰۃ لینے کی مستحق نہیں تو اس کے لئے زکوٰۃ دینا بھی لازمی نہیں ہے۔

اپنی مالی مشکلات دور کرنے کے لئے ایک تو آپ اپنی ممبر شپ کو بڑھانے کی طرف توجہ دیجئے۔ اس کے لئے اگر تقریبات منعقد کرنے کی ضرورت ہے تو تقریبات منعقد کیجئے، اگر میری مدد کی ضرورت ہے تو مجھے حکم کیجئے۔ بہر حال زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کارِ خیر میں شریک کیجئے۔

میں تمام اہلِ وطن، خاص طور پر باوسیلہ خواتین و حضرات سے بھی اپیل کروں گا کہ وہ انجمن کی طرف دستِ تعاون بڑھائیں کیونکہ فی الحقیقت یہ انجمن وہی کام کر رہی ہے جو خود انہیں کرنا چاہیئے۔

آخر میں میں اس پلیٹ فارم سے ایک اور اپیل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے خیال میں اس سے موزوں اور کوئی موقع نہیں ہوگا۔ میری مراد خون کے عطیات سے ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے انجمنِ ہلالِ احمر غریب حاجت مندوں کی امداد کے لئے خون بھی مہیا کرتی ہے اور اس کا اپنا بلڈ بنک بھی ہے لیکن خون کا عطیہ دینے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے روپیہ پیسہ بہت کم لوگوں کو دیا ہے لیکن خون ہر انسانی جسم میں پیدا کیا ہے۔ انسانی صحت اور انسانی خون اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے۔ اس میں سے رضا کارانہ طور پر عطیہ دے کر اپنی صحت کی زکوٰۃ ادا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے گا۔

میں انجمنِ ہلالِ احمر سے بھی درخواست کروں گا کہ وہ اس سلسلے میں لوگوں کے خدشات دور کرنے کی کوشش کرے اور انہیں بتائے کہ خون کا عطیہ دینے

سے صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا نہ ہی زندگی کے چند سال یا مہینے کم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم میں یہ خصوصیت پیدا کی ہے کہ عام حالات میں روزمرہ کی خوراک کے ذریعے ضروری مقدار میں خون پیدا ہو جاتا ہے اور اگر اس میں سے کچھ دوسرے انسان کی جان بچانے کے لئے دے دیا جائے تو انسان کی ذہنی یا جسمانی صلاحیتوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اس سلسلے میں وفاقی وزارتِ اطلاعات ونشریات کو بھی ہدایت کروں گا کہ وہ خون کے عطیات سے متعلق انجمن کی طرف سے مہیا ہونے والے ضروری مواد کی نشر واشاعت کا بندوبست کرے اور وقتاً فوقتاً خون کے عطیات کی اپیل بلامعاوضہ ٹی وی اور ریڈیو پر نشر کرانے کا اہتمام کرے۔

میں ایک بار پھر آپ کو آپ کی قابلِ ستائش کارکردگی پر مبارکباد دیتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انسانی خدمت کی جو کوششیں آپ کر رہے ہیں، انہیں کامیاب بنانے کے لئے حکومت ہر طرح آپ سے تعاون کرے گی۔

پاکستان پائندہ باد

گندم کی پیداوار اور تحقیق سے متعلق قومی سیمینار کی افتتاحی تقریب سے خطاب

اسلام آباد : ۲۶ اگست، ۱۹۸۰ء

۲۶ اگست، ۱۹۸۰ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد میں گندم کی پیداوار اور تحقیق سے متعلق قومی سیمینار کی افتتاحی تقریب سے خطاب کیا۔ اس سیمینار میں پاکستانی اور غیر ملکی سائنس دانوں کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔

زرعی شعبے میں تحقیق کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم تکنیکی اعتبار سے گندم کے معاملے میں خود کفیل ہو گئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے اور مزید محنت کر کے گندم، خوردنی تیل کے بیجوں، کپاس اور چاول کی پیداوار کو اور بڑھائیں۔

انہوں نے سائنس دانوں پر زور دیا کہ وہ روغنی اجناس کی پیداوار پر خصوصی توجہ دیں اور سیم و تھور اور نظام آب پاشی کی خرابیوں کا بھی سدّباب کریں۔ صدر نے خوراک کی پیداوار میں اضافے کے لئے چھ ہدایات بھی جاری کیں: ۱۔ پانی کے ضیاع کو روکا جائے۔ ۲۔ ترقی یافتہ طریقے اپنائے جائیں۔ ۳۔ کسانوں کو ضروری قرضے مہیا کئے جائیں۔ ۴۔ سٹوریج کی سہولتوں کو بہتر بنایا جائے۔ ۵۔ بیج کی

بہتر اقسام اور کھاد بروقت مہیا کی جائے۔ ۶۔ سیم اور تھور کی لعنت کو ختم کیا جائے۔

حکومت پنجاب کی طرف سے بارانی زراعتی کالج اور تحقیقاتی مرکز کے قیام کے فیصلے کو صدر نے قابلِ ستائش قرار دیا۔ انہوں نے ملک کے دور دراز علاقوں میں جدید ٹیکنالوجی پہنچانے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

وزیرِ خوراک وزراعت، ریئر ایڈمرل محمد فاضل جنجوعہ صاحب،

پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل کے چیئرمین، ڈاکٹر امیر محمد صاحب،

غیر ملکی مہمانانِ گرامی،

معزز ماہرینِ سائنس

اور

خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ گندم سے متعلق اس سالانہ قومی سیمینار میں شریک ہو کر میں دلی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ سیمینار میں حسب معمول پاکستان بھر کے قابلِ قدر اور دوسرے ممالک کے قابلِ احترام سائنس دان حصہ لے رہے ہیں۔ ایسے عظیم الشان سیمینار کا افتتاح میرے لئے بڑی خوشی اور عزت کا باعث ہے۔ میں اس مجلسِ مذاکرہ میں شامل ہونے والے تمام ملکی اور غیر ملکی مہمانوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

میرے لئے زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ پچھلے سال اسی مہینے گندم کی پیداوار بڑھانے کا جو منصوبہ تیار کیا گیا تھا، وہ بہت کامیاب رہا ہے۔ اس کامیابی میں ربِّ جلیل کے فضل وکرم، متعلقہ وفاقی وزارت اور صوبائی محکموں کی رہنمائی اور ہمارے کاشتکار بھائیوں کی محنت کا بہت زیادہ دخل ہے۔ اس محنت اور باہمی تعاون کا یہ کرشمہ ہے کہ پیداوار کی جو حدیں مقرر کی گئی تھیں، وہ نہ صرف حاصل کر لی گئی ہیں بلکہ پیداوار ان حدود سے تجاوز کر گئی ہے۔ اسی طرح اس سے پہلے سال کی منصوبہ بندی بھی کامیاب ہوئی تھی اور ملک مطلوبہ پیداوار کی حد سے کچھ آگے بڑھ گیا تھا۔ ان کامیابیوں پر میں خدائے بزرگ وبرتر کے شکر کے بعد آپ سب کو، خاص طور پر وطنِ عزیز کے کاشت کاروں کو دلی مبارکباد دیتا ہوں اور اس سلسلے میں تمام سائنس دانوں، زرعی محققوں اور ماہرینِ منصوبہ بندی کی کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ ان کی توجہ اور مناسب حکمتِ عملی سے ہم ان حوصلہ افزا نتائج تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔

جیسا کہ وزیرِ زراعت نے اپنی تقریر میں بتایا ہے کہ اس سال گندم کی پیداوار ایک کروڑ پونے نو لاکھ ٹن ہوئی ہے جو ہماری سالانہ ضرورت سے تقریباً تین لاکھ ٹن زیادہ ہے۔ گویا ہم فنی لحاظ سے، یا ٹیکنیکل طور پر گندم کے معاملے میں خودکفیل ہو گئے ہیں، لیکن عملاً صورت حال یہ ہے کہ ہمیں آڑے وقت کے لئے محفوظ ذخائر رکھنے کے لئے اس سال بھی چار لاکھ ٹن گندم درآمد کرنا پڑ رہی ہے۔ اگلی فصل میں پیداوار کا اندازہ ایک کروڑ تیرہ لاکھ ٹن اور ضروریات کا تخمینہ ایک کروڑ نو لاکھ ٹن لگایا گیا ہے۔ اگر موسمی حالات ٹھیک رہے اور اللہ تعالیٰ نے ہماری کوششوں کو اپنے فضل سے نوازا تو اگلے

سال بھی صورتِ حال حوصلہ افزا رہے گی، لیکن ممکن ہے کہ محفوظ ذخائر کے لئے کچھ گندم درآمد کرنی پڑے۔

اس مسئلے کا دوسرا اہم اور نسبتاً تشویشناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے ہاں قومی آبادی تقریباً ۳ فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے جب کہ قابل کاشت زمین میں کوئی اضافہ نہیں ہو رہا، بلکہ بعض علاقوں میں سیم اور تھور کی وجہ سے زرخیز زمین کے رقبے میں کمی آ رہی ہے۔ اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف زرخیز زمین کو سیم اور تھور سے بچایا جائے اور دوسری طرف جو زمین ہمیں دستیاب ہے اس کی شرح پیداوار میں اضافہ کیا جائے جو میرے خیال میں ناممکن کام نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ پچھلے سال اسی سیمینار میں زرعی تحقیقاتی کونسل کے چیئرمین، ڈاکٹر امیر محمد نے انکشاف کیا تھا کہ پاکستان میں ہر سال تین کروڑ چالیس لاکھ ٹن گندم پیدا کی جا سکتی ہے۔ گویا ہماری پیداواری صلاحیت اور اصل پیداوار میں تین اور ایک کا فرق ہے۔ اس فرق کو گھٹانے اور تین کروڑ چالیس لاکھ ٹن کی منزل تک بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ زرعی میدان میں جدید سائنسی معلومات اور ٹیکنیکل ایجادات سے استفادہ کیا جائے۔ خاص طور پر گندم کے متعلق تحقیقاتی کام کو قومی سطح پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل کو بہت مؤثر اور فعّال قیادت مہیّا کرنا ہو گی۔

ڈاکٹر صاحب نے آج کے کلیدی ایڈریس میں بہت سی مفید باتوں کی نشاندہی کی ہے۔ میں ان سے اتفاق کرتا ہوں کہ زرعی ریسرچ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا ہماری اہم قومی ضرورت ہے۔ سائنس دانوں کو تحقیقاتی مرکزوں

میں ریسرچ سے مفید نتائج حاصل کر کے انہیں اپنی نگرانی میں کچھ کاشت کاروں کے کھیتوں میں آزما کر دکھانا چاہیئے۔ پھر ان نتائج اور طریقوں کو تمام کاشت کاروں تک پہنچانا فیلڈ ورکروں کا کام ہے۔

اس ضرورت کے پیشِ نظر میرے دل میں ان زرعی سائنس دانوں کی بڑی قدر ہے جو انتہائی جذب وشوق سے اپنے اپنے شعبوں میں مصروفِ عمل ہیں حکومت انشاء اللہ ان کی ہر ممکن قدر افزائی کرتی رہے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض مالدار ملکوں میں ایسے افراد کے لئے پُرکشش شرائط ملازمت موجود ہیں۔ مگر میں ان افراد سے اپیل کروں گا کہ وہ اپنے غریب ملک کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ یقیناً ان کی خدمات ایک عظیم قومی خدمت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ہم اپنے وسائل کے مطابق انشاء اللہ جو کچھ کر سکتے ہیں کرتے رہیں گے اور اس سلسلے میں تمام تجاویز کو ترجیحی بنیادوں پر زیرِ غور لائیں گے۔

پیداوار بڑھانے کی ٹیکنالوجی سے تو اب بہت لوگ واقف ہیں۔ گندم کی صحیح اور صحت مند اقسام سے بھی کئی کاشت کار آشنا ہیں، لیکن جہاں ہم پیچھے رہ جاتے ہیں وہ ہماری کوششوں کو ان کے منطقی نتائج تک پہنچانے کا عمل ہے جس کے ذریعے ہم بڑے سے بڑے کاشتکار سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے کاشتکار کی صلاحیتوں اور بڑے سے بڑے قطعۂ اراضی سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے کھیت کی زرخیزی سے استفادہ کر سکیں۔

حاضرینِ گرامی! آپ کو معلوم ہے کہ حکومت اب بارانی علاقوں کی طرف بھی خصوصی توجہ دے رہی ہے کیونکہ ان علاقوں میں ایسے وسیع قطعاتِ اراضی موجود ہیں جنہیں ترقی دے کر اور آب پاشی کی سہولتیں فراہم کر کے ہم بہتر پیداوار

حاصل کر سکتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ حکومتِ پنجاب نے اس بارے میں بہت سے ایسے اقدامات کئے ہیں جن کے دُور رس نتائج ہوں گے۔ اس سلسلے میں بارانی زراعتی کالج اور تحقیقاتی مرکز کا قیام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

پیداوار بڑھانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جدید زرعی ٹیکنالوجی ملک کے تمام دُور افتادہ علاقوں تک پہنچائی جائے۔ شمالی علاقہ جات، چترال، گلگت وغیرہ میں بھی اس کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی پنجاب یا سندھ میں۔ وہاں گندم بھیجنے کی بجائے ہم گندم کا بیج اور کھاد بھیجیں تو بہتر ہے تاکہ گندم وہاں مقامی طور پر پیدا کی جا سکے۔ اس وقت مجھے ایک چینی مقولہ یاد آرہا ہے جس کا مطلب ہے کہ اگر آپ کسی کو کچھ مچھلیاں دیں گے تو اسے ایک یا دو دن کی خوراک مہیا ہو جائے گی، لیکن اگر آپ اسے مچھلیاں پکڑنے کی ترکیب بتا دیں گے تو آپ اسے عمر بھر کی خوراک مہیا کر دیں گے۔ چنانچہ دُور افتادہ علاقوں میں گندم بھیجنے کے ساتھ ساتھ بہتر پیداوار کی ٹیکنالوجی بھیجی جائے تو اس سے یقیناً مفید نفسیاتی اور مادی فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

حاضرینِ گرامی! اگرچہ یہ قومی سیمینار گندم کی تحقیق اور پیداوار سے متعلق ہے تاہم اس موقعے پر دوسری اجناس کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کیونکہ ملکی خوشحالی کا انحصار صرف گندم پر نہیں بلکہ زراعت کی مجموعی ترقی پر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ گندم کے ساتھ ساتھ ہماری کپاس اور چاول کی فصلیں بھی بہت اچھی ہو رہی ہیں، مگر گنّے اور روغنی اجناس کے معاملے میں ابھی ہم مطمئن نہیں ہیں۔ اس طرف زرعی سائنس دانوں کی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ وفاقی وزارتِ خوراک و زراعت، زرعی تحقیقاتی کونسل اور دوسرے زرعی اداروں کو اس پسماندہ شعبے کی دستگیری کرنی چاہیئے۔ اسی

طرح مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کی افزائش کے انتظامات کو بھی بہتر بنانا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ یہ تمام باتیں متعلقہ ماہرین اور محکموں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یاد رکھیئے، وقت کا بہاؤ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رُکتا۔ اس کا ساتھ دینے کے لئے ہمیں ہمہ وقت، ہمہ جہت کوشش سے کام لینا چاہیئے تاکہ آنے والے وقت کا مقابلہ کر سکیں۔ فرمانِ خداوندی ہے کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔ حقیقی اور بامقصد کوشش کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ہمارے سامنے کہیں بنجر اور بے آب زمین کے وسیع قطعات ہیں اور کہیں سیم اور تھور ہماری زرخیز زمینوں کو نگلتے جا رہے ہیں۔ کہیں سیلاب ہیں اور کہیں فصلوں کی وبائی آفات۔ میں اپنے زرعی سائنس دانوں اور تحقیق کے ماہروں سے توقع کروں گا کہ وہ مردانہ وار حالات کا مقابلہ کریں اور ان مسائل کے حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ حکومت ہر قدم پر ان کا ساتھ دے گی۔ اب تک انہوں نے گندم سمیت بہت سے شعبوں میں نمایاں کارگزاری دکھائی ہے۔ ہم دوسرے شعبوں میں بھی ان کی ایسی ہی کارگزاری کے منتظر ہیں۔

چند خاص مسائل جو میرے خیال میں فوری توجہ کے مستحق ہیں، یہ ہیں :

۱۔ ہمیں پانی کے ضیاع کو ممکن حد تک روکنا چاہیئے۔ آج کل آبپاشی کے نظام سے مہیا کردہ پانی کا بیشتر حصّہ کھیتوں تک پہنچنے سے قبل ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ کسانوں کے کھالوں اور کھیتوں میں بھی مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نہ صرف پانی ضائع ہوتا ہے بلکہ سیم اور تھور میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اصلاحِ آبپاشی کے جو منصوبے زیرِ عمل ہیں، انہیں جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ حکومتِ پنجاب نے اس

ضمن میں جو کریش پروگرام CRASH PROGRAMME شروع کیا ہے، وہ قابلِ ستائش ہے۔ اس کو تندہی سے جاری رکھنا چاہیئے۔ دوسرے صوبے بھی اس سکیم کو اپنا سکتے ہیں۔

۲۔ توسیعی کارگزاری یعنی EXTENSION SERVICE کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے تاکہ کسان بھائی کاشتکاری کے ترقی یافتہ طریقوں کو اپنا سکیں۔ اس ضمن میں جن سکیموں پر عمل ہو رہا ہے، انہیں بھی زیادہ وسیع اور مؤثر بنانے کی ضرورت ہے۔

۳۔ تیسرا اہم مسئلہ زرعی قرضہ جات کی فراہمی ہے۔ آج کل زیادہ پیداوار کا انحصار دیگر مادی وسائل کے علاوہ سرمایہ کی فراہمی پر بھی ہے۔ امدادِ باہمی کی انجمنوں اور بینکوں کے علاوہ کمرشل بینکوں کو بھی اس مد میں بھرپور کردار ادا کرنا چاہیئے۔

۴۔ چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ اسٹوریج کی سہولتوں کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے کیونکہ آج بھی ہم جو غلّہ پیدا کر رہے ہیں، اس کا ایک قیمتی حصّہ ضائع ہو جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ قومی سیمینار ان قومی مسائل پر بھی غور کرے گا۔

میں آخر میں پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل کو یہ سیمینار منعقد کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس سیمینار میں پہلے کی طرح ایک جامع اور قابلِ عمل حکمتِ عملی وضع کی جائے گی اور گزشتہ سال کی طرح کونسل سفارشات مرتب کر کے گندم کی بھرپور مہم چلانے میں متعلقہ اداروں سے تعاون کرے گی اور وزارت خوراک و زراعت اور صوبائی حکومتیں گندم کی پیداوار بڑھانے کے لئے تمام وسائل کو مؤثر طور پر استعمال میں لانے کے انتظامات کریں گی۔ خدا آپ سب

کی مساعی کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور پاکستان کو دیگر شعبوں کی طرح زرعی محاذ پر بھی کامیابی عطا فرمائے۔ آمین!

پاکستان پائندہ باد

سفینۂ شمس کی روانگی کے موقع پر خطاب

کراچی : ۱۱ستمبر، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۱ستمبر، ۱۹۸۰ء کو سفینۂ شمس سے روانہ ہونے والے عازمینِ حج کو الوداع کہا اور اس موقع پر مبارک سفر پر روانہ ہونے والوں سے خطاب کیا۔

صدر نے حج کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ حج کی سعادت حاصل کرتے ہیں ان کا کردار دوسروں کے لئے مثالی اور قابلِ تقلید ہونا چاہیئے۔ عازمینِ سفرِ حجاز جب چند ہفتوں کے بعد پاک سرزمین پر دوبارہ قدم رکھیں تو ان کے قلب و ذہن میں ایک انقلابی تبدیلی آنی چاہیئے جس سے نیکی اور تقویٰ کو فروغ ملے۔

صدر نے کہا کہ اس سال تقریباً چالیس ہزار پاکستانی فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جا رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہاں قیام کے دوران وطنِ عزیز کے سفیر کی حیثیت سے نمائندگی کریں۔ آخر میں صدر نے

عازمینِ حج کو بیت اللہ میں پاکستان کی سلامتی اور خوشحالی کے لئے دعا کرنے کے لئے کہا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین

حج پر روانہ ہونے والے خوش قسمت بہنو اور بھائیو!

السلام علیکم۔ آج کا دن آپ کے لئے اور خود میرے لئے بڑی سعادتوں کا دن ہے۔ آپ کے لئے بڑی خوشی کا مقام ہے کہ آج آپ اس سفر پر روانہ ہو رہے ہیں جس کی ہر مسلمان کو زندگی بھر تمنا رہتی ہے اور میری خوش قسمتی یہ ہے کہ مجھے اس مبارک سفر پر روانہ ہونے والوں کو الوداع کہنے کی سعادت ملی ہے۔ میں ہر سال یہ شرف حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ پچھلے سالوں کی طرح اس مرتبہ بھی اس نے "سفینۂ شمس" سے روانہ ہونے والے عازمینِ حج کو الوداع کہنے اور ان سے مخاطب ہونے کا موقع دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ آپ کا یہ سفر مبارک کرے اور آپ بخیریت یہ فریضہ ادا کر کے اپنے ملک تشریف لائیں۔

حج صاحبِ حیثیت مسلمان پر فرض ہے اور بہت سے لوگ زندگی بھر اس

فرض کی ادائیگی کے لئے کوشاں رہتے ہیں لیکن یہ سعادت صرف کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے اور میرے خیال میں یہ سعادت صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظرِ کرم ہوتی ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں اکثر لوگوں کو دیکھا ہوگا جن کے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہوتا ہے۔ وہ بہت مالدار اور صاحبِ ثروت ہوتے ہیں، وہ دنیا کے مختلف ممالک کی سیر بھی کر آتے ہیں، لیکن انہیں خانۂ خدا پر حاضری دینے کی سعادت نصیب نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس آپ نے بہت سے ایسے لوگ بھی دیکھے ہوں گے جو شروع سے ہی حج کے لئے اپنی حلال کی کمائی سے پیسہ پیسہ جمع کرنے لگتے ہیں اور اس سعادت سے مشرف ہونے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ سعادت بالآخر صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے۔ آپ اس عنایت پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

مجھے آپ کو یہ تلقین کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ جس سفر پر روانہ ہو رہے ہیں اس کے تقاضے کیا ہیں۔ مجھے اُمید ہے اس بارے میں آپ نے کچھ ذاتی کوششوں سے اور کچھ سرکاری رہنمائی سے ضروری معلومات حاصل کر لی ہوں گی۔ میں آپ کی خدمت میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس سفر کے دوران، قیامِ مکّہ کے دوران، مناسک حج کی ادائیگی کے دوران اور پھر مدینہ منوّرہ میں قیام کے دوران آپ کے پیشِ نظر صرف اور صرف ایک مقصد ہونا چاہیئے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی رضا۔ اس عرصے میں خاص طور پر آپ کا دل اور آپ کا دماغ دنیاوی کثافتوں سے حتیّ الامکان پاک رہنا چاہیئے۔ آپ کو صدقِ دل سے حقوق اُللہ اور حقوق العباد پر توجہ دینی چاہیئے۔ گویا اس مختصر عرصے میں آپ

کے قلب و ذہن میں ایک ایسا انقلاب آنا چاہیئے کہ جب آپ چند ہفتوں کے بعد اس سرزمین پر دوبارہ قدم رکھیں تو آپ کے اقوال، آپ کے اطوار اور آپ کے اعمال پہلے سے کہیں بہتر ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانانِ پاکستان میں سے جو ہزاروں لوگ ہر سال حج کی سعادت حاصل کرتے ہیں، ان کا کردار مثالی اور قابلِ تقلید ہونا چاہیئے۔ ان کو دیکھ کر دوسروں میں اصلاح کی ترغیب پیدا ہونی چاہیئے اور ان کی مجلس سے نیکی اور تقویٰ کو فروغ ملنا چاہیئے، لیکن یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہے جب آپ اس سفرِ حجاز کی بدولت اپنے اندر ایک نمایاں تبدیلی پیدا کریں۔

ہمارے ہاں حج پر روانہ ہونے والے خواتین و حضرات میں زیادہ تر تعداد ناخواندہ افراد کی ہوتی ہے۔ عربی تو درکنار انہیں مادری زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں آتی۔ ان میں سے اکثر و بیشتر لوگ کسی غیر ملکی سفر کے تقاضوں سے آگاہ نہیں ہوتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کئی عازمینِ حج ایسے ہوتے ہیں جو جسمانی لحاظ سے دوسروں کے سہارے کے محتاج ہوتے ہیں۔ ان مشکلوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے وزارتِ مذہبی امور نے اس دفعہ خصوصی اقدامات کئے ہیں۔ پاکستانی اور سعودی حکام سے رابطے اور معلّمین کے تقرر کے علاوہ اس مرتبہ خاصی تعداد میں ویلفیئر آفیسر بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ یہ افسر حتی الامکان آپ کی مدد کریں گے۔ میں نے انہیں بطورِ خاص ہدایت کی ہے کہ وہ آپ کی سہولت اور رہنمائی کا خاص خیال رکھیں۔ آپ کے لئے رہائش اور ٹرانسپورٹ کی سہولتوں کا بندوبست کرنے کے علاوہ متعلقہ حکام کے ساتھ رابطے کا کام بھی کریں اور جہاں جہاں جس طرح کی مدد کی ضرورت ہو اپنی صلاحیتوں اور وسائل کے مطابق مہیا کریں تاکہ آپ بیت اللہ

منیٰ ، عرفات اور مزدلفہ میں بہتر طریقے سے مناسکِ حج ادا کرسکیں۔

متعلقہ حکام اور ویلفیئر افسروں کی پوری کوشش کے باوجود آپ کو بعض تکالیف پیش آسکتی ہیں کیونکہ جب ایک محدود جگہ میں دنیا بھر سے لاکھوں انسان جمع ہوں تو ان سب کی ضرورتوں کو پورا کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ کسی کو رہائش کی تکلیف ہوسکتی ہے اور کسی کو ٹرانسپورٹ کی۔ کسی کو خوراک کی شکایت ہوسکتی ہے اور کسی کو کسی کے رویّے کی۔

میری آپ سے یہ گزارش ہے کہ جب بھی کوئی ایسی مشکل پیش آئے تو صبر سے کام لیجئے۔ مشکلات کا سامنا ایک اچھے مسلمان کی طرح تحمّل اور وسعتِ قلب سے کیجئے۔ جہاں تک ممکن ہو (غیر ملکیوں کے سامنے) حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیے، کیونکہ آپ وہاں اچھی خوراک کھانے کے لئے نہیں جارہے ہے، آپ وہاں اچھی رہائش کے مزے لوٹنے نہیں جارہے ہے، آپ وہاں اچھی سواری کی سیر کرنے نہیں جارہے ہے۔ آپ وہاں ایک اعلیٰ ترین اور ارفع ترین مقصد کے لئے جارہے ہیں جس کے حصول میں اگر دنیاوی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں تو میرے خیال میں یہ بھی ایک طرح کی عبادت ہوگی۔

حکومت کو اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ سعودی عرب میں مکانوں کے کرائے زیادہ ہیں، ٹرانسپورٹ کی سہولتیں کم ہیں، مہنگائی کمر توڑ ہے لہٰذا ہم نے ملکی زرمبادلہ پر بھاری دباؤ کے باوجود اس مرتبہ آپ کے زرمبادلہ کے کوٹے میں اضافہ کردیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بحری سفر کرنے والوں کی مدتِ قیام میں کمی کردی گئی ہے تاکہ اخراجات اور دستیاب وسائل میں فرق کو کم کیا سکے۔ اب جو زرمبادلہ آپ کو دیا گیا ہے اسے اگر دیانتداری اور کفایت شعاری کے ساتھ رہائش،

خوراک، لباس، کرایہ اور دیگر جائز مدّوں پر خرچ کیا جائے تو میرے خیال میں تمام ضروریات بآسانی پوری ہو سکتی ہیں۔

جونہی آپ سعودی عرب کی مبارک سرزمین پر قدم رکھیں تو آپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ آپ صرف ایک مسلمان اور ایک حاجی ہی نہیں بلکہ پاکستانی بھی ہیں۔ آپ عالمِ اسلام کے اس عظیم الشان اجتماع میں اپنے وطن عزیز کے سفیر اور اپنی قوم کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہو رہے ہیں۔ ملک کا وقار اور ملک کی عزت آپ کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اپنے ساتھیوں اور غیر ملکی مسلمانوں کے ساتھ آپ کا روّیہ نہایت برادرانہ اور حلیمانہ ہونا چاہیئے۔ آپ کی زبان اور آپ کے عمل سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہیئے۔ اس کے علاوہ آپ کا رہن سہن اور آپ کا لباس ایسا ہونا چاہیئے جس سے صحیح طور پر اسلامی اور ملّی اقدار کی نمائندگی ہوتی ہو۔ خواتین سے خاص طور پر میری درخواست ہے کہ وہ جب بھی اپنی رہائش گاہ سے باہر نکلیں تو ایسا لباس زیبِ تن کریں جو نہ صرف مسلمان خواتین کے شایانِ شان ہو، بلکہ پاکستانی ہونے کے لحاظ سے ان کی شناخت میں بھی معاون ہو۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے لباس اور کردار کے لحاظ سے ایک اچھے پاکستانی اور ایک اچھے مسلمان ثابت ہوں گے۔

آپ نے حج کی عبادات سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر لی ہو گی، لیکن آپ آئندہ چھ سات دنوں میں اُن علمائے کرام کے علم سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں جو اس سفر میں آپ کے ساتھ ہیں۔ مسائلِ حج اور مناسکِ حج کے متعلق آپ کی معلومات جتنی تفصیلی اور مکمل ہوں گی، اُتنا ہی بہتر طریقہ پر آپ حج کر سکیں گے۔ اس سفر کے دوران آپ کی توجہ حج اور عبادت پر مرکوز رہنی چاہیئے تاکہ جونہی آپ

سعودی عرب پہنچیں تو آپ ذہنی اور روحانی طور پر فریضۂ حج کے لئے ہر طرح سے تیار ہوں۔

ہمارے ہاں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ جب کوئی حاجی وطن واپس آتا ہے تو لوگ اس سے نیک تمناؤں اور بابرکت دعاؤں کے علاوہ تحائف کی بھی توقع رکھتے ہیں۔ یہ روایت بہت اچھی ہے اور اسے قائم رہنا چاہیئے۔ لہٰذا بے شک آپ وطن واپسی سے پہلے اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں کے لئے تحائف خریدیں۔ یہ تحفہ ایک تسبیح کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور ایک مصلّے کی شکل میں بھی۔ یہ تحفہ چند کھجوروں کا انداز بھی اختیار کر سکتا ہے اور ایک یادگار ٹوپی کا بھی۔ ضروری نہیں کہ آپ تحفے کے بہانے ٹیپ ریکارڈ، ٹیلی ویژن یا کپڑوں کے تھان خریدیں۔ اشیائے ضرورت یا تحائف خریدتے وقت اپنی جیب اور متعلقہ قوانین کا بھی خیال بھی رکھیں اور ہرگز کوئی ایسی چیز نہ خریدیں جس کے لئے یا تو آپ کو ناجائز ذرائع سے پیسہ اکٹھا کرنا پڑے یا اس کو ملک میں لانے کے لئے غیر قانونی اقدامات کا سہارا لینا پڑے۔

اس سال تقریبًا چالیس ہزار پاکستانی فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جا رہے ہیں جن میں سے تقریبًا بارہ سو عازمینِ حج اس جہاز پر سوار ہیں۔ میں آپ سب سے درخواست کروں گا کہ جب آپ مقاماتِ مقدسہ پر پہنچیں تو وہاں اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے علاوہ پاکستان کی سلامتی اور خوشحالی کے لئے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں کہ وہ ہمیں سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ ہمیں نفاذِ شریعت کے کام کو آگے بڑھانے اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت عطا فرمائے۔ وہ پاکستان کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے ناپاک عزائم سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں میں

برکت دے۔ آمین!

آخر میں میں ایک بار پھر اس باسعادت سفر پر روانہ ہونے پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس سفر کو کامیاب بنائے۔ آپ حج کی برکتوں سے پوری طرح فیض یاب ہوں اور پہلے سے بہتر مسلمان اور بہتر پاکستانی کی حیثیت سے بخیر و عافیت دوبارہ پاکستان تشریف لائیں۔

پاکستان پائندہ باد

گورنر ہاؤس کراچی میں مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں سے خطاب

کراچی: ۱۱ستمبر، ۱۹۸۰ء

۱۱ستمبر، ۱۹۸۰ء کو صدرِ مملکت نے گورنر ہاؤس کراچی میں مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں سے خطاب کیا۔

نظامِ زکوٰۃ کی افادیت کا ذکر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ یہ معاشرے کا انتہائی اہم پہلو ہے۔ اس کے ذریعے ایک شخص اپنے غریب ضرورت مند بھائی، بیوہ، یتیم اور معذور کی مدد اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے۔ پاکستان میں اس نظام کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ضرورت مندوں کی فلاح و بہبود کے لئے راہیں ہموار ہوں۔

صدر نے کہا کہ اس نظام کے تحت ہمیں ایسے ادارے بنانے چاہئیں جو غربا کی مالی حالت کو بہتر بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوں اور معاشرے کی حالت بہتر بنانے میں مدد مل سکے۔ صدر نے مزید کہا کہ اس سلسلے میں مثبت تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

گورنر صوبۂ سندھ ، جنرل عباسی صاحب ،

صوبۂ سندھ کی زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین و ممبران ،

جناب ارشد صاحب ، چیئرمین ڈسٹرکٹ ایسٹ زکوٰۃ کمیٹی ،

مولانا عبدالستار صاحب ، چیئرمین ڈسٹرکٹ ساؤتھ زکوٰۃ کمیٹی ،

ڈاکٹر محمد شفیع صاحب ، چیئرمین ڈسٹرکٹ ویسٹ زکوٰۃ کمیٹی ،

معزز حاضرین !

السلام علیکم ۔ میں آپ سے یہ کہنے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ جہاں کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے ، جہاں کراچی اُن بڑے شہروں میں سے ایک ہے جن کے بعض بڑے بڑے مسائل ہیں ، وہاں یہ بات بھی بڑی خوش آئند ہے کہ اس شہر میں زکوٰۃ کا انتظام نہایت عمدہ ہے ۔ مجھے یہ کہنے میں بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ جب سے زکوٰۃ آرڈی ننس ORDINANCE نافذ ہوا ہے ، یہاں اس

سلسلے میں کام کی رفتار نمایاں رہی ہے۔ میں نے پاکستان کے تمام علاقوں میں، جگہ جگہ اور کونے کونے میں جا کر بعض زکوٰۃ کمیٹیوں سے خطاب کیا ہے اور ان کی کارکردگی ملاحظہ کی ہے۔ میں آپ سے صحیح کہتا ہوں، اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ جس طریقے سے کراچی کی زکوٰۃ کمیٹی آرگنائز ORGANISE کی گئی ہے، اس کا انتظام کیا گیا ہے اور جس خوش اسلوبی سے یہاں زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین، ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمین، زکوٰۃ کمیٹیوں کے باقی ممبران اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں، وہ لائقِ تحسین ہے۔ صوبائی حکومت کی طرف سے بھی انہیں رہنمائی ملی ہے اور انتظامیہ نے بھی ان سے بھرپور تعاون کیا ہے جو بڑی حوصلہ افزا بات ہے۔ میں نہ صرف ان کی کارکردگی کا اعتراف کرتا ہوں بلکہ اسے قابلِ تحسین سمجھتا ہوں۔

جو کچھ ابھی میں نے سُنا ہے یا معلوم کیا ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں آپ کو زیادہ بتانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی میں لمبی تقریر کر کے آپ کا زیادہ وقت لینا چاہتا ہوں۔ آپ اس بارے میں واقفیت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں جو خاص خاص مسائل ہیں، آپ کو ان کا علم ہے۔ تاہم میں جہاں بھی جاتا ہوں وہاں دو چار چیزوں کی وضاحت ضرور کرتا ہوں اور آپ کو اس کا علم ہے۔ اس موقع اور آپ کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس امر کی طرف ایک مرتبہ پھر نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ مولانا عبدالستار صاحب نے کہا ہے، میرا بھی یہی ایمان ہے کہ اسلام کے کئی پہلو ہیں۔ اس میں سزا کا پہلو ہے۔ اس میں معاشرے کی تطہیر کا پہلو شامل ہے۔ اس میں تعلیمی پہلو شامل ہے، دینی پہلو شامل ہے، روحانی پہلو شامل ہے۔ لیکن جہاں تک فلاحی پہلو کا تعلق ہے، وہ آپ کو صرف نظامِ

زکوٰۃ میں ملے گا۔ اب تک اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان میں جو قوانین نافذ کئے گئے ہیں، ان پر مغربی ممالک اور دیگر ممالک نے نکتہ چینی کی ہے کیونکہ ان کا کام ہی صرف اسلام پر نکتہ چینی کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جناب یہ اسلام ہے کہ کسی کا ہاتھ کاٹ دو، کسی کو سنگسار کر دو، کسی کو کوڑے مار دو۔ اسلام میں فلاحی پہلو کیا ہے؟ ان کی خدمت میں میرا جواب یہ ہے کہ اگر فلاحی پہلو دیکھنا ہو تو وہ ان علاقوں میں جائیں جہاں یہ نظام مکمل طور پر نافذ ہے۔ جہاں پر زکوٰۃ کے نظام کی اہمیت ہے۔ پاکستان اسلام کا قلعہ صرف نام کا نہیں بلکہ فلاحی پہلو کے لحاظ سے بھی یہ واقعی اسلام کا قلعہ ہے۔ میرے خیال میں پاکستان میں اس نظام کو مستحکم کرنے کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ اسلام کے باقی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نماز پڑھائیے، خود بھی پڑھیئے۔ اس میں روحانی پہلو ہے۔ اس سے روحانی تطہیر ہو گی، سکون و اطمینان حاصل ہو گا۔ اس سے انسان کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم ہو گا۔ انسان اپنا فرض ادا کرے گا۔ اس فلاح کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس بندے کے سوا کسی تیسرے شخص کے ساتھ نہیں ہے اور اس طرح وہ اپنی فلاح و بہبود کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے۔ اس کا یہ عمل کسی دوسرے شخص کے لیے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لیے ہے اور سوائے اللہ کے کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے نماز کس طریقے سے پڑھی۔ آپ روزے کو لے لیجئے، اس کا علم اللہ کو ہے یا روزے دار کو۔ کسی اور کو اس بارے میں کوئی علم نہیں کہ آیا آپ نے روزہ رکھا ہے یا نہیں اور اگر رکھا ہے تو کس نیت سے۔

زکوٰۃ ایک ایسا عمل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے غریب بھائی کی، اپنے معذور بھائی کی، بیوہ کی، یتیم کی جن کو مدد کی ضرورت ہے، اللہ کی رضا کے لیے مدد کر رہا ہے۔ یہ معاشرے کا بہت ہی اہم پہلو ہے۔ اس وجہ

سے ہم نے زکوٰۃ کا جو موجودہ نظام وضع کیا ہے، وہ کافی غور وخوض کے بعد اور گذشتہ تجربے اور ماضی کی تاریخ کی روشنی میں کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان میں ۱۹۵۰ء میں زکوٰۃ کے نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ایک کوشش کی گئی تھی، ایک تجربہ کیا گیا تھا لیکن جیسا کہ آپ کو علم ہے، اس سلسلے میں آپ نے میری زبانی سُنا ہوگا یا پڑھا ہوگا اور میں نے کئی مرتبہ دُہرایا بھی ہے کہ اس زکوٰۃ کمیٹی کا یا آرڈی ننس ORDINANCE کا یا زکوٰۃ کی کوشش کا یہ حشر ہوا کہ پورے پاکستان میں صرف ڈیڑھ ہزار روپے اس مد میں جمع ہوئے تھے کیونکہ اس وقت اس نظام کو اختیاری VOLUNTARY طور پر اپنایا گیا تھا۔ اس کے بعد نہ تو کوئی اور زکوٰۃ کمیٹی بنی نہ ہی اس سلسلے میں کوئی ذکر سُننے میں آیا۔

آپ نے ڈنڈوت گاؤں کا نام سُنا ہوگا۔ یہ پنجاب میں ہے۔ یہاں گذشتہ پچیس، تیس سال سے زکوٰۃ کا نظام قائم ہے اور یہاں کے لوگ از خود اسے چلا رہے ہیں۔ آپ نے کراچی میں بعض مخیّر اداروں اور حضرات کے بارے میں، ان کی کارکردگی کے متعلق سُنا ہوگا۔ آپ نے مولانا عبدالستار صاحب کی تعریف سُنی ہوگی۔ وہ اور ان کی اہلیہ، دونوں مل کر ایک فلاحی ادارہ WELFARE HOME چلا رہے ہیں جس میں چار سو سے زیادہ لوگوں کی کفالت کا انتظام ہے اور جہاں ان کی ہر طرح سے مدد کی جاتی ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ اللہ کے بے شمار بندے ایسے ہیں جو اپنے نادار بھائیوں کی مدد کر رہے ہیں۔ ان تمام چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے ہم نے سوچا کہ اگر اس نظام کو اختیاری طور پر چلایا گیا تو پھر یہ کامیاب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ زکوٰۃ کس طریقے سے لوگوں سے لی جاتی ہے۔ زکوٰۃ دینے سے کوئی منکر نہیں۔ میں نے آج تک کسی شخص

سے یہ نہیں سُنا کہ زکوٰۃ میں بہتری نہیں ہے۔ سبھی اس کے قائل ہیں۔ زکوٰۃ کا منکر کوئی نہیں ہے لیکن زکوٰۃ پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ جس طرح نماز پڑھنے والے بہت کم ہیں جس طرح نماز پڑھنے والے آپ کو اتنے مسلمان نہیں ملیں گے جتنے ہونے چاہئیں، اسی طرح زکوٰۃ دینے والے بھی اتنے نہیں ملیں گے جتنے ہونے چاہئیں۔ نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی ان لوگوں پر فرض ہے جو صاحبِ نصاب ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج اللہ کے فضل و کرم سے مسجدیں آباد ہوگئی ہیں۔ نمازیوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ لوگ روزہ رکھنے لگے ہیں۔ رمضان کا احترام کیا جا رہا ہے یہ بڑی حوصلہ افزا بات ہے اور اسی بات پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اب اگر ہم نماز پڑھ رہے ہیں، روزہ رکھ رہے ہیں تو اپنا فرض ادا کر رہے ہیں کسی پر احسان نہیں کر رہے۔ پاکستان کے آٹھ کروڑ عوام جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ان پر فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ کے نظام کو کامیاب بنائیں میں اس چیز کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ابھی چونکہ یہ نظام اپنے ابتدائی مراحل میں ہے، اس لیے اس کی راہ میں کچھ مشکلات ہیں، کچھ دشواریاں حائل ہیں۔ فقہی لحاظ سے اس پر بعض اعتراضات کئے گئے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اسے رضا کارانہ طور پر اپنایا جائے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس سے اُمت کو متحد کرنے میں مدد ملے گی اور اسے تقسیم ہونے سے بچایا جا سکے گا۔ بہرحال، زکوٰۃ کی کٹوتی کے طریقۂ کار کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ اسے مزید بہتر بنایا جا سکے۔ اس سلسلے میں جو بھی فیصلہ ہو گا اس کی اطلاع آپ حضرات تک پہنچ جائے گی۔ لیکن مجھے پختہ یقین ہے بلکہ میرا یہ ایمان ہے کہ اس نظام کی پذیرائی ہو گی اور اسے

مستحکم کیا جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں غربت ہے ولیکن یہاں اللہ کے فضل و کرم سے ایسے بے شمار مخیّر حضرات بھی ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو پورے ایک ایک شہر کی کفالت کی ذمّہ داری اُٹھا سکتے ہیں اور ان میں سے بعض بعض حضرات ایسا کر بھی رہے ہیں، جیسا کہ ابھی آپ نے ارشد صاحب کی زبانی سُنا کہ ایک صاحب نے صرف ایک دفعہ کہنے پر پچاس ہزار روپے زکوٰۃ کے لیے دیئے اور پھر یہ بھی تاکید کی کہ ان کا نام پوشیدہ رکھا جائے۔

آج کل جب کہ پندرہویں صدی کا آغاز ہونے والا ہے اور چودہویں صدی ختم ہونے کو ہے، اسلام کے مختلف پہلوؤں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہم ۱۹۸۰ء میں رہ رہے ہیں لیکن اللہ کا فضل ہے کہ لوگ اسلام کی طرف لوٹ رہے ہیں لیکن یہ جو پیٹ کا معاملہ ہے، غربت کا معاملہ ہے، اس مسئلے کو بھی ہمیں اسلام کے دائرے میں رہ کر حل کرنا ہوگا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اسلام میں سوائے غربت کے اور غریبوں پر ظلم و تشدد کے اور کچھ نہیں ہے۔ غربت کے خاتمے کے لیے مولانا عبدالستار صاحب نے جو تجویز پیش کی ہے میں اس سے کلّی طور پر اتفاق کرتا ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اس نظامِ زکوٰۃ کو صحیح معنوں میں نہ صرف مستحکم بنایا جائے بلکہ ہر لحاظ سے کامیاب بھی بنایا جائے۔

چونکہ یہ نظام پہلی مرتبہ نافذ ہوا ہے، اس لیے اس میں بعض خامیاں بھی ہیں۔ کچھ کی میں نے نشاندہی بھی کی ہے، بعض کا ہم جائزہ لے رہے ہیں۔ جتنی سفارشات اس وقت تک ہمیں موصول ہوئی ہیں، ہم انشاء اللہ ان پر غور کریں گے اور زکوٰۃ آرڈی ننس میں ان کی روشنی میں ترامیم کی جائیں گی۔ لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ جناب ضیاء الحق صاحب نے ایک ہزار روپے پر زکوٰۃ کاٹ لی ہے۔ لوگوں

نے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا ہے۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف باتیں کی ہیں اوران میں سے بعض اپنے کو علمائے دین بھی کہتے ہیں۔ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ضیاء الحق صاحب دینِ الٰہی لانا چاہتے ہیں۔ ان کا اعتراض ہے کہ ایک ہزار روپے والوں کوکس رُو سے صاحبِ نصاب قرار دیا گیا ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ ہم نے کبھی یہ اعلان نہیں کیا کہ صاحبِ نصاب وہ ہے جس کے بنک اکاؤنٹ میں ایک ہزار روپے یا فکسڈ ڈپازٹ FIXED DEPOSIT کے طور پر اتنی رقم اس میں جمع ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔ ہاں، ہم نے چاندی کو نصاب بتایا ہے۔ چاندی کے نصاب کا مطلب بتایا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر رقم موجود ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور وہ زکوٰۃ دینے کا پابند ہے۔ مستحقین کو ان کا حق دلانا ہم سب کا فرض ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جو زکوٰۃ دینے کے اہل ہیں ان سے زکوٰۃ وصول کی جائے اور پھر اسے مستحقین میں تقسیم کیا جائے۔ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت آجکل کے حساب سے چھبیس سو روپے بنتی ہے۔ اب لوگ یہ کہتے ہیں کہ جناب آپ نے ساڑھے باون تولے چاندی کو نصاب کیوں بنایا ہے، سونے کو کیوں نہیں بنایا؟ ساڑھے سات تولے سونے کا معیار رکھیئے جس کی قیمت پندرہ ہزار روپے بنتی ہے اور اس رقم پر زکوٰۃ کاٹیئے۔ بعض بعض جگہوں پر غلطیاں بھی ہوئی ہیں، کچھ خامیاں بھی رہ گئی ہیں۔ اسی بنا پر بعض مالی لحاظ سے کمزور فلاحی اداروں کی جمع شدہ رقوم پر زکوٰۃ کی کٹوتی ہوگئی۔ کہیں کہیں غرباء کے پیسے بھی کٹ گئے ہیں۔ بیوگان کی رقم پر بھی زکوٰۃ کاٹ لی گئی۔ لیکن اس سلسلے میں ایک مثال بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس ایک صاحب آئے اور انہوں نے مجھ سے

کہا کہ جناب ایک بیوہ تھی۔ اس کے پندرہ سو روپے جمع تھے۔ آپ نے ان پر بھی ڈھائی فیصد کاٹ لیا۔ میں نے کہا جناب یہ بتایئے کہ وہ بیوہ کس قسم کی ہے۔ کیا وہ زکوٰۃ کی مستحق ہے۔ جواباً انہوں نے کہا کہ ہاں وہ اس کی مستحق ہے۔ پھر میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور آپ کو وفاقی حکومت کی طرف سے جو آٹھ ہزار، چھ ہزار یا پانچ ہزار زکوٰۃ کی تقسیم کے سلسلے میں ملیں گے تو اس رقم میں سے اس بیوہ کو پندرہ سو روپے زکوٰۃ دے دیجئے۔ اب پندرہ سو روپے پر ڈھائی فیصد کے حساب سے اس کے جو چھتیس، سنتیس روپے کٹے ہیں تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ وہ گھاٹے میں نہیں رہی۔ اُسے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس نظام سے فائدہ پہنچا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس سلسلے میں بعض غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ آپ نے میری زبانی یہ بھی سُنا ہوگا، میں نے علماء کانفرنس میں بھی اس کا ذکر کیا تھا کہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جناب ہمارا مدرسہ ہے اور آپ نے مدرسے کی رقم پر بھی زکوٰۃ کاٹ لی۔ میں نے اسی وقت احکامات جاری کئے کہ ان کے مدرسے کی جتنی بھی رقم کٹی ہے، واپس کردی جائے۔ رقم واپس کردی گئی لیکن پتہ یہ چلا کہ جو سرپرستِ مدرسہ تھے انہوں نے بنک میں مدرسے کے نام پر جو اکاؤنٹ کھولا تھا اس میں ان کی اپنی رقم تو ڈیڑھ لاکھ روپے تھی جب کہ مدرسے کی رقم صرف ڈیڑھ ہزار روپیہ تھی اور جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ مدرسے کے اکاؤنٹ میں اس لیے انہوں نے اپنی رقم جمع کر رکھی ہے تاکہ اس پر زکوٰۃ یا انکم ٹیکس کی کٹوتی نہ ہو۔ ان کی رقم بھی ہم نے واپس کردی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ خامیاں بھی ہیں کیونکہ یہ انسان کا بنایا ہوا قانون ہے۔ نظامِ زکوٰۃ آرڈی ننس کا مسودہ میں

نے یا آپ نے نہیں بلکہ ہمارے بعض PROFESSIONALS نے تیار کیا ہے۔ اس میں جو خامیاں ہیں، انہیں دُور کیا جائے گا۔ لیکن اگر آپ یہ چاہتے ہیں یا کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ کوئی ایسا آرڈی ننس جاری ہو جائے کہ جس میں کوئی خامی نہ ہو تو یہ ناممکن بات ہے۔

کچھ لوگوں نے یہ بھی اعتراض کیا کہ جناب، ایک سال سے کم عرصے تک جو رقوم بنکوں میں جمع رہیں، ان پر آپ نے زکوٰۃ کس طرح کاٹ لی؟ ایک سال پورا ہونا چاہیئے تھا۔ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ایک شخص کا ایک ہزار روپیہ سال بھر جمع رہا؟ تو میں نے ان سے سوال کیا کہ حضور! آپ یہ بتائیے کہ زکوٰۃ کٹتی ہے یا نہیں کٹتی؟ کب کٹنی چاہیئے؟ کبھی نہ کبھی تو زکوٰۃ کٹنی ہے۔ کسی نہ کسی مہینے میں اور کچھ عرصے بعد! اگر آپ زکوٰۃ کے جبری پہلو سے متفق ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ حکومت ڈھائی فی صد کے حساب سے کاٹے تو پھر یہ بتائیے کہ کون سی تاریخ کو زکوٰۃ کاٹی جائے۔ یکم محرم کو یا، ۲، ربیع الاوّل کو؟ کب اور کس وقت وضع کی جائے اور کس طرح اس کا تعین کیا جائے۔ ہمارے یہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو زکوٰۃ کی کٹوتی کی تاریخ سے پہلے بنکوں سے اپنی پوری رقم نکالنے کے لیے تیار ہیں تاکہ کٹوتی سے بچ جائیں۔ مجھ سے یہ بھی لوگوں نے کہا کہ جناب، اگر آپ نے رقم کاٹ لی تو اگلے سال سب پیسے بنکوں سے نکال لئے جائیں گے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ نکال لینے دیں، اللہ مالک ہے، لیکن میں یہ بھی دیکھوں گا کہ ایسے لوگ پیسے لے کر کہاں جاتے ہیں یعنی بڑے بڑے پیسے والے لوگ۔ میں کسی کا نام لینا نہیں چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست پر لائے۔ انہوں نے یہ بھی پروپیگنڈہ PROPAGANDA کیا کہ اصل اور سود دونوں پر زکوٰۃ کاٹ لی گئی ہے، لہٰذا جو زکوٰۃ کاٹی گئی ہے،

وہ حرام ہے۔ لوگوں کو ورغلایا گیا کہ زکوٰۃ مت دو ۔کمیٹیوں میں مت شامل ہو۔حالانکہ یہ سراسر غلط اور بے بنیاد الزام ہے۔ ہم نے جو زکوٰۃ کاٹی ہے، وہ اصل رقم پر کاٹی ہے، سود پر نہیں کاٹی۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ سود لینے کے لیے تو سب تیار ہیں، لیکن ڈھائی فی صد زکوٰۃ دینے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کی کمزوری ہے اور ہمیں اس کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔

مجھے یہ سُن کر بڑی خوشی ہوئی کہ جناب ارشد صاحب، مولانا ستار صاحب، اور ڈاکٹر شفیع صاحب نے بہت سی چیزوں کی طرف نشاندہی کی ہے اور گورنر صاحب نے مجھے ابھی بتایا ہے کہ ڈاکٹر شفیع صاحب نے جو تجاویز پیش کی ہیں، ان میں سے زیادہ تر انہوں نے پہلے ہی مان لی ہیں اور ان پر عمل درآمد کے احکامات بھی جاری کئے گئے ہیں، ماسوائے ایک تجویز کے جس سے کہ مجھے اتفاق نہیں اور نہ ہی گورنر صاحب کو ہے۔ وہ یہ کہ زکوٰۃ کمیٹی کا حلقۂ کار وسیع کرنا مفید ہو گا ہم نے جو حلقۂ کار متعین کیا ہے، وہ شہری علاقے میں وارڈ کی سطح پر اور دیہی علاقے میں گاؤں کی سطح پر ہے اور جو زکوٰۃ کمیٹی بنائی ہے، وہ سات ارکان پر مشتمل ہے۔ اگر آپ اس کمیٹی کا حلقہ بڑا کریں گے تو اس کا کام ذرا مشکل ہو جائے گا۔ اس وقت ایک وارڈ میں بعض بعض جگہ تین تین، چار چار محلے ہیں جب کہ ہماری یہ کوشش تھی کہ ہر محلے کی سطح پر ایک زکوٰۃ کمیٹی ہو، کیونکہ محلے والوں سے زیادہ اور کوئی نہیں جان سکتا کہ ان کے یہاں کون کون لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

لہٰذا میں آپ سے گذارش کروں گا کہ آپ اپنی اس تجویز پر نظرِ ثانی کریں اور ہم نے جو موجودہ حلقہ بندی DEMARCATION کی ہے اور اس کا جو

دائرۂ کار مقرر کیا ہے، اس کے اندر رہتے ہوئے اس نظام کو مستحکم اور کامیاب بنائیں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کام کریں۔ آپ کی جو بقیہ سفارشات ہیں، وہ میں لے نوٹ کرلی ہیں، لیکن اس سلسلے میں آپ وفاقی حکومت سے بہت زیادہ راہنمائی کی توقع نہ کریں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر کسی لوکل زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین یا ممبران کے ذہن میں کوئی تجویز آتی ہے تو وہ اسے از خود عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ آپ کے ضلع میں ماشاء اللہ جو دو سو ستائیس کمیٹیاں ہیں، اُن کے چیئرمینوں کا ایک اجلاس بلائیں جو اس چیز کا جائزہ لے کہ اس زکوٰۃ آرڈی ننس میں یا اس کے انتظامی ڈھانچے میں اگر کچھ خامیاں یا کمزوریاں ہیں تو انہیں کس طرح سے دور کیا جائے۔ آپ اپنے ضلع میں اس نظام کو بہتر بنانے کے لیے منصوبے بنائیں اور ان پر عمل درآمد کریں اور یہ کام بلاتاخیر کریں۔ ہم نے کوئی ایسا قانون نہیں بنایا ہے جو آپ کو اس بات سے منع کرتا ہے۔ آپ اپنی رقم خود بھی اکٹھی کیجئے۔ وفاقی حکومت سے جو رقم آپ کو ملی ہے، وہ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ چونکہ ہم نے یہ رقم لوگوں سے زکوٰۃ کے لیے جبری طور پر کاٹی ہے، لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ اسے زکوٰۃ کمیٹیوں تک پہنچائیں تاکہ یہ مستحقین تک پہنچ سکے۔ آپ کو یہاں فی زکوٰۃ کمیٹی پانچ ہزار روپے ملے ہیں جو کہ علاقے کے مستحقین کی تعداد کے مطابق ملے ہیں۔ یہ پہلی قسط تھی جو آپ کو ملی۔ باقی کچھ اور رقم میں انشاء اللہ دوسری قسط میں آپ کو بعد میں دوں گا۔ میں جہاں بھی گیا ہوں، وہاں میں نے اس چیز پر زور دیا ہے کہ زکوٰۃ کے سلسلے میں جو لوکل زکوٰۃ کمیٹی گاؤں کی سطح پر یا وارڈ کی سطح پر ہے جس کے سات ارکان ہیں، اس کے ذمے کئی اہم کام ہیں۔ میں یہاں بتا دینا چاہتا ہوں

کہ ہم نے زکوٰۃ کے نظام کو لوکل باڈیز کے نظام سے علیحدہ رکھا ہے اور اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ آپ کی زکوٰۃ کمیٹیوں میں بعض ارکان آپ کو ایسے بھی ملیں گے جو لوکل کونسلر ہیں۔ لوکل کونسل میں بعض آدمی آپ کو ایسے بھی ملیں گے جو زکوٰۃ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ لیکن دونوں کا دائرۂ کار مختلف ہے۔ دونوں کی کارکردگی علیحدہ علیحدہ ہے۔

زکوٰۃ کے نظام میں آپ نے جو حصّہ لیا ہے، وہ محض اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے لیا ہے۔ یہ کام آپ رضا کارانہ VOLUNTARY طور پر کر رہے ہیں۔ میں آپ کو اس کام کی تنخواہ نہیں دے رہا ہوں۔ کوئی ترغیب INCENTIVE نہیں دی ہے۔ کوئی میڈل MEDAL آپ کو نہیں ملے گا۔ اگر ملے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا میں بھی اس کا صلہ دے اور آخرت میں بھی۔ یہ ایسا نیک کام ہے کہ کسی بشر کے بس میں نہیں ہے کہ آپ کو اس کا معاوضہ یا صلہ دے سکے۔ یہ کام آپ رضا کارانہ طور پر فی سبیل اللہ کر رہے ہیں اور میرے خیال میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جہاں تک کہ حقوق اللہ کا تعلق ہے، وہ بندے اور خدا کے درمیان ہے۔ اگر کسی نے اللہ کا حق ادا نہیں کیا تو وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کو جواب دہ ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ غفور الرّحیم ہے۔ وہ بندے کو معاف کر سکتا ہے۔ وہ رحمٰن ہے، رحیم ہے، اس کی خطا سے درگذر کر سکتا ہے لیکن جہاں تک کہ حقوق العباد کا تعلق ہے، اگر کسی بندے نے کسی بندے کا حق ادا نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک

کہ وہ شخص جس کی حق تلفی ہوئی ہو، معاف نہ کر دے۔

لہٰذا ہم سب اس سلسلے میں جو کوشش کر رہے ہیں یہ حقوق اللہ بھی ہے اور حقوق العباد بھی۔ حقوق اللہ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ فرض کیا ہے کہ ہم نظامِ زکوٰۃ رائج کریں، اس لیے یہ کام ہم فرض سمجھ کر کر رہے ہیں۔ حقوق العباد اس لحاظ سے کہ ہم سب پر فرض ہے کہ ہم اس امر کو یقینی بنائیں کہ غریب کا حق غریب کو مل جائے۔ ایسا کر کے ہم کسی پر احسان نہیں کریں گے بلکہ اپنا فرض ادا کریں گے۔ ہمیں ایک مستحق کو اس کا حق دلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی روزی میں وسعت پیدا کی ہے یا جن کے پاس ضرورت سے زیادہ رقم موجود ہے، ان پر یہ فرض ہے کہ وہ اس میں سے غرباء، مساکین، بیوگان، یتامیٰ اور حاجت مندوں کی حسبِ استطاعت مدد کریں۔ ہمیں لوگوں کو اس کے لیے آمادہ کرنا ہے۔ اس وجہ سے دونوں چیزیں میں نے علیٰحدہ علیٰحدہ رکھی ہیں۔ زکوٰۃ کمیٹیوں کی صحیح تشکیل ہونی چاہیئے تھی اور اس کا طریقۂ کار جو ہم نے بنایا تھا، وہ یہ تھا کہ متعلقہ علاقے کی مسجد میں یا اس کے کسی ایک مقام پر وہاں کے تمام لوگ جمع ہوں اور وہ آپس میں صلاح، مشورے اور اتفاق رائے سے سات آدمیوں کا چناؤ کریں۔ اس طرح لوکل زکوٰۃ کمیٹی بننی چاہیئے تھی۔ بعض جگہوں پر جہاں یہ طریقۂ کار نہیں اپنایا گیا، وہاں کی ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران کا فرض ہے، چیئرمین زکوٰۃ کمیٹی کا فرض ہے، صوبائی زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران کا فرض ہے، انتظامیہ کا فرض ہے، کمشنر، ڈپٹی کمشنر صاحبان کا فرض ہے کہ وہ اس خرابی کو دُور کریں اور زکوٰۃ کمیٹی کی صحیح تشکیل کے سلسلے میں اُن پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اُسے پورا کریں۔ انہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کمیٹیوں میں ایسے لوگ آئیں جو صحیح معنوں میں مومن، متقی، پرہیزگار اور امین ہوں۔ ایسے ہی لوگوں کو ان کمیٹیوں

کے لیے چُنا جائے کیونکہ یہ ایک امانت ہے اور اس کے لیے امین ہونا ضروری ہے۔

ایک اور اہم بات جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کمیٹیوں کی عمدہ کارکردگی پر ہی اس نظام کی کامیابی کا انحصار ہے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کی نشاندہی کریں جو صاحبِ نصاب ہیں۔ ماشاء اللہ یہاں دو رجسٹر پڑے ہوئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس ضمن میں خاصا کام کیا ہے۔ آپ اُن لوگوں کے پاس جائیں جو صاحبِ نصاب ہیں۔ آپ مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔ ہم اُن کے دروازے پر جاکر دستک دیں گے۔ ان سے التجا کریں گے کہ آپ کے ذمّے جو زکوٰۃ ہے، اللہ کی خاطر وہ ہمیں دیں یعنی وہ زکوٰۃ جو جبری کٹوتی کے علاوہ ہے، کیونکہ جبری کٹوتی کا تو انتظام میں نے کرلیا ہے۔ جبری کٹوتی کے علاوہ زکوٰۃ کی جو رقم ہے یا اس کا جو عمل ہے وہ سارا اختیاری ہے۔ لہٰذا ہمیں ایسے لوگوں کے پاس جانا ہوگا اور ان سے اس سلسلے میں گذارش کرنی ہوگی۔ انہیں اللہ کا واسطہ دے کر، غریب غرباء کی فریاد ان تک پہنچا کر ان سے زکوٰۃ لینی ہوگی اور اگر زکوٰۃ کمیٹی کی کارکردگی عمدہ ہے تو لازمی طور پر اس قسم کی زکوٰۃ اُسے ملے گی اور اس کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔ زکوٰۃ کمیٹیوں کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنی آمدنی میں کس طرح اضافہ کرتی ہیں۔

علاوہ ازیں آپ کے علاقے میں جو مستحقین ہیں، ان کی لسٹ LIST آپ کے پاس ہونی چاہیئے۔ ان کے ناموں کو مشتہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ بعض لوگ ایسے ہیں جو پردہ رکھنا چاہتے ہیں۔ تو یہ میرا اور آپ کا فرض ہے

کہ ہم ان کو پردے میں رکھیں۔

پھر آپ کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ آپ کے پاس جو رقم ہے، وہ مستحقین میں کس طرح تقسیم کی جائے کہ ان کے مسائل حل ہوں۔ زکوٰۃ کی رقم مستحقین میں برابر برابر تقسیم کرنے سے اتنے مفید نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔ اس میں مساوات کا عمل نہیں ہونا چاہیئے۔ فرض کریں کہ آپ کے علاقے کے مستحقین کی کل تعداد بیس ہے اور آپ کی کل آمدنی دو ہزار روپے ہے تو ایسی صورت میں اگر آپ برابر، برابر زکوٰۃ تقسیم کریں گے تو ہر مستحق کو صرف سو روپے ملیں گے اور ظاہر ہے کہ اس رقم سے تو ان کے پان کا بھی خرچہ پورا نہیں ہوگا کیونکہ بعض حضرات پان بھی کھاتے ہیں، اس لیے میں آپ سے گذارش کروں گا کہ آپ دو ہزار کی رقم کے لیے دس میں سے ایک، دو، تین ایسے مستحق چُن لیں جن کو واقعی صحیح معنوں میں ایسی امداد کی اشد ضرورت ہے تاکہ ان کا مسئلہ حل ہو سکے۔ اس میں سے آپ کسی کو چار سو روپے دے دیں، کسی کو پانچ سو روپے دے دیں، کسی بیوہ کو سلائی مشین خرید کر دے دیں، کسی نادار طالب علم کو کتابوں کی خریداری کے لیے معقول سی رقم دے دیں، کسی یتیم کو کسی روزگار کے لیے کوئی رقم دے دیں۔ الغرض اس طریقے سے یہ رقم ایسے لوگوں تک پہنچائیں تاکہ ان کو اس سے فائدہ پہنچے۔ شروع شروع میں مساوات کی بنیاد پر زکوٰۃ کی تقسیم کے احکامات جاری کئے گئے تھے جو کہ غلط تھے۔ اس میں کچھ ہماری کوتاہی سمجھ لیں۔ دراصل اس پہلو کی طرف اس وقت غور نہیں کیا جا سکا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے کہا گیا کہ چالیس روپے کے حساب سے زکوٰۃ تقسیم کر دیں جو کہ غلط تھا۔ اب اس قسم کا کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ اس سلسلے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس نوعیت کی تمام پابندیاں ختم کر دی گئی ہیں۔ اب یہ زکوٰۃ کونسل، لوکل زکوٰۃ کمیٹی

پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح اپنی آمدنی اپنے مستحقین پر خرچ کرتی ہیں۔

دوسری چیز جس کا میں خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اس کی ابتدا کراچی سے ہو، وہ یہ ہے کہ ان رقوم سے ایسے ادارے قائم کیے جائیں جن سے معاشرے کی حالت بہتر بنانے میں مدد مل سکے۔ میں نے کچھ رقم جبری طور پر کاٹی اور آپ تک پہنچا دی۔ آپ نے کچھ رقم لوگوں سے لی اور مستحقین میں تقسیم کر دی۔ لیکن یہ عمل دُوررس اثرات کا حامل نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا سلسلہ تو جاری رہے گا، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کے اور کیا مصارف ہیں۔ زکوٰۃ کے آٹھ پہلو ہیں۔ آپ انہیں کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ فقہی لحاظ سے، قرآن کے لحاظ سے، شریعت کی رُو سے زکوٰۃ خرچ کرنے کا طریقہ متعین ہے۔ اس میں ہم کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے، لیکن ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ آیا پاکستان کے وہ عوام جو کہ یتیم ہیں، غریب ہیں یا وہ بیوگان جو زکوٰۃ کی مستحق ہیں، کیا وہ ساری عمر جب تک یہ نظام رہے گا میری اور آپ کی زکوٰۃ پر ہی گذارہ کریں گے۔ اگر اس کا جواب اثبات میں نہیں تو پھر ہمیں کچھ ایسے ادارے بنانے چاہئیں اور میں حکومت کی طرف سے اس میں کچھ رقم لگانے کے لیے تیار ہوں جو کہ غریب غرباء اور مساکین کی مالی حالت کو بہتر بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ محلے کی سطح پر، وارڈ کی سطح پر ایسا کوئی ادارہ ہو جہاں پر بچیاں آئیں، پڑھیں، کچھ دستکاری کا کام کریں، کچھ ہنر سیکھیں تاکہ ان کی آمدنی میں اضافہ ہو، انہیں روزگار مہیا ہو سکے۔ ضرورت مند بیوگان کے لیے کچھ سلائی مشینیں ہوں، کچھ چرخے ہوں۔ بچیوں کو فنی تعلیم دی جائے۔ کہیں قرآن پڑھایا جائے، کہیں کسی اور کام کی تربیت دی جائے۔ معذور لوگوں

کے لیے کچھ اس قسم کے ادارے بنائے جائیں جو مولانا عبدالستار صاحب کے ویلفیئر ہوم WELFARE HOME کے طرز پر ہوں۔ اس قسم کے اداروں کی ضرورت ہے تاکہ غربت اور جہالت دور کرنے میں مدد مل سکے۔

میں آپ تینوں حضرات یعنی ڈسٹرکٹ چیئرمین جناب ارشد صاحب، مولانا ستار صاحب اور ڈاکٹر شفیع صاحب سے خاص طور پر یہ گذارش کروں گا کہ آپ لوگ اس تجویز پر غور کریں۔ آپ سکیم بنائیں، آپ حضرات گورنر صاحب سے اس پر تبادلۂ خیال کریں، پھر مجھے بتائیں کہ آپ کو کتنی رقم چاہیئے۔ میں آپ کے تینوں اضلاع سے ایسی سکیموں کی بسم اللہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ زکوٰۃ کا جو نظام ہے، اسلام کا جو فلاحی نظام ہے، وہ صرف نقد لینے اور دینے تک ہی محدود نہ رہے۔ اس چیز کی طرف توجہ دیجئے۔ اللہ نے چاہا اور آپ حضرات نے کوشش کی تو مجھے امید ہے کہ یہ نظام اللہ کے فضل و کرم سے قائم و دائم رہے گا اور اس میں اللہ تعالیٰ ضرور برکت عطا کریں گے۔ انشاء اللہ ہماری کوششیں ضرور بارآور ثابت ہوں گی اور غریبوں کو ان کا حق دلانے میں اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائیں گے۔

یہ چند ایک خیالات تھے جن کا میں اظہار کرنا چاہتا تھا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ اس سلسلے میں بہت سی سفارشات ہم تک پہنچی ہیں۔ ان کی روشنی میں عنقریب انشاء اللہ اس نظام میں تبدیلی لائیں گے۔ جہاں تک معاملہ ہمارے فقہی اختلافات کا ہے، وہ انشاء اللہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے گا۔ کوئی نہ کوئی حل اس کا ضرور نکل آئے گا کیونکہ اللہ فضل کرنے والا ہے۔ اگر نیّت صاف ہو جیسا کہ آپ نے فرمایا، اللہ کا ڈر موجود

ہو، اسلامی اُمّہ کی وحدت کا خیال ہو اور ساتھ ہی یہ بھی خیال ہو کہ اسلام کے فلاحی پہلو کو بہت اہمیت حاصل ہونی چاہیئے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائیں گے۔ ایسی کوئی راہ انشاء اللہ ضرور نکل آئے گی جس سے صلح و صفائی، افہام و تفہیم کے ساتھ اس معاملے کو سلجھایا جا سکے۔

اب میں آپ حضرات سے درخواست کروں گا کہ ان تین تجاویز کے علاوہ بھی جن کا ذکر ان تینوں ڈسٹرکٹ چیئرمین صاحبان نے اپنی اپنی تقریروں میں کیا اور جو آپ نے سنیں، اگر آپ کے پاس تجاویز ہیں یا آپ اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو بڑے شوق سے فرمائیں کیونکہ آپ حضرات بھی بہت دُور سے تشریف لائے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کے پاس بھی بعض تجاویز ہوں گی۔ لہٰذا اگر آپ چاہیں تو باری باری اپنی تجاویز پیش کریں اور اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

شکریہ

پاکستان پائندہ باد

کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ کی ۷۵ سالہ جوبلی تقریبات کے موقع پر خطاب

(انگریزی سے ترجمہ)

کوئٹہ : ۱۸ ستمبر، ۱۹۸۰ء

کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ کا قیام ۱۹۰۵ء میں عمل میں آیا۔ صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۸ستمبر، ۱۹۸۰ء کو اس کالج کی ۷۵ سالہ جوبلی تقریب سے خطاب کیا۔

صدر نے اس موقع پر کہا کہ ہماری دفاعی ضروریات کے لئے اسلحے کا حصول کسی ملک کے خلاف نہیں بلکہ ہماری ضرورت ہے۔ ملک کے ارد گرد کی جغرافیائی اور سیاسی فضا میں موجود خطرات کے پیشِ نظر تمام پاکستانی فروعی اختلافات ختم کر کے متحد ہو جائیں۔ قومی سالمیت اور یک جہتی کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے گا۔

انہوں نے کالج کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ اور یہ کالج ایک ہی سال معرض وجود میں آئے۔ مسلم لیگ نے پاکستان بنایا اور اس کالج نے پاکستان کے دفاع کے محافظ پیدا کئے۔ صدر نے اس عزم کا اظہار کیا کہ مسلح افواج ملکی دفاع کے لئے ہر چیلنج کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گی۔

حکومت دوسرے شعبوں کے علاوہ فوجی شعبے میں بھی خود کفالت کی کوشش کر رہی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

جنرل سوار خان صاحب، وائس چیف آف دی آرمی سٹاف،

جنرل شمیم صاحب، کمانڈنٹ، کمانڈ اینڈ سٹاف کالج،

جنرل صاحبان،

تدریسی عملے کے ارکان،

سٹاف کالج کے طلبا

اور

خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ کمانڈ اینڈ سٹاف کالج میں آنا میرے لئے ایسا ہے جیسے گھر آنا یہ کالج طالب علم کی حیثیت سے اور انتظامی عملے کے رکن کے طور پر میرا گھر رہا ہے۔ دونوں حیثیتوں سے میرا یہاں قیام میرے لئے بارآور اور اطمینان بخش رہا ہے۔ ان دنوں کی یادیں مجھے آج بھی بہت عزیز ہیں۔ اس طرح میں جو بلی تقریبات

میں مہمان سے زیادہ میزبان کی حیثیت سے شریک ہو رہا ہوں۔ اس مبارک موقع پر میں آپ سب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

آج کے اجتماع میں نئی اور پرانی نسل کو دیکھ کر میرا دل جذبات سے بھر گیا ہے پرانی نسل میں سے آج ہمارے درمیان پاک فوج کے ایک کمانڈر انچیف موجود ہیں جن کی رہنمائی میں ہم نے ۱۹۶۵ء کی جنگ لڑی اور ایک حد تک جیتی۔ ہمارے درمیان ماضی کے کور کمانڈر ہیں، آج کے کور کمانڈر ہیں، ماضی کے ڈویژنل کمانڈر ہیں، آج کے ڈویژنل کمانڈر ہیں۔ ہمارے درمیان ہمارے سفید وردی والے ساتھی ہیں، نیلی وردی والے ساتھی ہیں جو بحریہ اور فضائیہ کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

ایسے موقعوں پر روایت ہے، اور نہایت مناسب حال روایت ہے کہ کالج کی تاریخ اور اس کی کامیابیوں پر از سرِ نو نظر ڈالی جائے۔ جنرل شمیم نے نہایت جامعیت کے ساتھ یہ کام انجام دیا ہے میں ان کے اعادہ میں چند حاشیوں کا اضافہ کروں گا۔

اس کالج کی بنیاد برصغیر کے جنوب مشرق میں کوئٹہ میں ۱۹۰۵ء میں رکھی گئی۔ تقریباً انہی دنوں برصغیر کے دوسرے سرے پر ایک تنظیم کا قیام عمل میں آیا جو آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ظاہری طور پر دونوں میں کوئی تعلق نہیں تھا۔ ایک کی بنیاد کوئٹہ کی سنگلاخ پہاڑیوں میں رکھی گئی جب کہ دوسری ڈھاکہ کے سرسبز ماحول میں ابھری۔ ایک خالصتاً پیشہ ورانہ کالج تھا، دوسری مکمل طور پر سیاسی تنظیم۔ لیکن تاریخ کے اتفاقات عجیب ہوتے ہیں۔ ایک نے پاکستان کے قیام کی طرف رہنمائی کی اور دوسرے کا مقدر اس کے محافظوں کو تربیت دینا ٹھہرا۔

یہ کالج بجا طور پر پیشہ ور سپاہی پیدا کرنے اور انہیں صیقل کرنے پر فخر کر سکتا ہے۔ جب سے یہ ادارہ قائم ہوا ہے، یہ اس کا نشانِ امتیاز رہا ہے اور آج بھی

ہے ۔ یہ بجا ہے کہ فوج کا مستقبل بڑی حد تک اس کے پیشہ ورانہ معیار پر منحصر ہے، لیکن میری رائے میں ۱۹۴۷ء میں جب نئی مملکتِ پاکستان وجود میں آئی اور یہ ادارہ اس کے سربرآوردہ اداروں میں سے ایک ہوا تو پیشہ ور ہونے کے معنی اور اہمیت میں ایک بنیادی تبدیلی آئی ۔ یہ تبدیلی کم اہم یا اہم سٹاف ڈیوٹی کی نوعیت کی نہیں تھی۔ تبدیلی اس کو نئے رخ پر ڈالنے اور مستقبل کی ذمہ داری کی تھی ۔ اس ادارے کو فوجی افسروں کی نئی نسل کو تیار کرنا تھا، انہیں تربیت دینی تھی، انہیں ولولہ عطا کرنا تھا جنہیں اسلامی جمہوریۂ پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کرنا تھی۔

نئی ذمہ داریوں کے لوازم آزادی سے پہلے کی ذمہ داریوں کے لوازم کی نسبت واضح طور پر مختلف تھے ۔ ماضی میں افسر ایک بڑی جنگی مشین سے آتے تھے اور وہیں واپس چلے جاتے تھے جس کی دیکھ بھال اور پرورش ایک غیر ملکی طاقت کرتی تھی۔ اب ان کا تعلق ایک قدرے چھوٹی فوج سے تھا۔ جس کی دیکھ بھال اور کفالت ایک چھوٹے ملک کے ذمے تھی جس کے وسائل محدود ہیں ۔ اس لئے یہ لازمی ہو گیا کہ ہم اپنے وسائل کی روشنی میں اپنی ضروریات کا ازسرِ نو جائزہ لیں ۔ اس ازسرِ نو جائزہ میں ایک تلخ حقیقت یہ تھی کہ ہماری مسلّح افواج کو 'وسائل کی مجبوریوں کے باعث' ہمارے دشمنوں کی نسبت تعداد میں کم اور شاید ساز و سامان میں ادنیٰ رہنا ہے ۔ ساز و سامان کی کمی دوسرے پہلوؤں میں برتری، مثال کے طور پر بہتر تربیت اور لگن کے ذریعے' پوری کی جاتی تھی ۔ دوسرے لفظوں میں مقداری بُعد کا مقابلہ معیاری برتری کے ذریعے کیا جانا تھا ۔

یہ عظیم ذمہ داری صرف ہماری ہی قسمت میں نہیں لکھی گئی تھی ۔ اسلامی تاریخ اور

ان عظیم جنگوں پر نظر ڈالئے جو مسلمان جنگجوؤں نے جیتیں۔ ان کی تعداد اور ساز و سامان ہمیشہ کم ہوتا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے اسلامی تاریخ میں زریں ابواب کا اضافہ کیا۔ ان کی کامیابیاں ہمارے لئے اعتماد اور ولولے کا دائمی سرچشمہ ہیں۔ اس موقع پر میں عسکری تاریخ، مسلم عسکری تاریخ اور مغربی عسکری تاریخ۔ دونوں کے سنجیدہ مطالعے کی ضرورت پر زور دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ تمام پیشہ ور سپاہیوں کے لئے بہت مفید ہوگا۔

جس بات کو میں یہاں واضح کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ کمانڈ اینڈ سٹاف کالج جیسے ادارے پیشہ ورانہ قیادت کے معیار کو بلند کرتے ہیں جس کی کارکردگی پر اکثر جنگوں کے نتیجے کا دارومدار ہوتا ہے۔ کسی سٹاف کالج میں افسر اپنے پیشے کے آغاز میں جو ڈسپلن، تربیت، عادات اور عسکری تاریخ میں دلچسپی حاصل کرتا ہے، جو رویّے اس دور میں تشکیل پاتے ہیں وہ بالعموم کسی افسر کے زندگی بھر کے ساتھی بنتے ہیں، بلکہ درحقیقت برے وقت کے بہترین دوست ثابت ہوتے ہیں۔

ایک اور پہلو جسے ہمیں ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیئے، سائنس اور عسکری علم کا تیز تر بہاؤ ہے جس سے ہماری توجہ نہیں ہٹنی چاہیئے۔ ہمارے عسکری اصولوں اور تصوّرات پر مسلسل نظر ثانی ہوگی اور انہیں جدید تقاضوں کے مطابق بنایا جائے گا تاکہ انہیں اِن تبدیلیوں سے ہم آہنگ رکھا جا سکے۔ تدریس کے قابل قدر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ ترقی پذیر اور رو بہ مستقبل ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ کالج اس فوری ضرورت سے آگاہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ کالج نصاب کو جدید تقاضوں کے مطابق بنانے پر مسلسل مزید توجہ دیتا رہے گا اور زیرِ تربیت افسروں کے پیشہ ورانہ اور ذہنی افق کو روشن کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیت استعمال کرتا رہے گا جنہیں مستقبل میں

ہماری فوج کو قیادت مہیا کرنی ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اس کالج کے گریجویٹ ہمیشہ مختلف فارمیشن ہیڈکوارٹرز میں سٹاف اپائنٹمنٹس پر جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اعلیٰ مدارج کی کلیدی تقرریوں پر جاتے ہیں۔ اس طرح ہماری فوج کے مستقبل کا اس ادارے کی پیداوار سے ناقابل شکست رشتہ ہے۔ اس لئے جو کچھ ہماری فوج مستقبل میں کرے گی، جو بھی کامیابیاں حاصل کرے گی اس کا زیادہ تر انحصار اس کالج میں جو تعلیم دی جاتی ہے، اس کے معیار پر ہو گا۔

جنرل ہیڈکوارٹرز میں کالج کے اس رول کو بجا طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ادارے کی ضروریات پر براہ راست اور فوری توجہ دی جاتی ہے۔ اب یہ آپ کا فرض ہے کہ یہ یقینی بنائیں کہ افسروں کی پیشہ ورانہ نشوونما کے لئے اس بہترین سہولت کو پوری طرح استعمال میں لایا جائے، ناظم عملے اور طلبار، دونوں کو اسی تندہی اور سرخروئی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہنا چاہیئے جس طرح آپ اور آپ کے پیش رو انجام دیتے رہے ہیں تاکہ آپ قوم اور فوج کی اعلیٰ توقعات پر پورا اتر سکیں۔ میری دعا ہے کہ یہ کالج اپنی ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے اسی شان سے مزید کامیابیاں حاصل کرے جس طرح یہ ان لوگوں پر، ہماری فوج کی باگ ڈور سنبھالنا جن کا مقدر ہے، عسکری علم اور شعور کے موتی نچھاور کرے گا۔

خواتین وحضرات! اگر آپ کالج کے برآمدوں سے باہر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ فضا اتنی خاموش اور پرسکون نہیں ہے جتنی کہ اس کیمپس میں نظر آتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے گرد جغرافیائی سیاسی ماحول خطرناک امکانات سے بھرپور ہے۔ یہ ماضی کی نسبت کہیں زیادہ احتیاط اور مستعدی کا تقاضا کرتا ہے۔ ایسے ماحول میں

سٹاف کالج پر بھی عظیم تر ذمّے داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ہم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے قومی دفاع کو بہتر بنانے کے لئے اپنے وقت اور موجود سہولتوں کا بہترین استعمال کریں۔ ہمارا رہنما اصول یہ ہے کہ اپنے فرائض انجام دیتے وقت ہم پکّے مومن جیسی مستقل مزاجی، سچے پاکستانی جیسی لگن اور پیشہ ور سپاہی جیسے حقیقت پسندانہ رویے کا مظاہرہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ جب بھی مسلّح افواج کو قومی آزادی کے چیلنج کا سامنا ہوگا وہ اس فرض پر پورا اتریں گی۔ یہ بھی لازمی ہے کہ ہم ایک قوم کی طرح گروہی تعصّبات سے بلند تر ہو کر قومی اتحاد کے ماحول کو فروغ دیں۔

میں اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ جنگیں محض پرجوش جبلّت اور عوام کے جذبوں کے زور پر نہیں جیتی جاتیں، عسکری ساز و سامان ایک لازمی عنصر ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر حکومت دوسری قومی ضروریات کی طرح دفاع کے میدان میں بھی خود کفالت کی کوشش کر رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ منزل دور ہے اور اس کے حصول کے راستے میں بے شمار رکاوٹیں ہیں، لیکن جذبہ صادق ہو، عزم پختہ ہو اور مقصد واضح ہو تو کوئی رکاوٹ ہماری کامیابی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ یہاں میں دو نکات کا اضافہ ضروری سمجھتا ہوں۔ اوّلاً عسکری ساز و سامان کا حصول کسی ملک کے خلاف نہیں ہے۔ یہ ہمارے اپنے دفاع کے لئے لازمی ہے۔ ثانیاً عسکری ساز و سامان حاصل کرتے ہوئے ہم کسی محاذ آرائی میں ملوّث نہیں ہونا چاہتے۔ ہم بین الاقوامی گروپوں سے الگ رہنا چاہتے ہیں۔ اپنی قومی یکجہتی کی ہر قیمت پر حفاظت کرنا ہمارا عہد ہے۔ اس قومی ذمّے داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمارے لئے ضروری ساز و سامان حاصل کرنا لازمی ہے ہم اپنے وسائل کے مطابق اپنی دفاعی صلاحیت کو بہتر بناتے رہیں گے۔

اپنی سرحدوں کے محافظوں کی حیثیت سے ہمیں اپنی نظریاتی بنیادوں کا شعور ہونا چاہیئے۔ یہ شعور اپنے ملک کی حفاظت کا مقدس فریضہ انجام دینے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہے۔ نظریاتی مملکت اور قوم ہونے کے باعث لازمی ہے کہ ہمارے سامنے مشکلات آئیں۔ اگر ہم اسلام اور قوم پرستی کے جذبے سے سرشار ہوں تو ہم ان چیلنجوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے تمام افکار و اعمال کا منبع ہمارا قومی اور مذہبی نقطۂ نظر اور اپنے مستقبل پر غیر متزلزل یقین ہونا چاہیئے۔ ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے ایمان کے مطابق ہوں۔ ایک حدیثِ رسولؐ کی رو سے " اللہ اس ایمان کو قبول نہیں کرتا جس کا اظہار اعمال میں نہ ہو اور نہ ہی ان اعمال کو قبول کرتا ہے جو ایمان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے۔"

آخر میں میں یہ بات دہرانا چاہوں گا کہ ملک کی طرف سے اور خود اپنی طرف سے ہم پر یہ ذمےداری عائد ہوتی ہے کہ ہم دانش مندی سے کام لیں اور سچی لگن سے پاکستان کی تعمیر اس اعلیٰ نصب العین کے مطابق کریں جس کے لئے اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی کوششوں اور قربانیوں سے وجود میں آیا تھا۔ اپنے قیام سے لیکر اب تک یہ مسلمان اور غیر مسلم پاکستانیوں کی قربانیوں کے باعث قائم رہا ہے۔ تین جنگوں میں جو ہم نے اب تک اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے لڑی ہیں، مسلمانوں اور غیر مسلموں نے ایک جیسے جوش و جذبہ سے اپنا خون دیا ہے۔ پاک فوج میں ہم نہ رنگ کو تسلیم کرتے ہیں نہ نسل کو ـــــ ہم صلاحیت کی حمایت کرتے ہیں۔ اسی جذبے کی روشنی میں ہمیں بطور پاکستانی صحیح قومی جذبہ کے حصول کی کوشش جاری رکھنی چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سربرآوردہ ادارہ اس مقصد کے حصول کے لئے جو بھی کردار ادا کرے گا، قوم اس کو تسلیم کرے گی۔

میں ایک بار پھر ۷۵ سالہ جوبلی تقریبات پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ یہ کالج مزید لگن اور قابل فخر کامیابیوں کے ساتھ صد سالہ تقریب کی طرف بڑھے۔ خدا حافظ!

پاکستان پائندہ باد

بلوچستان کے علماء سے خطاب

کوئٹہ : ۱۸ستمبر، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت نے اپنے دورۂ بلوچستان کے دوران ۱۸ستمبر، ۱۹۸۰ء کو کوئٹہ میں علماء کے ایک اجتماع سے خطاب کیا۔

صدر نے علماء سے کہا کہ وہ نفاذِ اسلام کی کوششوں میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں اور اسلامی طرزِ حیات کے فروغ میں بھرپور کردار ادا کریں۔ فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دینے سے قوم کے اتحاد اور اخوّت کو نقصان پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ وہ گزشتہ تین سال سے علماء سے مشورے کر رہے ہیں تاکہ انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جا سکے۔

اپنی تقریر کے آخر میں صدر نے یقین دلایا کہ دینی مدارس کو قومی تحویل میں نہیں لیا جائے گا بلکہ حکومت ان مدارس کی مزید مدد کرنا چاہتی ہے۔ علماء کے مطالبے پر صدر نے اساتذہ کو ہدایت کی کہ وہ تعلیمی اداروں میں اسلام اور نظریۂ پاکستان کو اُجاگر کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ۔

گورنر صوبہ بلوچستان، جنرل رحیم الدین خان صاحب،

علمائے کرام

اور

معزز حاضرین!

السّلام علیکم ۔ میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے موقع دیا کہ میں چند ایک گزارشات آپ کے سامنے پیش کرسکوں ۔ اگر وقت نے اجازت دی تو میں آپ حضرات سے بھی آپ کی بعض تجاویز کے متعلق دریافت کروں گا۔

تین چار چیزوں کے متعلق میں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ آپ صبر و تحمل سے میری گزارشات سنیں گے۔ آپ نے بارہا یہ باتیں میری زبانی یا اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے ذریعے سُنی ہیں ۔ گزشتہ روز علماء کانفرنس میں بھی ان کا تذکرہ کیا گیا۔ اس کانفرنس کے افتتاحی اور اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بھی

یں نے انہی امور کا اعادہ کیا تھا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جیسا کہ ابھی آپ نے کچھ حضرات سے سُنا، اسلام ایک ایسا مذہب ہے، ایک ایسا دین ہے جو دوسرے مذاہب اور ادیان سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام میں کسی خاص گروہ یا فرقے کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہے۔ یہاں مذہبی پیشواؤں، "مذہبی شہزادے" یا پادری کا، جیسا کہ عیسائیت اور یہودیت میں ہے، کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ یہاں فرقہ وارانہ برتری کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ دینِ اسلام یہ کہتا ہے کہ ہر شخص کو دین کے بارے میں صحیح علم ہونا چاہیئے اور اس پر اسے عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ اس ضمن میں کسی کی اجارہ داری نہیں۔ یہ محض ہماری غفلت کا نتیجہ ہے یا اس علاقے کے ماحول کا اثر سمجھ لیں کہ ہمارے ہاں بھی ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جس کو لوگ عزت سے نہیں بلکہ ایک خاص احساس کے پابند ہو کر ملّا گردپ کہتے ہیں۔ آپ کو اور مجھے اور وہ لوگ جو دین سے محبت کرتے ہیں، انہیں مُلّا کہا جاتا ہے حالانکہ میرے نقطۂ نگاہ سے ہونا تو یہ چاہیئے کہ ایسے شخص کو جو دین کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اسے عالمِ دین کہا جائے۔ ہمارے یہاں علمائے کرام کو جو عزت و احترام حاصل ہے، وہ اس وجہ سے نہیں کہ دین کے بارے میں ان کا علم زیادہ ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ دین پر عمل کرتے ہیں۔ پاکستان چونکہ نظریاتی طور پر بھی ایک اسلامی ملک ہے جو اپنی نوعیت کا واحد ملک ہے، جس کا نظریہ اسلام ہے، لہٰذا یہاں پر ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ہر شخص اسلام کی پیروی کرتا اور اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارتا، صحیح معنوں میں مسلمان ہوتا، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ

کہنا پڑتا ہے کہ ہم اور سب کچھ تو بنے، مگر صحیح معنوں میں مسلمان نہیں بنے۔

اب گزشتہ کچھ عرصے سے ہماری یہ کوشش ہے کہ اسلامی تعلیمات کو پاکستان میں صحیح معنوں میں اجاگر کیا جائے۔ اس کام کے لئے مجھے، میرے رفقائے کار کو اور پاکستان کو علمائے کرام کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اس ضرورت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ کا علم ہم سے زیادہ ہے یا ایک عام آدمی سے زیادہ ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنا علم اور اپنا عمل دونوں دین کے لئے وقف کر رکھے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات کے علم اور عمل دونوں سے لوگ مطمئن ہیں۔ ابھی میرے ایک محترم نے صحیح مثال دی کہ جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے تو علاج کے لئے وہ ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے یا حکیم کے پاس جاتا ہے۔ اسی طرح بچوں کو تعلیم دلانے کی غرض سے انہیں سکولوں میں داخل کرایا جاتا ہے، آپ انہیں ہسپتال لے کر نہیں جاتے۔ اگر کوئی شخص کچھ دستکاری سیکھنا چاہتا ہے یا کوئی اور ہنر سیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس درس گاہ میں جاتا ہے جہاں اس قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہے۔ ٹھیک اسی طرح پاکستان میں آج اگر ہم اسلامی اقدار کو اپنانا چاہتے ہیں اور انہیں فروغ دینا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ہمیں یہاں سازگار ماحول پیدا کرنا ہو گا اور اس ضمن میں علمائے کرام کو از خود آگے آنا چاہیئے۔

اب ایک اور بات جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ آپ میں سے اکثر حضرات کا زور صرف دینی تعلیمات اور وعظ و نصیحت پر ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑی اچھی باتیں ہیں لیکن میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ وعظ و نصیحت کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا عملی کام بھی کیا کریں۔ مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر وعظ و نصیحت کرنا اور بات ہے اور باہر میدان میں نکل کر لوگوں کو نماز کی، زکوٰۃ

کی تلقین کرنا کچھ اور بات ہے۔ میں آپ سے کہوں گا کہ آپ کی توجہ ان دونوں امور پر ہونی چاہیئے۔ آپ منبر پر کھڑے ہو کر مسجد میں، مدرسے میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ ضروری جاری رکھیں، قرآن کریم کی تعلیمات سے لوگوں کو ضرور آگاہ کریں لیکن آپ مسجد سے، مدرسے سے تھوڑا باہر نکل کر بھی دیکھئے کیونکہ جیسا کہ آپ نے ابھی سنا، پاکستان میں آجکل لادینیت کا چرچا ہو رہا ہے۔ اس نظریاتی ملک میں اسلام کی بجائے ایسی چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اسلام کی دشمن ہیں۔ لہٰذا اگر میں اسلام کی کچھ خدمت کر رہا ہوں تو کسی پر عنایت نہیں کر رہا ہوں نہ ہی آپ اسلام کی خدمت کر کے کسی پر احسان کر رہے ہیں کیونکہ بحیثیت مسلمان یہ میرا اور آپ کا فرض ہے کہ یہ کام کریں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس ملک میں ہم اس وقت تک اسلامی نظریات کو، اسلامی تعلیمات کو صحیح معنوں میں فروغ نہیں دے سکتے جب تک کہ ہمارے دینی رہنما، علمائے دین میدان میں نہیں نکلیں گے۔ یہ میرا گزشتہ تین سال کا تجربہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تین برسوں میں میں ملک کے علمائے کرام سے انفرادی اور اجتماعی طور پر برابر ملتا رہا ہوں، ان سے گفتگو کی ہے، ان کے مشورے سے فائدہ اٹھایا ہے اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی آج کا یہ اجتماع ہے۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں ان سے ضرور فرداً فرداً ملاقات کرتا ہوں۔

اب ہماری خواہش ہے کہ اسلام کے نفاذ کے لئے اجتماعی طور پر کوششیں کی جائیں اور اس کے لئے ایک حکمتِ عملی تیار کی جائے تاکہ پاکستان کو فائدہ پہنچ سکے۔ لہٰذا آپ کو یہ چاہیئے کہ آپ فرقے کی سطح سے بلند ہو کر اسلامی سطح پر، دین کی سطح پر سوچیں اور عمل کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر شخص کا اپنا مسلک ہے،

لیکن اس کی اساس قرآن اور سنت ہے۔ ہمیں اس بنیاد کو مضبوط کرنا ہے۔ آپ سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنا مسلک چھوڑ دیں۔ آپ اپنے مسلک پر قائم رہیں۔ خواہ آپ حنفی ہیں یا شافعی، مالکی ہیں یا فقہ جعفریہ کے پیروکار ہیں یا کسی اور فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن آپ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ اس لئے ہمیں اسلام کے دائرے میں رہ کر، ایک دوسرے کے ساتھ افہام وتفہیم اور محبت اور خلوص کے جذبے کے ساتھ اس کے لئے کام کرنا ہوگا اور اس پر عمل کرنا ہوگا۔ اگر ہم نے آپس میں فرقہ واریت کو فروغ دیا تو پھر ہم آپس میں بٹ کر رہ جائیں گے۔ یہاں پر اتحاد کا نام لینے والا بھی کوئی نہ ہوگا اور اگر ہمارے اتحاد کو نقصان پہنچا تو پھر ہم دین کی کوئی خدمت نہیں کر سکیں گے۔

یہاں پر ابھی آپ نے دیکھا کہ آپس میں ہمارے جو تھوڑے بہت اختلافات تھے، وہ اللہ کے فضل وکرم سے اتنی خوش اسلوبی سے طے ہو گئے کہ پاکستان کے دشمن حیران ہیں۔ انہیں اس بات کا افسوس ہے کہ اتنا بڑا مسئلہ اتنی آسانی سے کیسے حل ہو گیا۔ یہ اللہ کا فضل وکرم ہے۔ ہمیں اس کا احسان مند اور شکر گزار ہونا چاہیئے اور اتحاد کے ساتھ کام کرنا چاہیئے۔

میں آپ کی تجاویز سے اتفاق کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں خاص طور پر تمام مدرسوں میں اس وقت جو کام ہو رہا ہے، اسے ترقی اور فروغ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ہر مدرسے میں خواہ وہ دینی مدرسہ ہو یا غیر دینی مدرسہ، دینی تعلیم کا معقول بندوبست ہو سکے۔ جہاں تک اساتذہ کا تعلق ہے، وہ بچوں کی ذہنی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ اساتذہ صحیح معنوں میں دینِ اسلام پر کاربند ہوں۔

جہاں تک آپ کے دینی مدارس کے طلبار کو چند سہولتوں کی فراہمی کا تعلق ہے، اگر اب تک کسی وجہ سے انہیں یہ نہیں حاصل ہو سکیں تو اب انشاء اللہ ایسا نہیں ہو گا۔ میں اس چیز کا جائزہ لوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ دینی مدارس کے طلبار کو بھی وہی ساری سہولتیں حاصل ہوں جو کہ عام طالب علموں کو حاصل ہیں۔ دینی مدارس پر ہماری خاص توجہ ہے لیکن ہم ان کو حکومت کی تحویل میں نہیں لینا چاہتے۔ یہ مکمل طور پر پرائیویٹ اداروں کی حیثیت سے کام کرتے رہیں گے، آپ کے زیرِ سایہ کام کریں گے۔ حکومت کی طرف سے آپ کو اس سلسلے میں اگر کسی مدد کی ضرورت ہے، مالی یا کسی اور قسم کی مدد کی تو ہماری حکومت آپ کی پوری طرح مدد کرے گی۔

میں آپ سے استدعا کروں گا کہ ہر ضلع میں، ہر صوبے میں علمار حضرات کا انتظامیہ کے ساتھ رابطہ ہو اور وقتاً فوقتاً دونوں کے نمائندوں کا اجلاس منعقد کیا جائے۔ اس قسم کے اجلاس ضلعی سطح پر، کمشنری سطح پر اور صوبائی سطح پر بلائے جائیں تاکہ علمار حضرات کی تجاویز پر عمل ہو سکے۔ اس کے علاوہ آپ حضرات گھر گھر اسلام کی تعلیمات عام کریں، لوگوں کو نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے کی ہدایت کریں۔ ان سے کہیں کہ وہ اسلامی تعلمات کو اپنائیں، اسلام سے رہنمائی حاصل کریں۔ صرف زبان سے اسلام کا نام نہ لیں بلکہ اس پر عمل بھی کریں۔

یہ چند ایک گزارشات تھیں جو میں ہر جگہ دہراتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ جس طرح بلوچستان نے اس سے پہلے اسلام کی خدمت کی ہے، اسی طرح اب بھی یہ اس فریضے کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا۔

یہاں شریعت کا نفاذ کافی عرصہ پہلے سے ہے اور جس طریقے سے یہاں

کے دینی مدارس قوم، ملک اور دین کی خدمت میں مصروف ہیں، مجھے اُمید ہے کہ آئندہ بھی وہ اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے بلکہ پہلے سے زیادہ اپنی خدمات اس کام کے لئے وقف کر دیں گے۔ میرے لائق جو بھی خدمت ہو، میں اس کے لئے تیار ہوں۔ آپس میں صلاح و مشورے کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے اور ہم سب کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ علمائے کرام کو عزت و احترام کا وہی مقام حاصل ہو جو ان کے شایانِ شان ہے۔ اگر علمائے کرام کو ان کا صحیح مقام مل گیا تو لازمی بات ہے کہ لوگ ان کی عزت کریں گے۔ ایک عالمِ دین کے لئے یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ وہ اپنی روزی کے لئے لوگوں کے دَر پر جائے، ان کے دروازے کھٹکھٹائے۔ یہ ہم لوگوں کا کام ہے کہ ان کے لئے معقول روزگار کا بندوبست کریں۔ اگرچہ ہمارے وسائل اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم ان کے لئے بنگلے بنا دیں، انہیں کاریں دے دیں، حالانکہ آجکل کے زمانے میں رہائش اور سواری کا ہونا انسان کی بنیادی ضروریات ہیں تاہم محدود وسائل کے اندر رہتے ہوئے ہم علمائے کرام کی مشکلات کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

ان گزارشات کے علاوہ جو میں نے ابھی آپ کی خدمت میں پیش کیں، اگر آپ حضرات کی طرف سے کوئی اور تجویز ہو جس کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو بڑے شوق سے آپ اس سلسلے میں ارشاد فرمائیں۔ میں سننے کے لئے تیار ہوں۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

"قلم قبیلہ" کے ریسرچ سنٹر کا سنگِ بنیاد رکھنے کے موقع پر خطاب

کوئٹہ : ۱۸ ستمبر، ۱۹۸۰ء

"قلم قبیلہ" کے ریسرچ سنٹر کا سنگِ بنیاد صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۸ ستمبر ۱۹۸۰ء کو رکھا۔

صدر نے اس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت قومی اور علاقائی سطح پر صحت مند ادب کے فروغ کی پوری حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ ادیبوں اور شاعروں کا یہ فرض ہے کہ وہ قوم کے اتحاد کو مستحکم کرنے اور بین الاقوامی سطح پر پاکستانی تشخّص کو ابھارنے میں اپنی کوششیں وقف کر دیں۔

شاعروں اور ادیبوں کی توجہ صدر نے اس امر کی جانب مبذول کرائی کہ ادیب علاقائی زبانوں میں ادب ضرور تخلیق کریں، مگر اس حقیقت کو ذہن میں رکھیں کہ علاقائی ادب پاکستانی ادب کا حصّہ ہے۔ ادب ادیبوں کے ہاتھ میں ایک طاقت ور ہتھیار ہے جسے ملک اور معاشرے کی اصلاح کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔

اپنے خطاب کے آخر میں صدر نے "قلم قبیلے" کو اس کی اعلیٰ کارکردگی

پر مبارک باد دی اور حکومت کی جانب سے یقین دلایا کہ وہ اپنے وسائل کے مطابق قلم قبیلے کی سکیموں کے لئے مالی امداد فراہم کرے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین

گورنر بلوچستان، جنرل رحیم الدین خان،
قلم قبیلے کی چیئرمین، بیگم ثاقبہ رحیم الدین،
قلم قبیلے کے ارکان
اور
معزّز حاضرین!

السلام علیکم۔ یہ ادب کے حوالے سے ادیبوں کی تنظیم "قلم قبیلہ" کی تقریب ہے۔ میں پیشے اور تربیت کے لحاظ سے ایک سپاہی ہوں اور بظاہر میرا تعلق دوسرے قبیلے سے ہے۔ قلم قبیلہ والوں نے غالباً قبائل کی روایتی فراخ دلی اور رواداری سے کام لیتے ہوئے مجھے اپنی تقریب میں مدعو کر لیا ہے، لیکن میں یہاں اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہیں کرتا کیونکہ سیف اور قلم کی رفاقت ہماری تاریخی روایت کا ایک حصّہ ہے۔ قلم جن قدروں، جن روایتوں اور جن ضابطوں کی تشکیل کرتا ہے،

سپاہی انہی قدروں، انہی روایتوں اور انہی ضابطوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ایک ملک کے اہلِ قلم اور اہلِ سیف ایک دوسرے کے حریف نہیں، حلیف ہوتے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے قوّت، عزت اور عظمت پاتے ہیں۔

ادب کی بے شمار سطحیں گنوائی جاتی ہیں اور اس کی بے شمار تعریفیں کی جاتی ہیں۔ میرے نزدیک ادب زندگی اور زمین کی دھڑکن کا نام ہے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے لئے بلوچستان کی دھڑکنوں کو براہ راست سننے اور ان تک اپنی آواز پہنچانے کا یہ موقع فراہم کیا ہے۔

خواتین وحضرات!

"قلم قبیلہ" ایک چونکا دینے والا نام ہے۔ انسان اس نام کے نئے پن پر ہی نہیں اس کے معنی پر بھی چونکتا ہے۔ قبیلہ اتحاد اور یک جہتی کی علامت بھی ہے اور قوت وعظمت کا مظہر بھی۔ اس لفظ پر غور کرنے سے مذندگی کے دیسع میدان میں چھوٹے چھوٹے دائروں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ قومی پس منظر میں یہ وسیع میدان "پاکستان" اور اس کے اندرونی دائروں میں سے ایک دائرے کا نام قلم قبیلہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ قبیلہ اہلِ قلم کی وسیع برادری کی رفاقت اور ہم قدمی کا عنوان ثابت ہوگا۔ اگر آپ صحت مند عناصر کو ساتھ لے کر درست سمت کی طرف گامزن رہے تو انشاء اللہ منزل خود بخود آپ کے قدم چومے گی۔ آپ کے اغراض ومقاصد سننے سے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے صحیح رخ پر اپنے سفر کا آغاز کیا ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا یہ قافلہ آگے بڑھتا جائے گا۔ قافلہ سالار بدلتے رہیں گے، نئے ارکان شامل ہوتے رہیں گے اور آپ کی منزل قریب تر آتی جائے گی۔

البتہ ایک چیز کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ نئی تنظیموں میں اعتماد پیدا کرنے کا ذریعہ وہ افراد ہوتے ہیں جو ابتدائی دور میں اس کے روحِ رواں اور مالک و مختار بنتے ہیں۔ قلم قبیلہ میں بھی ایسے افراد ہونے چاہئیں جن کا ماضی بے داغ اور کردار شک و شبہ سے بالا ہو۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے اور مشکوک وفاداریاں رکھنے والے اشخاص سے خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین، "قلم قبیلہ" کو نقصان پہنچ سکتا ہے اس لئے میں "قلم قبیلہ" کے ایک ہی خواہ کی حیثیت سے آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اپنے عزائم نیک اور مثبت رکھنے کے علاوہ اپنے دروازے بھی صرف بے داغ شہرت رکھنے والوں پر وا کریں۔

ادب کے حوالے سے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرے خیال میں ادب نہ صرف زندگی کی حقیقتوں اور صداقتوں کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ وہ انسانی شعور کو نکھارتا اور انسانی معاشرے کی تزئین بھی کرتا ہے۔ اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان ملکوں کی تاریخ بناتے اور لکھتے ہیں تو یہ دعویٰ بھی درست ہے کہ ادب انسانوں کی تقدیر لکھتا ہے۔

ادب اور صحافت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ صحافت واقعات کے پیچھے اور ادب واقعات کے آگے آگے چلتا ہے۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ مفکرِ اسلام حکیم الاُمت حضرت علامہ اقبالؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ہمارا الگ قومی وجود انہی کے خواب کی تعبیر ہے۔ اس وقت بیداری اور خود آگاہی کی جو زبردست لہر سارے عالمِ اسلام میں رواں دواں نظر آتی ہے، اس میں بھی دانش وروں اور ادیبوں کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ "قلم قبیلہ" کے ذریعے ادب کے فکری، تہذیبی، عصری اور لسانی تقاضوں کو سمجھنے کے لئے قابلِ قدر روشنی فراہم

ہو سکے گی۔

جہاں تک پاکستان میں ادب کے فروغ اور ادیب کی پذیرائی کا تعلق ہے، موجودہ حکومت کی کوششیں آپ کے سامنے ہیں میں ان کی تفصیلات میں جا کر خودستائی کا شکار نہیں ہونا چاہتا، لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ موجودہ حکومت نے علم و قلم کی قدردانی اور ادب و فن کی ترویج کے لئے کئی اقدامات کئے ہیں۔ اربابِ قلم کی تکریم کا یہی جذبہ مجھے کشاں کشاں آج قلم قبیلے میں کھینچ لایا اور یقین جانیئے کہ میں ان لمحوں کو اپنے لئے مسرّت و عزت کا باعث سمجھتا ہوں۔

میں اس موقع پر حکومت کے اس نظریے کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ادب کی تخلیق پر پہرے نہیں بٹھانے چاہئیں۔ حبّ الوطنی حکومت کی اجارہ داری نہیں، آپ کا قلم بھی اس کی ناموس اور عظمت کا نگہبان ہے۔ کوئی آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ یہ لکھیں اور یہ نہ لکھیں۔ ادیب رنگ، روشنی، خوشبو اور ہوا کا ہمسفر ہے۔ اسے کبھی قید نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ایک بات ضرور ہے کہ اگر ادب ایک طاقت ور ہتھیار ہے — جیسا کہ وہ ہے — تو میں کہوں گا کہ اس ہتھیار کو قومی خودکشی کے لئے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی۔

میں ہر اہم تقریب میں یہ بات دہراتا رہتا ہوں کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بات ہر طرح کے شک و شبے سے بالا ہو کر ہماری سوچ کا ایک حصّہ بن جائے تو ہمارے اعمال بھی نظریاتی مملکت کے تقاضوں پر پورا اتر سکیں گے۔ ہماری فکر، ہماری معاشرت، ہماری تہذیب، ہماری معیشت۔ گویا ہماری ہر شے — ایک "مخصوص نظامِ حیات" کے ساتھ منسوب

اور مشروط ہے۔ مسلمان اپنے مزاج کی ملّی ترکیب میں آفاقیت اور عدل و صداقت کا داعی ہے، مگر وہ آفاق میں گم نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنے اس تشخص کو جو دنیا بھر کے لئے قندیلِ نور کی حیثیت رکھتا ہے، ہر قیمت پر برقرار رکھنا ہے۔

ہمارے ادیبوں، شاعروں اور دانش وروں میں یہ رجحان بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ یا تو اتنے سکڑتے ہیں کہ قومی سوچ کی نفی کرتے ہوئے علاقائیت اور صوبائیت کے گھروندوں میں مقیّد ہو جاتے ہیں یا اتنے پھیلتے ہیں کہ آفاقیت کا ٹھپہ لگوانے کے لئے پاکستان کی حدود کو ہیچ سمجھنے لگتے ہیں۔ میرے خیال میں صحیح اندازِ فکر یہ ہے کہ علاقائی ادب کو قومی ادب کے دھارے کا ایک حصّہ سمجھ کر اس کی آبیاری کی جائے کیونکہ قومی ادب علاقائی ادب سے ہی پروان چڑھتا اور تقویت حاصل کرتا ہے۔ اس لئے آپ بے شک بَراہوِی، بلوچی یا پشتو ادب کے فروغ کے لئے کام کریں، لیکن آپ کے ذہن میں کوئی الجھن نہیں ہونی چاہیئے کہ آپ کا علاقائی ادب دوسرے علاقوں کے ادب کی طرح ایک "کُل" کا "جزو" ہے۔ اس "کُل" کا نام پاکستان اور "جزو" کا نام علاقائی ادب ہے۔ اگر پاکستان کو آپ نے اپنی فکر اور اپنی تخلیق کا محور اور اپنی شناخت کا حوالہ بنا لیا تو بین الاقوامی سطح پر آپ کی انفرادیت خود بخود اُبھر آئے گی۔

معزّز حاضرین! جس طرح بلوچستان کے پہاڑ قیمتی معدنی ذخائر سے مالامال ہیں، اسی طرح بلوچستان کا قدیم علاقائی ادب بھی انمول لعل و جواہر سے بھرا پڑا ہے۔ اس انمول خزانے کے اجزاء ابھی تک سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں، لیکن ان کو تلاش کر کے یکجا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جس طرح حکومت، بلوچستان کے معدنی ذخائر

کا کھوج لگا کر انہیں ملک کی خوشحالی اور بہبود کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے، اسی طرح "قلم قبیلہ" کو بھی قدیم علاقائی ادب کا کھوج لگا کر اسے منظر عام پر لانا چاہیئے تاکہ اس روشنی سے ملک کے دوسرے گوشے بھی فیض یاب ہو سکیں۔ یہ علاقائی ادب ہمارا قیمتی اثاثہ اور اس کی حفاظت ہمارا قومی فریضہ ہے۔ اس نیک کام میں حکومت "قلم قبیلہ" کی ہر طرح حوصلہ افزائی کرے گی۔

اس کے علاوہ بیگم رحیم الدین نے "قلم قبیلہ" کے جن منصوبوں کا ذکر کیا ہے، حکومت ان پر بھی ہمدردانہ غور کرے گی اور حتی المقدور ہر طرح کی مدد دے گی۔ میں "قلم قبیلہ" کی فوری امداد کے لئے ایک خطیر رقم کی خصوصی گرانٹ کا اعلان کرتا ہوں۔ اُمید ہے اس سے آپ کے فوری مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی۔

میں آخر میں ایک بار پھر "قلم قبیلہ" کو اس کی اعلیٰ کارکردگی پر مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اس دیئے کی روشنی بڑھتے بڑھتے مشعل حتیٰ کہ سورج بن کر نہ صرف پورے بلوچستان بلکہ سارے پاکستان کو منوّر کر سکے۔

پاکستان پائندہ باد

یونین کونسل کیچی بیگ سے خطاب

کیچی بیگ (بلوچستان) : ۱۹ ستمبر، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے دورۂ بلوچستان کے دوران یونین کونسل کیچی بیگ میں کونسلر حضرات اور عمائدین سے خطاب کیا۔

صدر نے کہا کہ یونین کونسل کیچی بیگ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ماڈل یونین کونسل ہے جو کہ دوسری یونین کونسلوں کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ یونین کونسلوں اور ڈسٹرکٹ کے مسائل کے بارے میں صدر نے کہا کہ مسائل کی نسبت ہمارے وسائل بہت کم ہیں، لیکن پھر بھی حکومت عوام کی بہبود سے متعلقہ شعبوں پر خصوصی توجہ دے گی۔

افغان مہاجرین کی ایک کثیر تعداد کی مہمان نوازی اور دیکھ بھال کرنے پر صدر نے صوبہ بلوچستان کے لوگوں کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین

جناب گورنر بلوچستان، لیفٹیننٹ جنرل رحیم الدین خان صاحب،
ملک محمد قاسم صاحب، چیئرمین یونین کونسل کیچی بیگ،
اور
معزز خواتین و حضرات!

السلام علیکم ۔ مجھے جب بھی کونسلر حضرات سے ملاقات کی سعادت ملتی ہے تو میں کوشش کرتا ہوں کہ خود کم بولوں اور آپ حضرات کی باتیں زیادہ سنوں ۔ آج میں کچھ وقت کی قلت کی وجہ سے معذرت چاہتا ہوں، مگر ایک دو ایسی باتیں ہیں جن کی طرف آپ کو متوجہ کرانا چاہتا ہوں ۔ انشاء اللہ اگلے مہینے اکتوبر میں میں بلوچستان اور خاص طور پر کوئٹہ کے تفصیلی دورے پر حاضر ہوں گا اور اس وقت آپ سے تفصیلی گفتگو ہوگی ۔ اس وقت چند ایک باتوں کی طرف آپ کی توجہ دلوانا چاہتا ہوں ۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں ایک ایسی یونین کونسل میں آیا ہوں جس کے متعلق

ملک قاسم صاحب خود یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ماڈل یونین کونسل ہے۔ ہم نہ صرف کیچی بیگ کو بلکہ اور یونین کونسلوں کو بھی ماڈل یونین کونسلیں بنانا چاہتے ہیں۔ میں آپ کا مشکور ہوں کہ ملک قاسم صاحب نے اپنے سپاسنامے میں اس چیز کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ دو اور باتوں کا ذکر بھی کیا ہے جن کی طرف میں بھی کچھ نشاندہی کرنا چاہتا تھا۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ پاکستان کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس قابل بنایا اور عالمِ اسلام نے ہم پر اس قدر بھروسہ کیا کہ انہوں نے پاکستان کو یہ فرض سونپا ہے کہ وہ پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر اقوام متحدہ میں عالمِ اسلام کی نمائندگی کرے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرے لیے اور پاکستان کے لیے دُعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فرض کو پورا کرنے میں کامیابی نصیب کرے اور ہم اس ذمّہ داری کو احسن طریقے پر نبھا سکیں۔

دوسری اہم بات افغان مہاجرین کا مسئلہ اور اس میں خاص طور پر بلوچستان کا حصّہ ہے۔ بلوچستان کا رقبہ ماشاءاللہ پاکستان کا نصف اور آبادی بہت کم ہے۔ اتنی کم آبادی ہوتے ہوئے بھی تین چار لاکھ سے زیادہ افغان مہاجرین کی دیکھ بھال کا بوجھ صوبۂ بلوچستان کے اُوپر ہے۔ میں آپ کے جذبۂ اخوت، جذبۂ ایمان اور اسلامی برادری کے اُس جذبے کی دل سے قدر کرتا ہوں جس کے تحت آپ افغان مہاجرین کی مدد کر رہے ہیں۔ میں آپ کے اس تعاون کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ اسی جذبے کے تحت ہم اپنے افغان بھائیوں کی مدد کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے کہ وہ افغانستان میں حالات اس قابل بنائے کہ افغان مہاجرین خوش وخرم اپنی آزادی اور ایمان و اسلام کو

قائم رکھتے ہوئے اپنے گھروں کو جائیں تاکہ افغانستان جو نہ صرف ہمارا پڑوسی ہے بلکہ ایک اسلامی ملک بھی ہے اس کا تشخص ایک غیر جانبدار NON-ALIGNED ملک کی حیثیت سے بحال ہو سکے اور وہ اپنے آپ کو ایک صحیح اسلامی مملکت ثابت کر سکے۔

یونین کونسلوں اور ڈسٹرکٹ کے بہت سے مسائل ہیں۔ میں اُن سے آگاہ ہوں۔ لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمارے وسائل بہت کم ہیں۔ کئی سال سے ہم نے بعض اہم اور ضروری اقدامات کی طرف توجّہ لی۔ ایسے اقدامات جن کا تعلق عوام کی بہبود سے ہے۔ اس میں تعلیم کا مسئلہ ہے، سڑکوں کا مسئلہ ہے، بجلی پہنچانے کا مسئلہ ہے اور ان تمام مسائل میں سر فہرست پینے کے پانی کی فراہمی کا مسئلہ ہے۔

آپ سوچئے! ہم پندرہویں صدی کے آغاز کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کا سن عیسوی جا رہا ہے اور اس دور میں ہم یہ کوشش کر رہے ہیں کہ لوگوں کو پینے کے پانی کی سہولتیں مہیا ہو سکیں۔ لوگ تو چاند پر پہنچ گئے ہیں اور ہم ابھی صرف پینے کے پانی کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے اور ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ عوام اور انتظامیہ نے گذشتہ کئی سال سے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ یہ اس بات کا خمیازہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور عوام کا تعاون شاملِ حال رہا اور اس اجتماع میں شریک وہ کونسلر حضرات اور خواتین جن کا تعلق صوبائی کونسل، میونسپل کونسل اور ڈسٹرکٹ کونسل کوئٹہ سے ہے اور وہ ممبران جو کیچی بیگ اور دوسری یونین کونسلوں کے ساتھ کام کرتے ہیں، اسی جذبے کے تحت کام کرتے رہے تو انشاء اللہ یہ مرحلہ بہت جلد گزر جائے گا اور ہم نہ صرف اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے بلکہ عوام کو ایسا معاشرہ دینے میں کامیاب

ہو جائیں گے جس کے تحت نہ صرف اسلامی شعائر کو فروغ حاصل ہو گا، بلکہ عوام صحیح معنوں میں اپنے آپ کو انسان اور مسلمان سمجھنے پر فخر کر سکیں گے۔

آپ کے اور بہت سے دوسرے مسائل بھی ہیں جن کی طرف میں نے ابھی توجہ نہیں دی اور جو صرف مالی مشکلات کی وجہ سے حل نہیں ہو سکے۔ میرے پاس تھوڑا سا وقت ہے۔ پیشتر اس کے کہ میں آپ کے سامنے ان باتوں کے متعلق اظہار خیال کروں جن کی طرف ابھی قاسم صاحب نے اپنے سپاسنامے میں توجّہ دلوائی ہے، آپ خواتین و حضرات میں سے کوئی اگر ان مسائل کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہے جن کی طرف ملک قاسم صاحب نے نشاندہی نہیں کی تو میں سننے کے لیے تیار ہوں۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

ساردھا بلوچستان میں زکوٰۃ کمیٹیوں سے خطاب

ساردھا : ۱۹ ستمبر، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت نے اپنے دورۂ بلوچستان کے سلسلے میں ۱۹ ستمبر، ۱۹۸۰ء کو موضع ساردھا میں زکوٰۃ کمیٹیوں سے خطاب کیا۔

اس موقع پر صدر نے نظامِ زکوٰۃ وعُشر پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ زکوٰۃ کی رقم کی تقسیم کے طریقۂ کار اور مستحقین کی فہرستوں کی تیاری اور جانچ پڑتال کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔

زکوٰۃ کمیٹیوں کے ارکان سے صدر نے کہا کہ آپ کو علاقے کے لوگوں نے اس نیک کام کے لئے چنا ہے۔ اس لئے آپ لوگوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ امین ہونے کی حیثیت سے آپ کے پاس جو ان کی امانتیں ہیں، آپ انہیں حق داروں تک پہنچا دیں۔

آخر میں صدر نے اعلان کیا کہ آئندہ سال تک بنکوں سے سودی نظام ختم کر دیا جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيۡنَ

گورنر بلوچستان، جنرل رحیم الدین صاحب،
جناب حاجی سرفراز خان صاحب، چیئرمین ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کوئٹہ
اور
معزّز حاضرین !

السلام علیکم - یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آج کوئٹہ میں یہاں کی زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمین حضرات اور ممبران سے مخاطب ہوں اور مجھے یہ سعادت بھی نصیب ہوئی ہے کہ میں نے زکوٰۃ کی تھوڑی سی رقم چند مستحقین میں تقسیم کی ہے۔

آپ نے اکثر و بیشتر کچھ میری زبانی، کچھ اخباروں یا ریڈیو کے ذریعے سنا ہو گا کہ جب سے زکوٰۃ و عشر آرڈیننس نافذ ہوا ہے یعنی ۲۰ جون، ۱۹۸۰ء سے لے کر اب تک جس صوبے میں بھی میں گیا ہوں، وہاں میں نے زکوٰۃ کمیٹیوں سے ملاقاتیں کی ہیں۔ میری یہ کوشش رہی ہے کہ جہاں کہیں بھی ممکن ہو، ان سے مِلا

جائے اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو چیز توجہ طلب ہے، اگر انتظامیہ خود اس معاملے میں غفلت برتے تو لازمی بات ہے کہ اس میں خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہو گی۔ اس لئے میں نے محسوس کیا کہ یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں جہاں بھی جاؤں وہاں کی زکوٰۃ کمیٹیوں سے ضرور ملوں۔ ان ملاقاتوں کا مقصد ان کی کارکردگی کا جائزہ لینا اور حسب ضرورت ان کی مدد کرنا ہے تاکہ ان کے کام میں اگر کوئی رکاوٹ ہے تو اسے دور کیا جا سکے۔

ان ملاقاتوں کی دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ و عُشر کے آرڈیننس کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی جائے۔ اس سے پہلے جو زکوٰۃ اور عُشر کا آرڈیننس ہم نے نافذ کیا تھا، اس کی چند ایک شِقّوں میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ حضرات کو پچھلے آرڈیننس کے اردو ایڈیشن کی کاپیاں مل چکی ہوں گی۔ ترمیم شدہ آرڈیننس کی اردو کاپیاں بھی انشاءاللہ عنقریب آپ تک پہنچ جائیں گی۔ اس آرڈیننس میں ہم نے چند ایک چیزوں کی تشریح کی ہے، وضاحت کی ہے۔ زکوٰۃ اور عُشر کا قانون جو ہم نے نافذ کیا ہے، اس کی وجوہات آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں، آپ ان سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ زکوٰۃ اسلام کے اہم ارکان میں سے ایک رُکن ہے۔ جہاں قرآن مجید میں نماز کا ذکر آیا ہے، وہاں زکوٰۃ کا بھی ذکر آیا ہے۔ اگر صحیح معنوں میں زکوٰۃ کے نظام SYSTEM کو چلایا جائے اور ہر شخص اپنا فرض سمجھ کر اس پر پوری طرح عمل کرے تو اس کا معاشرے پر خوشگوار اثر پڑے گا۔ اسلام کا جو معیشت کا نظام ہے اور اسلام کے جو فلاحی پہلو ہیں اگر انہیں اپنایا جائے تو پھر معاشرے میں کوئی شخص غریب نہیں رہ سکتا۔ اس نظام پر عمل کر کے ہیں یا آپ کسی پر احسان نہیں کریں گے بلکہ اپنا فرض ادا

کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے رزق میں کشادگی پیدا کی ہے، وسعت پیدا کی ہے جب کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی روزی میں وسعت نہیں بعض لوگوں کو یہ مواقع حاصل ہیں کہ وہ اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں جب کہ بعض لوگ اس عنایت سے محروم ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ معاشرے میں جو لوگ غریب ہیں، محتاج ہیں، نادار ہیں، یتیم ہیں، جو ضرورت مند بیوائیں ہیں ان کی مدد کی جائے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے اپنے ضرورت مند بھائی، بہن، بیوہ، اپنے قریبی رشتے دار اور پڑوسی کو اُن کا حصہ دیں۔ خیرات اور صدقات اپنی جگہ پر ہیں اور زکوٰۃ اپنی جگہ پر۔ ان سب کی الگ الگ اہمیت ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق حکم ہے کہ مستحق کو اس کا حق دلاؤ۔ ہم لوگ اس سلسلے میں جو کوششیں کر رہے ہیں تو یہ کسی پر احسان نہیں کر رہے، نہ ہی ہم کسی کی مدد کر رہے ہیں۔ میں اور آپ دونوں اپنا اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اور ہماری کوشش ہے کہ کسی طرح ایک مستحق کو اس کا حق مل جائے۔

زکوٰۃ کا قانون جو ہم نے بنایا ہے، اس میں ایک جبری پہلو بھی ہے۔ اس جبری پہلو کے تحت وہ تمام رقوم جو بنکوں میں، ڈاکخانوں میں، سیونگ SAVING اکاؤنٹ میں یا فکسڈ FIXED ڈپازٹ میں موجود تھیں اور جو ایک ہزار روپے یا اس سے زیادہ تھیں، ان میں سے ہم نے ڈھائی فی صد زکوٰۃ جبری طور پر کاٹ لی ہے۔ زکوٰۃ کی یہ رقم حکومت زکوٰۃ کمیٹیوں کے ذریعے مستحقین میں تقسیم کر رہی ہے اور اس کی پہلی قسط جاری کر دی گئی ہے جس کا ذکر ابھی آپ نے سنا اور جس کے تحت آپ کو فی زکوٰۃ کمیٹی تقریباً چھ ہزار روپے ملے ہیں۔ اس کے علاوہ عنقریب دوسری قسط بھی جاری کر دی جائے گی۔ اس سال جبری کٹوتی کے

ذریعے حاصل شدہ زکوٰۃ کی بقیہ رقم ہمارے پاس موجود ہے۔ وہ انشاء اللہ اس مالی سال یا زکوٰۃ کا سال ختم ہونے سے پہلے آپ کو مل جائے گی۔

اس سلسلے میں مختلف حلقوں کی طرف سے تنقید کی جا رہی ہے۔ فقہی اختلافات کی وجہ سے بھی اس پر کچھ اعتراضات کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے تمام علمائے کرام سے مشورہ کر کے، مختلف مکاتیب فکر کے لوگوں سے تبادلۂ خیال کرنے کے بعد اور اس موضوع پر اجتماعی طور پر بحث و مباحثہ کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس زکوٰۃ کے قانون میں تھوڑی سی ترمیم کی جائے۔ اس ترمیم کے خاص خاص نکات مجھے اُمید ہے کہ اب تک آپ کو معلوم ہو چکے ہوں گے۔ تاہم میں یہاں تھوڑی سی اس سلسلے میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

جہاں تک زکوٰۃ کے جبری پہلو کا تعلق ہے وہ اسی طرح موجود ہے۔ البتہ اس میں ہم نے تھوڑی سی لچک ضرور پیدا کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی جو رقوم بنکوں میں یا ڈاکخانوں میں جمع ہوں گی، اُن پر اسی طرح ڈھائی فی صد کٹوتی ہو گی۔ یہ مت خیال کیجئے کہ ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے اس میں نصاب کے سلسلے میں کچھ وضاحت کی ہے۔ چونکہ نصاب کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات تھے، اس لئے ہم نے اس ترمیم میں نصاب کی تشریح کر دی ہے۔ اس کی رو سے صاحبِ نصاب وہ شخص ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا یا اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ رقم موجود ہے۔ ان دو اشیاء میں سے جس کی قیمت کم ہو گی، اس پر زکوٰۃ کی کٹوتی ہو گی اور اتنی رقم رکھنے والے کو صاحبِ نصاب تصوّر کیا جائے گا۔ ہر سال زکوٰۃ کی رقم کی کٹوتی کے سلسلے میں یعنی جس رقم پر زکوٰۃ کاٹی

جائے گی، وفاقی حکومت کے ایڈمنسٹریٹر جنرل زکوٰۃ اعلان کریں گے جس میں وہ اس سال کے دوران چاندی اور سونے کی قیمت کے بارے میں بتائیں گے۔ یعنی زکوٰۃ کی کٹوتی کے سلسلے میں ان کی قیمتوں کا تعین کریں گے تاکہ اسی کے مطابق زکوٰۃ کی کٹوتی ہو سکے۔ ہر سال ایسی رقم جس پر زکوٰۃ کاٹی جائے گی، مختلف ہو سکتی ہے کیونکہ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہر سال مختلف ہو سکتی ہے۔ سونے کے مقابلے میں چاندی کی قیمت کم ہوتی ہے لہٰذا زکوٰۃ بھی اسی رقم پر وضع کی جائے گی جیسا کہ شرعی لحاظ سے جائز ہے۔ چونکہ غرباء کو ان کا حق دلانا ہے، اس لئے ہم نے نصاب ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے برابر رقم رکھا ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ایک سال تک جمع شدہ رقم میں سے کٹوتی ہو گی۔ جہاں تک کہ سودی نظام کا تعلق ہے، انشاء اللہ اگلے سال یہ ختم کر دیا جائے گا۔ ہم اسے ختم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ زکوٰۃ کی کٹوتی اصل رقم پر ہوتی ہے، منافع یا سود پر نہیں ہوتی۔ اس مرتبہ بھی یہی ہوا ہے اور آئندہ بھی یہی ہو گا۔ سود یا منافع جو مرضی ہو کہہ لیجئے، کی رقم علیحدہ ہے۔ ہم اصل میں سے ڈھائی فی صد کاٹتے ہیں۔ یہ ہیں زکوٰۃ کے خاص خاص نکات جن کا ابھی ذکر کیا گیا۔

اب اس میں جو لچک پیدا کی گئی ہے، اس کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بہت سے میرے بھائی جو شیعہ حضرات ہیں، جن کے فقہ کے مطابق اس طریقے سے زکوٰۃ نہیں کاٹی جا سکتی، نہ ہی اس طریقے سے تقسیم کی جا سکتی ہے تو انہیں اجازت ہے کہ وہ اپنے فقہ کے مطابق زکوٰۃ کے نظام پر عمل کریں۔ تاہم حکومت ان کے طریقۂ کار پر نظر ضرور رکھے گی۔ میں بڑے افسوس کے ساتھ کہتا ہوں

کہ سُنّی حضرات میں سے بھی بعض بزرگوں، دوستوں نے اس نظام پر تنقید کی ہے اور اس تنقید کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس میں کوئی بہتری پیدا کی جائے یا تبدیلی لائی جائے بلکہ صرف سیاست کی بنا پر ایسا کیا جا رہا ہے تاکہ کسی طرح نظام SYSTEM یہاں نہ چلے۔ اسے یہیں پر ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے کئی اعتراضات کئے۔ ایک صاحب نے کہا کہ چونکہ صدر ضیاء الحق نے سود کی رقم میں سے بھی زکوٰۃ کاٹ لی ہے" اس لئے یہ زکوٰۃ ناپاک ہو گئی ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو لوگ سود کھا رہے ہیں" ان کو تو یہ لوگ منع نہیں کرتے ان سے یہ نہیں کہتے کہ آپ نے خزانے میں، ڈاکخانے میں یا بنکوں میں جو رقوم جمع کر رکھی ہیں" ان پر سود نہ لیں۔ کسی عالم فاضل نے ایسے لوگوں کو سود لینے سے نہیں روکا۔ اُن سے یہ نہیں کہا کہ سود حرام ہے لہٰذا مت لو" لیکن جب میں نے ڈھائی فی صد رقم اصل میں سے کاٹی تو اس وقت یہ اعتراض کیا گیا کہ جناب اس میں سود کی رقم ملا دی گئی ہے جو کہ حرام ہے۔ اس نظام پر جو اعتراضات کئے جا رہے ہیں، وہ جائز نہیں ہیں۔ یہ محض تنقید برائے تنقید ہے۔ اس کا کوئی مثبت پہلو نہیں ہے۔ کئی لوگوں نے مجھ سے کہا کہ جناب دینی مدرسوں کا کام کیسے چلے گا۔ دینی مدارس کی آمدنی کم ہو جائے گی، کیونکہ زکوٰۃ اور صدقات کی رقم جو لوگوں کی طرف سے انہیں ملتی ہے، کم ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ میرے بھائیوں نے لکھ کر اور زبانی اور دوسرے طریقے سے علمائے دین کو اکسایا۔ دینی مدارس کو اکسایا کہ اگر کوئی رقم حکومت کی طرف سے ملے تو مت وصول کرو، واپس کر دو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہم نے تھوڑی بہت غرباء کی، مساکین کی، دینی مدارس کی خدمت کی ہے۔ جہاں تک دینی مدارس کا تعلق ہے" اس سلسلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ابھی جو ہم نے پہلی

قسط جاری کی ہے، اس میں دینی مدارس کا بھی کچھ حصّہ ہے اور اس بارے میں ہم نے وضاحت بھی کر دی ہے۔ فقہی لحاظ سے ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جوں کی توں مستحق افراد تک پہنچنی چاہیئے اور اسے بیواؤں یتیموں اور نادار طالب علموں میں تقسیم کر دیا جائے۔ زکوٰۃ کی رقوم دینی مدارس کو دیتے وقت میں نے کہا تھا کہ انہیں طلباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ اب یہاں پر بھی بہت سے عالم، فاضل اور مفتی صاحبان نے اختلاف کیا اور جو حضرات دینی مدارس چلا رہے ہیں، وہ مجھ سے ملے اور اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے اس میں ترمیم کی درخواست کی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ایسی ترمیم شرعی لحاظ سے، فقہی لحاظ سے درست ہے اور اس ترمیم کی رو سے دینی مدارس کو ملنے والی رقوم مہتمم مدرسہ بطورِ وکیل وصول کریں گے اور پھر انہیں طلباء میں تقسیم کریں گے یا طلباء کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے استعمال کریں گے۔ اس سے یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی کہ ایسی رقوم صرف طلباء کو ملنی چاہئیں۔ اس ترمیم کی رو سے مدرس یا مہتمم اور طلبا کے درمیان غلط فہمیوں کو دور کرنے میں مدد ملے گی۔ اب نہ طلبا یہ سمجھیں گے کہ ایسی رقوم صرف انہیں ملنی چاہئیں نہ مدرس، مہتمم یہ سمجھیں گے کہ یہ ان کے دینی مدرسے کے لئے آئی ہیں۔ اس سلسلے میں مَیں نے ہدایات جاری کر دی ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ ہر زکوٰۃ کمیٹی محلّہ کی سطح پر یا وارڈ کی سطح پر شہری علاقے میں اور گاؤں کی سطح پر دیہی علاقے میں بنی ہے جس کے سات ارکان ہوتے ہیں اور وہ اپنا ایک چیئرمین مقرر کرتے ہیں۔ ان زکوٰۃ کمیٹیوں کے بارے میں آپ کو علم ہوگا جو کوئٹہ اور بلوچستان میں ہیں، یعنی یہ کہ کتنی تحصیل کمیٹیاں، کتنی ضلعی کمیٹیاں اور کتنی دوسری کمیٹیاں ہیں۔ جتنے ضلعے ہیں، اتنی ہی ڈسٹرکٹ

کمیٹیاں ہیں اور صوبائی سطح پر ایک صوبائی زکوٰۃ کونسل قائم کی گئی ہے جو متعلقہ صوبے میں زکوٰۃ کے تمام انتظامات کا جائزہ لیتی ہے۔ اب اس ضمن میں میں یہاں آپ سے صرف دو گزارشات کرنا چاہتا ہوں۔

ایک تو یہ کہ اس نظام SYSTEM کو چلانے کے لئے دو چیزوں پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ حکومت جو جبری طور پر زکوٰۃ کی رقم وصول کر رہی ہے اور اسے تقسیم کر رہی ہے، صرف اسی بات پر آپ کی ساری توجہ نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ محض اس پر انحصار کرنے سے غرباء اور مساکین کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ ہر زکوٰۃ کمیٹی کے لئے دو چیزوں کا اہتمام کرنا بہت ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ اسے اپنے علاقے کے صاحبِ نصاب لوگوں کا علم ہونا چاہیئے۔ اسی مقصد کے پیش نظر ہم نے اس کا حلقہ محدود رکھا ہے۔ وارڈ کی جو سطح ہے وہ ایک، دو یا چند محلوں پر مشتمل ہے اور گاؤں کی سطح پر ایک گاؤں ہے۔ محدود حلقے کی وجہ سے ہر شخص بہ آسانی جان سکتا ہے کہ اس کے گاؤں یا وارڈ میں کتنے لوگ صاحبِ نصاب ہیں، ان کی آمدنی کیا ہے اور مالی حیثیت کیسی ہے۔ کتنے لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں اور کن لوگوں کو دیتے ہیں اور اگر نہیں دیتے تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کی طرف مائل کرنے کے لیے کن اقدامات کی ضرورت ہے۔

جہاں تک جبری پہلو کا تعلق ہے، وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ میں بنکوں سے خود وصول کر لوں گا۔ میں زکوٰۃ کمیٹیوں اور ان کے ممبران سے گزارش کروں گا کہ وہ نہایت خوش اسلوبی سے، اطمینان سے، تسلی سے اس فریضے کو سرانجام دیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ لوگوں کے پاس جائیں۔ ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنی وہ زکوٰۃ، زکوٰۃ

کمیٹیوں کو دیں جو جبری کٹوتی کے علاوہ بنتی ہے۔ ان سے کہیں کہ زکوٰۃ فرض ہے۔ اختیاری VOLUNTARY طور پر جو زکوٰۃ وہ نکالتے ہیں اسے وصول کریں۔ زکوٰۃ کے بارے میں یہ آیا ہے کہ جو صاحبِ نصاب ہیں انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ اپنی مرضی سے اپنے رشتہ داروں، پڑوسیوں کو یا کہیں اور تقسیم کر سکتے ہیں۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ اختیاری زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کمیٹیوں کو بھی ملے تاکہ اس علاقے کے لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ لہٰذا آپ حکومت کی طرف سے فراہم کردہ ایسی رقم پر ہی سارا انحصار نہ کریں۔ آپ خود بھی محنت سے، تسلّی سے، اطمینان سے اللہ کا نام لے کر لوگوں سے ایسی زکوٰۃ وصول کریں۔ اس کا حساب کتاب ACCOUNT رکھیں کیونکہ یہ آپ کی ذمہ داری ہے اور پھر اسے علاقے کے مستحقین پر خرچ کریں۔ ایسی رقوم کی تقسیم کے بارے میں تعیّن کرنا کہ کس کو کتنی رقم دی جائے، زکوٰۃ کمیٹی کی ذمہ داری ہے۔ ہم اس کے متعلق کوئی احکامات جاری نہیں کر رہے ہیں۔

پچھلے دنوں ہم نے احتیاطاً آپ کو بتایا تھا کہ آپ چالیس روپے یا اسّی روپے کے حساب سے حکومت کی طرف سے ملنے والی زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم کر دیں۔ بعد میں ہم نے محسوس کیا کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ لہٰذا اب یہ لوکل زکوٰۃ کمیٹی پر منحصر ہے کہ وہ اپنی آمدنی کے مطابق اس علاقے کے مستحقین کی تعداد مقرّر کرے اور ان میں زکوٰۃ تقسیم کرے۔ البتہ یہاں میں اس چیز کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ زکوٰۃ کی رقم جو آپ تقسیم کریں اس کا تعیّن کرتے وقت اس کی افادیت کو ملحوظ رکھیں۔ مثال کے طور پر آپ کی آمدنی پانچ ہزار ہے اور پچاس آپ کے علاقے کے مستحقین ہیں۔ ایسی صورت میں ایک شخص کے حصے میں جو رقم

آئے گی وہ صرف سو روپے ہوگی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ مساوی طور پر یہ رقم ان میں تقسیم کر کے ان کی اہم ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں؟ یا یہ بہتر ہوگا کہ پچاس میں سے دس آدمی، دس عورتیں یا دس بیوگان، یتیم یا نادار طلباء کو چن لیا جائے جن کو کہ اس کی اشد ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بجائے اس کے کہ آپ اسّی، اسّی یا سو، سو روپے تقسیم کریں، ایک ایک ہزار روپیہ تقسیم کر دیں یا کسی بیوہ کو سلائی مشین دے دیں، کسی بچے کے سکول کی فیس ادا کر دیں، کسی غریب بیمار کا علاج کرا دیں۔ میرے خیال میں یہ طریقہ بہتر ہوگا، بجائے اس کے کہ آپ کے پاس جو رقم آئی، وہ سب میں مساوی طور پر آپ نے تقسیم کر دی۔ اس طرح تو کسی کو چالیس روپے ملیں گے اور کسی کو اسّی روپے اور ظاہر ہے کہ اس قلیل رقم سے کسی کے آٹے دال کا خرچہ بھی پورا نہیں ہوگا ہاں یہ ضرور ہے کہ پہلے اسے کچھ نہیں ملتا تھا، اب چالیس روپے اس کے پاس آ جائیں گے۔

لہٰذا ان دو چیزوں کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ یعنی ایک تو رقم کی تقسیم کے طریقۂ کار کی طرف جو آپ طے کریں گے کیونکہ اس کا اختیار زکوٰۃ کمیٹی کو ہے۔ دوسری یہ کہ آپ کے پاس صاحبِ نصاب اور مستحقین کی فہرستیں LISTS ہونی چاہئیں۔ اس سلسلے میں حساب کتاب رکھنا اور اس کی جانچ پڑتال زکوٰۃ کمیٹی کی ذمہ داری ہے۔

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ لوگوں نے آپ کو چنا ہے اگر زکوٰۃ کمیٹی کی تشکیل صحیح ہوئی ہے تو لازمی طور پر ہر وارڈ میں یا گاؤں میں ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی یا انتظامیہ کی نگرانی میں اس کے لئے صحیح ارکان کا انتخاب کیا گیا ہے اور اس

علاقے کے لوگوں نے ایک جگہ جمع ہو کر ان سات افراد کو منتخب کیا ہے جن پر ان کو پورا پورا بھروسہ ہے، اعتبار ہے۔ جن کے بارے میں انہیں یقین ہے کہ وہ امین ہیں۔ لہٰذا اس طریقے سے آپ کو چُنا گیا ہے۔ اگر کہیں چناؤ غلط طریقے سے ہوا ہے تو یہ لوکل زکوٰۃ کمیٹی کی ذمہ داری ہے، جناب سرفراز خان صاحب کی ذمہ داری ہے، ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران کی ذمہ داری ہے، انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس چیز کا جائزہ لیں اور اس بارے میں چھان بین کریں۔ اگر کسی جگہ اس سلسلے میں کچھ کوتاہی یا غلطی ہوئی ہے یا غلط آدمی زکوٰۃ کمیٹی میں آ گئے ہیں تو ایسے افراد کو فوراً تبدیل کریں کیونکہ لوگوں نے آپ کو اس وجہ سے نہیں چُنا ہے کہ آپ کا کسی پارٹی سے تعلق ہے یا آپ کا مکان تین منزلہ ہے یا آپ کی پگڑی کا شملہ بہت اونچا ہے۔ آپ کو لوگوں نے صرف اور صرف اس وجہ سے چُنا ہے کہ لوگوں کی نظروں میں آپ امین ہیں، دیانت دار ہیں، دین دار ہیں اور آپ کا ایمان مضبوط ہے۔ یہ بہت بڑا رتبہ ہے جو لوگوں نے آپ کو دیا ہے۔ آپ کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔

لہٰذا مجھے یقین ہے کہ امین ہونے کی حیثیت سے لوگوں کی جو امانتیں آپ کے پاس ہیں، آپ انہیں حق دار تک پہنچا دیں گے۔

یہ چند ایک معروضات تھیں جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگوں کے ذہنوں میں بھی اس سلسلے میں کئی سوالات ہوں گے، بعض امور کے بارے میں وضاحتیں درکار ہوں گی، بعض غلط فہمیاں بھی ہوں گی۔ تو اس لئے میں یہ چاہوں گا کہ آپ حضرات میں سے جو بھی چاہیں، کسی نکتے کے بارے میں وضاحت طلب کر سکتے ہیں یا

اپنے مفید مشورے سے مجھے اور اس مجلس کے دیگر اراکین کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ میں ان کا خیر مقدم کروں گا۔ اگر آپ کے ذہن میں کوئی تجویز ہے تو بڑے شوق سے بتائیں۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

پاکستان آرمی رائفل ایسوسی ایشن کی تقریب سے خطاب

جہلم : ۲۱ ستمبر، ۱۹۸۰ء

۲۱ ستمبر، ۱۹۸۰ء کو جہلم میں پاکستان آرمی رائفل ایسوسی ایشن کے نشانہ بازی کے مقابلوں کے اختتام پر صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے انعامات تقسیم کئے اور حاضرین سے خطاب کیا۔

صدر نے انعامات جیتنے والے افراد اور یونٹوں کو مبارکباد دی اور کہا کہ نشانہ باز ہونا سپاہیوں کی شان ہی نہیں بلکہ پیشہ ورانہ ضرورت بھی ہے۔ ملک کے دفاع کو مضبوط کرنے میں حکومت کے کردار کے ساتھ مسلّح افواج کی سخت محنت کا بھی حصّہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ وسائل مہیّا کرنا حکومت کا کام ہے اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں اضافہ کرنا آپ کا کام ہے۔

صدر نے اس یقین کا اظہار کیا کہ مسلح افواج اور عوام ملک کی آزادی اور تحفّظ کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ ہماری دفاعی تیاریاں کسی ملک کے خلاف نہیں بلکہ ملکی سالمیّت اور وقار کے تحفّظ کے لئے ہیں۔

حکومت محدود وسائل کے باوجود مسلح افواج کو انتہائی جدید ہتھیاروں سے لیس کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

کور کمانڈر، جنرل اعجاز عظیم،

جنرل انور مسعود صاحب،

آفیسرز،

جے سی اوز صاحبان

اور

میرے بہادر سپاہیو!

السلام علیکم۔ آپ نے نشانہ بازی کے اس سالانہ مقابلے میں جس اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے، اسے دیکھ کر مجھے انتہائی خوشی ہوئی ہے۔ میں ان تمام افراد اور یونٹوں کو جنہوں نے اس مقابلے میں انعامات جیتے ہیں، مبارکباد دیتا ہوں۔ خاص طور پر پریذیڈنٹ میڈل اور قائداعظم ٹرافی پانے والوں کو خصوصی شاباش کا مستحق سمجھتا ہوں۔ میں کور کمانڈر، جنرل جہانداد خان، ۲۳ ڈویژن

کے جی ایچ کیو، جنرل عالم جان مسعود اور پاکستان آرمی رائفل ایسوسی ایشن کے تمام اراکین کو یہ کامیاب مقابلہ منعقد کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔

جیسا کہ ابھی جنرل ڈار صاحب نے آپ کو بتایا، آئندہ مقابلے انشاء اللہ نئے قواعد و ضوابط کے مطابق ہوں گے۔ جو مقابلے ابھی ختم ہوئے ہیں وہ ۱۹۶۸ء کے قوانین کے مطابق منعقد کرائے گئے تھے۔ نئے قوانین مرتب کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ نشانہ بازی کے مقابلوں کا دائرۂ کار وسیع کیا جائے اور اس میں زیادہ سے زیادہ افراد کو حصہ لینے کا موقع دیا جائے۔

اچھا نشانہ باز ہونا ایک سپاہی کی شان ہی نہیں بلکہ اس کی پیشہ ورانہ ضرورت بھی ہے۔ آپ فوجی تربیت کے جتنے بھی مراحل سے گزرتے ہیں، ان کا انتہائی نقطہ "نشانہ بازی" ہوتا ہے MAP READING میں خواہ کتنے ہی طاق ہوں، فیلڈ کرافٹ میں کتنے ہی اچھے ہوں، ہتھیاروں کی معلومات کتنی ہی عمدہ ہوں، لیکن اگر آپ گولی نشانے پر نہیں لگا سکتے تو میدانِ جنگ میں آپ کی افادیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

نشانہ بازی کی تربیت دینا اور اسے عمدہ معیار تک لانا یونٹوں کا کام ہے اور یونٹوں کی نگرانی اعلیٰ فارمیشن کے ذمے ہوتی ہے۔ ہر سال نشانہ بازی کے مقابلے کرانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مختلف یونٹوں میں اعلیٰ نشانہ بازوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور نشانہ بازی کے معیار کو مزید بہتر بنایا جائے۔

مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ نشانہ بازی کا معیار بلند کرنے کے ساتھ ساتھ بہتر ہتھیاروں کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ مسلح افواج دفاعی ذمہ داریوں سے احسن طریقے سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ موجودہ حکومت نے محدود مالی وسائل کے

باوجود اس طرف خصوصی توجہ دی ہے اور افواجِ پاکستان کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں ہماری بعض کوششیں پہلے ہی کامیاب ہو چکی ہیں اور مزید کوششیں جاری ہیں۔

میں پہلے بھی یہ واضح کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم کسی ملک کے خلاف کسی قسم کے جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم صرف اپنی آزادی، اپنی سالمیت اور اپنی عزت کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں۔ عزت اور آزادی کا تحفظ صرف نیک جذبات اور عمدہ الفاظ کے ذریعے نہیں ہو سکتا اس کے لیے مادی وسائل کی ضرورت ہے جن میں ہتھیار سرفہرست ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ دفاعی لحاظ سے ملک آج پہلے کی نسبت اللہ کے فضل و کرم سے مضبوط ہے اس میں حکومت کی کوششوں کے علاوہ افواجِ پاکستان کی اپنی محنت کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ حکومت کا کام ہتھیار مہیا کرنا اور آپ کا کام ہتھیاروں سے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کو چمکانا ہے۔ آپ سے میری گزارش ہے کہ آپ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اور زیادہ سے زیادہ توجہ اپنی پیشہ ورانہ مہارت کو بہتر بنانے پر صرف کریں۔

یہ بات نہایت حوصلہ افزا ہے کہ افواجِ پاکستان کی طرح پوری قوم علاقائی صورتِ حال سے باخبر ہے اور اپنی ذمہ داریوں کا گہرا احساس رکھتی ہے، پاکستان کا ایک ایک فرد اپنے ملک کی آزادی اور ناموس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہے۔ ہمارا یہ اندرونی اتحاد اور جذبۂ دفاع سب سے موثر ہتھیار ہے۔ جب تک قوم کی صفوں میں اتحاد ہے، افواجِ پاکستان اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے سینہ سپر ہیں اور ہم میں سے ہر فرد ملک کی خاطر جان و مال

قربان کرنے کے لیے تیار ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایات شامل حال رہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر پاکستان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

پاکستان پائندہ باد

مشائخ کنونشن کے افتتاحی اجلاس سے خطاب

اسلام آباد : ۲۲ ستمبر، ۱۹۸۰ء

پہلا مشائخ کنونشن ۲۲ ستمبر، ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں منعقد ہوا۔ صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے کنونشن کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کیا۔

کنونشن میں شرکت کی دعوت قبول کرنے پر صدر نے مشائخِ کرام کا شکریہ ادا کیا۔ صدر نے کہا کہ یہ کانفرنس ایسے موقع پر منعقد ہو رہی ہے جب ہم اپنے وطنِ عزیز میں نفاذِ اسلام کے لئے عملی اقدام کر رہے ہیں۔ نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے ہمیں تحریکِ پاکستان کے جذبے سے کام کرنا چاہیئے۔

صدر نے مشائخِ کرام سے اپیل کی کہ وہ ملک میں نافذ کئے گئے اسلامی قوانین کو زیادہ موثر بنانے، اسلامی اقدار کو فروغ دینے اور قومی اتحاد کو مضبوط بنانے کے لئے تجاویز پیش کریں۔ نفاذِ اسلام کی کوششوں کو کامیاب بنانے کے لئے موجودہ حکومت کی عملی حمایت کریں۔

قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں مشائخ کے اہم کردار کا ذکر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ ہم متعدد دشواریوں کے باوجود کچھ فلاحی و تعزیری قوانین رائج کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مشائخ اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنا تاریخی کردار پھر دہرائیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کنونشن کو تین بنیادی مقاصد پر غور کرنا چاہیئے۔

اوّل' نافذ شدہ قوانین کو کس طرح موثر بنایا جا سکتا ہے۔ دوم' اسلامی اقدار کے فروغ و اشاعت کے لئے کیا ضروری اقدام کئے جانے چاہیئں اور سوم' قوم کے درمیان اتحاد و یگانگت کو مستحکم کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔

صدر نے امید ظاہر کی کہ علماء کنونشن کی طرح مشائخ کنونشن بھی کامیاب رہے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ

جناب وزیرِ مذہبی امور، محمود اے۔ ہارون صاحب،

مشائخِ کرام،

مفکّرینِ اسلام،

سامعین اور حاضرینِ کرام!

السلام علیکم۔ کل جب مشائخ کانفرنس کے انتظامات ہو رہے تھے تو ہمیں یہ پیغام ملا تھا کہ جہاں مشائخِ کرام بیٹھے ہوں، وہاں کسی شخص کو ان سے اونچا ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ لہٰذا آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں پر کسی اسٹیج کا بندوبست نہیں ہے کیونکہ اسٹیج پر تو مجھے بیٹھنا تھا اور میں تو آپ کا خادم ہوں، آپ سے اونچا کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔ آپ حضرات کا جو مقام ہے، وہ ظاہر اور واضح ہے۔ میں تو خادم ہوں، قوم کا بھی اور آپ کا بھی!

دوسری بات جس کا میں اظہار کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہارون صاحب نے علماء،

کنونشن کا ذکر کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کا فضل و کرم ہے کہ اس کنونشن میں ہمیں نہ صرف کامیابی ہوئی بلکہ بہت سی خیر و برکتیں بھی حاصل ہو رہی ہیں۔

اس کنونشن میں جس میں مشائخ کرام تشریف فرما ہیں اور جس کی ابتدا اللہ کے نام اور اس کے کلام سے ہوئی، جس عقیدت سے میرے دوستوں نے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پڑھی اور جس عقیدت سے ہم سب نے سُنی، اس سے نظر آتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ کنونشن بھی اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر کامیاب ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے نیک کاموں میں برکت دے۔

آج سے چند ماہ پہلے جب میں جناب پیر صاحب دیول شریف سے بات چیت کر رہا تھا تو ان کی طرف سے یہ مشورہ دیا گیا کہ مشائخ کانفرنس ہونی چاہیئے۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ ان کی طرف سے ایک ایسے امر کا اشارہ کیا گیا جسے کچھ عرصے کے بعد میں نے خود بھی محسوس کیا۔ یہ علماء کنونشن سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔ پھر علماء کنونشن کے وقت ہم نے فیصلہ کیا کہ مشائخ کانفرنس الگ ہونی چاہیئے۔ اس سلسلے میں میں محترم جناب پیر کرم شاہ صاحب اور حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہمارا حوصلہ بڑھایا اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان کے اکثر و بیشتر سرکردہ مشائخ یہاں موجود ہیں۔ یہ مشائخ کانفرنس جو پاکستان میں اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس ہے، ہماری ملکی تاریخ کے ایک اہم موڑ پر منعقد ہو رہی ہے۔

یہ کانفرنس ایک ایسے موقع پر منعقد ہو رہی ہے جب ہم صدیوں کی امنگوں اور برسوں کی کوتاہیوں کے بعد اپنے وطنِ عزیز میں نفاذِ اسلام کے لئے عملی اقدام کر رہے ہیں۔ اس اجتماع میں آپ کی شرکت نفاذِ اسلام کی کامیابی کے لئے ایک نیک فال ہے۔ میں اس کانفرنس میں آپ کو تہ دل سے خوش آمدید کہتا ہوں اور آپ کا شکریہ

ادا کرتا ہوں کہ آپ نے نہ صرف اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالا بلکہ اس اجتماع میں شرکت کے لئے طویل سفر کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یقیناً اس زحمت کا اجر دیں گے۔

لوگ کہتے ہیں کہ حکومت نے اسلام آباد میں مشائخ کو مدعو کر کے ان کی عزّت افزائی کی ہے اور ملکی معاملات میں انہیں ان کا جائز مقام دیا ہے۔ میرا نقطۂ نظر کچھ اور ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مشائخ کرام نے میری دعوت قبول کر کے میری اور موجودہ حکومت کی عزّت افزائی کی ہے اور دارالحکومت اور اس میں منعقد ہونے والی اس تقریب کے وقار میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ ورنہ تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں جب مشائخِ ذی وقار نے سربراہانِ مملکت کی دعوت کو ٹھکرا کر اپنی روحانی دنیا میں ہی رہنے کو ترجیح دی۔ آپ کا یہاں تشریف لانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ موجودہ حکومت کو خادمِ اسلام سمجھتے ہیں اور نفاذِ اسلام کے لئے اس کی کوششوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کرم فرمائی کے لئے آپ ہمارے دلی تشکر کے مستحق ہیں۔

حاضرینِ گرامی! میں اپنی ابتدائی تقریر کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا کیونکہ اس تقریب کے منعقد کروانے کا بنیادی مقصد آپ کے خیالات سے مستفید ہونا ہے، لہٰذا چند ابتدائی کلمات کے بعد میں آپ کے سامنے بیٹھ کر پوری توجہ اور دل جمعی سے آپ کے خیالات سنوں گا، اس اجتماع کے اختتام پر چند معروضات پیش کروں گا اور اس بات کی کوشش کروں گا کہ آپ کے نکات کو اپنی اختتامی تقریر میں سمیٹ سکوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری ابتدائی معروضات مشائخِ کرام کے تاریخی کردار اور معاشرے میں ان کی اہمیّت کے تبصرے کے بغیر نامکمل ہوں گی، لہٰذا اس موضوع پر چند گزارشات پیش کرتا ہوں۔

پیر و مرشد کا مقام ہمارے معاشرے میں بہت اہم ہے۔ ہمارے پاکستانی مسلمان مشائخ کی عزت کرتے ہیں اور ان سے رہنمائی کی تمنا رکھتے ہیں۔ آبادی کی اکثریت آپ کے زیرِ اثر ہی نہیں بلکہ آپ کے زیرِ کمان بھی ہے۔ لوگ آپ کے کلمات، آپ کے جذبات اور آپ کی خواہشات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔ ایسے حالات میں مشائخِ کرام کا قوم کو دینِ حق کی طرف راغب کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ میں تو ایک گنہگار سا انسان ہوں اور قوم کا خادم ہوں، مگر آج کے اس تاریخی اجتماع میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسے ایسے جیّد، متقی، اور پرہیزگار علماء و مشائخ موجود ہیں جن کی ذات اور خدمات پر ہمیں فخر کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی خدمت کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

ہماری ملّی تاریخ کا ایک یادگار سنگِ میل قیامِ پاکستان ہے۔ پاکستان کو بنے ہوئے بمشکل تینتیس سال ہوئے ہیں جب کہ آپ میں اکثر حضرات کی روحانی اور دینی خدمات کی تاریخ اس سے کہیں طویل تر ہے۔ درحقیقت دیکھا جائے تو قیامِ پاکستان کی بنیاد صدیوں پہلے ان علماء، مفکّرین اور مشائخ نے رکھی تھی جنہوں نے خاموشی سے اپنے اپنے مکتب اور خانقاہوں سے تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا اور پھر ان سجادہ نشینوں اور روحانی پیشواؤں نے اس کام کو اس محنت اور لگن کے ساتھ جاری رکھا کہ لاکھوں انسانوں کی زندگیاں نورِ اسلام سے منوّر ہو گئیں۔ اس ضمن میں یہ کہنا بھی بے جا نہ ہو گا کہ مشائخِ اسلام نے عساکرِ اسلام کی فتوحات سے قبل ہی اعلیٰ اخلاق اور اسلامی تعلیمات کے ذریعے لوگوں کے قلب و ذہن کو فتح کر لیا تھا۔ شہنشاہوں کی فتوحات کے اثرات زمانے کے تغیّرات کے ساتھ گھٹتے اور بڑھتے رہے لیکن صوفیائے کرام اور مشائخِ عظام کی فتوحات کے نقش ان کے معتقدین کے دلوں پر ہمیشہ کے لئے ثبت

ہوتے چلے گئے۔

اسی تاریخی تسلسل کا ذکر کرتے ہوئے اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہو گا کہ ہمارے علماء اور مشائخ نے اپنی سرگرمیوں کو مسجد، مکتب یا حجرے کی چار دیواری تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ انہوں نے ترویجِ اسلام کے لئے عملی جہاد بھی کیا۔ یہاں تک کہ کسی مسلمان فرمانروا نے اسلام کے سچے اصولوں سے انحراف کرنے کی کوشش کی تو علماء اور مشائخ نے اس کے خلاف باقاعدہ محاذ قائم کیا اور جب تک یہ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوئے، اپنا یہ جہاد جاری رکھا اور آخر کار باطل کو سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا۔

تحریکِ پاکستان کے دوران ہمارے علماء اور مشائخ کی خدمات سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ انہوں نے رائے عامہ کو بیدار کرنے کے لئے اپنے پیروکاروں کو تیار کیا، آمدورفت کی دقتوں کے باوجود ملکی دورے کئے، جلسوں سے خطاب کیا اور بالآخر قوم کو اس منزل تک پہنچنے کا اہل بنا لیا جس کا اس نے عہد کیا تھا۔ ان حالات میں جب حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے تحریکِ پاکستان میں نئی روح پھونکنے کا تہیّہ کیا تو ہمارے جیّد علماء اور قابلِ احترام مشائخ نے اپنی انتھک کوششوں سے ان کے کام کو آسان بنا دیا۔ اس سلسلے میں جناب پیر جماعت علی شاہ، میاں غلام اللہ شرقپوری، پیر غلام محی الدّین گولڑوی، علامہ علاء الدین صدیقی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر کئی اکابرین کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کو مجھ سے بہتر طور پر معلوم ہو گا کہ جب علی گڑھ یونیورسٹی کی ترقی اور بعد ازاں مسلم لیگ کی نشوونما کے لئے مالی مشکلات کی ضرورت پڑی تو حضرت پیر جماعت علی شاہ نے اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے لاکھوں روپے کا چندہ دیا۔ اسی طرح جب ۱۹۴۵ء میں انتخابات کا دور شروع ہوا تو خواجہ حسن نظامی دہلوی، حضرت محمد سلیمان تونسوی اور

دیگر بزرگوں نے اپنے مریدوں کو آمادہ کیا کہ وہ مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے کام کریں. بے شک مسلم لیگ کی کامیابی کا مطلب تحریکِ پاکستان کی کامیابی تھا۔ پھر آپ کو بنارس میں منعقد ہونے والا ۱۹۴۶ء کا وہ عظیم الشان اجتماع بھی یاد ہو گا جس میں برصغیر کے طول و عرض سے چھ ہزار علماء و مشائخ اور لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس ایمان افروز اجتماع نے نظریۂ پاکستان کی تائید اور توثیق کر کے حصولِ پاکستان کی منزل کو آسان بنا دیا۔

اس مختصر تقریر میں ایسے تمام اجتماعات کا ذکر کرنا اور تمام برگزیدہ مشائخ کی کوششوں پر روشنی ڈالنا ممکن نہیں لیکن میں ۱۹۴۷ء میں صوبۂ سرحد کے اس تاریخی ریفرنڈم کا ذکر ضرور کرنا چاہتا ہوں جس کی کامیابی میں علماء اور مشائخ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ قائداعظم کو صوبۂ سرحد کے دورے کی دعوت سب سے پہلے سرحد کے بعض علماء اور مشائخ نے دی تھی۔ حضرت قائداعظم کے اس تاریخ ساز دورۂ سرحد کے بعد مولانا عبدالحامد بدایونی وہاں تشریف لے گئے اور انہوں نے دیگر اکابرین کے ساتھ مل کر جگہ جگہ نظریۂ پاکستان کو واضح کیا۔ جناب پیر صاحب مانکی شریف کی خدمات کا کون اعتراف نہیں کرتا۔ آج جب ہم صوبۂ سرحد کے مخلص اور غیور مسلمانوں کو اس صحیح تاریخی فیصلے پر مبارکباد دیتے ہیں تو ہم ان مشائخ کی خدمات کا بھی کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں جنہوں نے اس ریفرنڈم کی کامیابی کے لئے لوگوں کے ذہنوں کو تیار کیا۔

حضراتِ گرامی! کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد دوسرے ہم وطنوں کی طرح ہمارے مشائخ بھی نسبتاً سست پڑ گئے ہیں۔ پاکستان کے عوام نشانِ منزل کو منزل سمجھ کر بیٹھ گئے اور میرے خیال میں ہمارے مشائخ اور علماء عملی جہاد کو سمیٹ کر تبلیغ اور تدریس پر قناعت کرنے لگے۔ شاید وہ حکومتِ وقت کو موقع دینا چاہتے تھے کہ اب وہ

آزاد اور خود مختار مملکتِ خداداد میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون نافذ کرے۔ مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے قیامِ پاکستان کے بعد اسلامی آئین کی تیاری میں ضروری رہنمائی فراہم کی اور ۱۹۵۱ء میں بائیس نکاتی پروگرام کو بھی متفقہ طور پر منظور کیا، لیکن جس ذوق و شوق کا مظاہرہ تحریکِ پاکستان کے دوران دیکھنے میں آیا تھا وہ قیامِ پاکستان کے بعد ذرا ماند پڑ گیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سعادت دی ہے کہ ہم ان کے کامل تعاون کے ساتھ تحریکِ پاکستان کے دوران کئے گئے عہد کی تجدید کریں اور اس عہد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری اقدامات کریں۔

میں نفاذِ اسلام کی خاطر کئے جانے والے اقدامات کی تفصیلات بیان کر کے آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا، لیکن اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم نے اقتدار سنبھالتے ہی اوّلیت نفاذِ اسلام کے کام کو دی۔ اس سلسلے میں بالکل نئے سرے سے کام شروع کرنا پڑا۔ الجھے ہوئے معاشرے کو سلجھانا اور طرح طرح کے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا آسان کام نہ تھا۔ ہمیں جگہ جگہ دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی ملکی اور غیر ملکی علماء اور ماہرین سے مدد لینا پڑی اور مجھے خوشی ہے کہ ہم ایک قلیل عرصے میں نفاذِ اسلام کے لئے چند ٹھوس اور بنیادی اقدامات کرنے کے قابل ہو گئے۔

تیس سال کے جمود اور بے حسی کے بعد پہلی مرتبہ ہم اسلام کے چند رفاہی اور تعزیری قوانین نافذ کر سکے ہیں۔ اس کامیابی کے لئے جہاں ہمیں اسلامی نظریاتی کونسل اور دیگر اداروں سے مناسب رہنمائی حاصل ہوتی رہی ہے، وہاں ہمیں پاکستان کے آٹھ کروڑ عوام اور ہزاروں علماء اور مشائخ کا تعاون بھی حاصل رہا ہے۔

حاضرینِ ذی وقار! میں نے ابھی ابھی علماء اور مشائخ کے تاریخی کردار کا جو اجمالی خاکہ پیش کیا ہے، اس کا مقصد آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا ہے کہ آج

جب نفاذِ اسلام کے عمل کی ابتدا ہو چکی ہے، یہ لازم ہو گیا ہے کہ آپ اپنے تاریخی کردار کو تازہ کریں، اپنے مشن کو تیز تر کریں اور نفاذِ اسلام کے کام کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنی ذہنی اور روحانی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ قیامِ پاکستان سے پہلے آپ اور آپ کے بزرگ جس دین کی خدمت کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے تھے، آج اسے ہماری اجتماعی زندگی میں جاری وساری کرنے کا وقت آگیا ہے۔

نفاذِ اسلام کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہم سب کا دینی فرض ہے اور جیسا کہ میں نے پیشتر ازیں عرض کیا، اسی طرح کی تائید اور رہنمائی کے لئے پچھلے ماہ یہاں اسی ہال میں علماء کا ایک کنونشن بلایا گیا تھا جس میں تمام مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے سو سے زیادہ علماء نے شرکت کی تھی۔ وہ کنونشن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ اس کی سب سے نمایاں خصوصیت علماء کا احساسِ اتحاد یک جہتی تھا۔ تمام علمائے نے خواہ ان کا تعلق کسی بھی مسلک یا فرقے سے تھا، ایک پلیٹ فارم سے ملّتِ اسلامیہ اور اہالیانِ پاکستان کے اتحاد کی بات کی۔ تاریخی بائیس نکات کو از سرِ نو اپنایا۔ نفاذِ اسلام کے لئے پندرہ نکات پر مبنی ایک نیا چارٹر یا منشور منظور کیا اور نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز تر کرنے کے لئے مفید تجاویز پیش کیں۔

میں مشائخ کنونشن کے آغاز پر ان تمام علماء کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کنونشن میں شرکت کی اور ہمیں اپنی تجاویز سے نوازا۔ ان کی تجاویز جن میں اسلامی تعلیم کی ترویج، دینی مدارس کا قیام، نظامِ زکوٰۃ کی اصلاح، عدل و انصاف کے حصول میں آسانی، سودی نظام کا خاتمہ اور اسلامی قوانین کا مکمل نفاذ جیسے امور شامل تھے، حکومت کے زیرِ غور ہیں۔ ان کی بعض تجاویز مثلاً نظامِ زکوٰۃ

کی اصلاح اور بلاسود معاشی نظام کی ابتدا اور چند دیگر تجاویز پر عمل شروع ہو چکا ہے۔ باقی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کام ہو رہا ہے۔

محترم حضرات! یہ مشائخ کنونشن پچھلے ماہ منعقد ہونے والے علماء کنونشن کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کے بنیادی مقاصد کو چند سوالات کی شکل دی گئی ہے۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ ان کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

سوالات یہ ہیں:

اوّل: نافذ شدہ قوانینِ شریعت کو موثر بنانے کے لئے آپ کی سفارشات کیا ہیں۔

دوم: اسلامی اقدار کی ترویج واشاعت اور دینی فرائض کی پابندی کروانے کے لئے کیا اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ دوسرے الفاظ میں معاشرے کی اصلاح کن اقدام سے کی جائے۔

سوئم: ملّی اتحاد اور قومی یک جہتی کے فروغ کے لئے کیا کیا تدابیر کی جاسکتی ہیں۔

یہاں میں ایک فُٹ نوٹ کی حیثیت سے یہ بھی ضروری عرض کرنا چاہتا ہوں کہ "اقراء" یعنی پڑھنے کے حکم کی بجاآوری اور تعلیم کے فروغ کے لئے ہم مشائخ کے آستانوں کو عملی اور دینی مکتب بنا سکتے ہیں۔ میں علمائے کرام سے بھی اس خیال کے متعلق ان کی سفارشات چاہوں گا۔

میں ان موضوعات پر آپ کو باری باری اظہارِ خیال کی دعوت دینا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جس طرح علماء کنونشن نہایت کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت ہوا، اسی طرح مشائخ کا یہ اجتماع بھی ملک وقوم کے لئے مفید ثابت ہوگا، انشاءاللہ تعالیٰ۔

پاکستان پائندہ باد

مشائخ کنونشن کے اختتامی اجلاس سے خطاب

اسلام آباد : ۲۲ ستمبر، ۱۹۸۰ء

ایک روزہ مشائخ کنونشن، منعقدہ ۲۲ ستمبر، ۱۹۸۰ء اسلام آباد کے اختتامی اجلاس سے صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مشائخ نے اس کنونشن میں اپنے خیالات سے ہمیں مستفید فرمایا۔ میں ان کو بصیرت افروز، ولولہ انگیز اور ایمان افروز تقاریر کرنے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

صدر نے کہا کہ نفاذِ اسلام اور استحکامِ پاکستان کے لئے مشائخِ کرام کی خدمات کی اشد ضرورت ہے کیونکہ مشائخِ کرام کا عوام پر روحانی اثر ہے اس لئے وہ معاشرے کی اصلاح کے لئے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ علماء بورڈ کے طرز پر مشائخ بورڈ قائم کرنے کی تجویز بھی زیرِ غور ہے۔

نظامِ عدل کے قائم کرنے کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ حکومت نے نفاذِ اسلام کی خاطر اپنے اختیارات کو استعمال کرنے

کا تہیّہ کیا ہوا ہے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ حکومت ان کی سفارشات پر عمل درآمد کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔

جناب محمود ہارون صاحب،
مشائخِ عظام
اور
معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ میں سب سے پہلے ان مشائخِ کرام کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس کنونشن میں اپنے خیالات سے ہمیں مستفید فرمایا۔ ماشاء اللہ سبھی تقریریں اسلوب اور نفسِ مضمون کے لحاظ سے نہایت فکر انگیز اور ایمان افروز تھیں۔ میں ان بصیرت افروز اور ولولہ انگیز خیالات پر آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

میں محترم جناب پیر کرم شاہ صاحب کا نہایت ممنون ہوں کہ میں نے ان سے بغیر کسی اطلاع، بغیر کسی وارننگ کے، عین مغرب کے وقت درخواست کی کہ وہ اپنے دورۂ چین کے بارے میں کچھ تاثرات بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان

کا یہ دورہ نہایت کامیاب رہا اور آپ نے ان کے تاثرات نہایت اطمینان، تسلّی اور دل جمعی سے سنے۔ مجھے اُمید ہے ان کا اثر آپ پر ہوا ہو گا۔

میں یہاں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں ایک عالمِ دین، خاص طور پر جناب پیر کرم شاہ صاحب کی حیثیت کے عالمِ دین پر جب چین کے مسلمانوں کا اتنا اثر ہوا ہے تو اندازہ کیجئے کہ عام لوگوں پر کتنا اثر ہونا چاہیئے۔ لیکن میں آپ سے اس اثر کا صرف لبِ لباب عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ نوّے کروڑ چینی عوام ایک طرف اور نوّے کروڑ عالمِ اسلام کے مسلم عوام ایک طرف، دونوں کی آبادی تقریباً ایک جتنی ہے۔ گویا جیسا کہ پیر صاحب نے فرمایا ہے، چین ایک ملک نہیں ایک دنیا ہے، جس طرح عالمِ اسلام اپنی جگہ ایک دنیا ہے، اسلام کی دنیا۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اگر چین سے نہیں تو چین کے مسلمانوں ہی سے کچھ سیکھیں اور اس سلسلے میں دو باتوں کی طرف میں آپ کو متوجہ کرتا ہوں جو پیر صاحب نے بھی کہی ہیں۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے کہیں چینی نہیں دیکھی۔ یہاں ہم حکومت سے گلہ کرتے ہیں کہ آپ آٹھ روپے سیر اور چھ روپے سیر چینی راشن میں اور نو روپے سیر چینی بازار میں دیتے ہیں۔ جب میں کہتا ہوں کہ جناب ہم یہ چینی باہر سے منگواتے ہیں، ذرا کم استعمال کیجئے تو لوگ کہتے ہیں "اور منگوا لیجئے" چین کے عوام اتنی چینی بناتے ہیں کہ وہ چاہیں تو نہ صرف نوّے کروڑ چینی عوام خود کھا لیں بلکہ آدھی دنیا کو بھی کھلا دیں، لیکن وہ ساری کی ساری ایکسپورٹ کرتے ہیں۔ اپنے ملک میں تھوڑی سی رکھتے ہیں وہ بھی ڈلیاں کہ ضیاء الحق آئے گا۔ اگر اس کو ضرورت پڑی تو اس کو دے دیں گے۔

حضرت پیر کرم شاہ صاحب کو بھی انہوں نے یہی چینی دکھائی۔

چینیوں سے آپ کہئے کہ چینی پیجئے تو نہیں پیئں گے۔ ان کی زندگی کا یہ عالم

ہے کہ ایک طرف تو فیاضانہ دعوت دیتے ہیں کیونکہ ان کی مہمان نوازی اظہر من الشمس ہے، دوسری طرف سادگی کا یہ حال ہے کہ لباس صرف سادہ سی بوشرٹ اور پتلون پر مشتمل ہے۔ اس میں نماز بھی پڑھیں گے، کام بھی کریں گے اور اگر ضرورت پڑے تو اسی میں سو بھی جائیں گے۔

دودھ کا جہاں ذکر آیا وہ صرف بچوں کے لئے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری نئی پود کے جسم میں اتنی توانائی ہونی چاہیئے کہ وہ چین کا دفاع کر سکے، لیکن دودھ بڑوں کے لئے پینا ضروری نہیں ہے۔ سادگی اسلام نے دنیا کو سکھائی ہے اور آج ہم چین کا ذکر کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ قطع نظر ان چیزوں کے، جن کی طرف پیر صاحب نے تین چار مرتبہ اشارہ کیا ہے، ہم اگر صرف سادگی اختیار کر لیں تو ہماری زندگیاں سدھر جائیں گی۔ سادگی اپنائیں، لغویات سے پرہیز کریں اور ہم میں سے ہر شخص اس کی مثال خود قائم کرے تو ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ چیز میرے لئے لازمی ہے۔ مجھ سے زیادہ آپ حضرات کے لئے لازمی ہے کیونکہ مشائخ سے ملنے اور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے لاکھوں عوام آتے ہیں۔ اگر اس وقت آپ ان کے سامنے ایسی چائے پئیں جس میں چینی نہ ہو تو یہ بہت عمدہ مثال ہوگی۔ اس کے علاوہ ان سے کہیں کہ جب تک پاکستان میں چائے اور دودھ پیدا نہیں ہوتا، ہم پر اس کا پینا لازم نہیں ہے۔ مجھے اُمید ہے نو کروڑ پاکستانی عوام جن میں سے نوّے فی صد پر آپ کا اثر و رسوخ ہے، اس بارے میں اچھی رہنمائی حاصل کریں گے۔

میں نے اس اجتماع میں اس بات کا ذکر اس لئے بھی کیا ہے کہ مجھے معلوم تھا کہ علماء کنونشن میں آپ نے نہ صرف میری بلکہ علمائے کرام کی تقریریں بھی سنی ہوں گی اور ان کا مقصد بھی آپ پر واضح ہو گیا ہوگا۔ وہ مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ ضیاء الحق

کی تعریف کریں بلکہ میرا مقصد یہ تھا کہ ہم پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنائیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ پاکستان دنیا کی واحد مملکت ہے جو دینِ اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہے۔ اس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند ایک ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں دین کا نام کھلے بندوں لیا جا سکے اور اسلام کا نظامِ حیات قائم کیا جا سکے۔

میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں اسلام کا نظامِ حیات قائم کرنا صرف میرا کام نہیں ہے۔ مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے، مگر اسلام یہاں اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک مشائخِ عظام اور علمائے کرام اس کے لئے اتنی جدوجہد نہ کریں جتنی پاکستان بنانے کے لئے کی گئی تھی۔

آپ نے ابھی سنا، ایک صاحب نے فرمایا کہ ملک بنانا آسان ہے اس کا سنبھالنا مشکل ہے۔ آج اگر میں آپ سے ذکر کروں کہ پاکستان کن مشکلات میں ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔ ہم آٹھ کروڑ مسلمان جس وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم کلمہ گو ہیں، ہم صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں، یہاں کا ایک ایک بچہ، ایک ایک عورت، ایک ایک آدمی اس ملک کے دفاع کے لئے اپنا خون بہانے کو تیار ہے تو ساتھ ہی ہمیں یہ احساس بھی ضرور ہونا چاہیئے کہ چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر، بیسویں صدی عیسوی کے آخر میں مسلمانوں کا ایمان کمزور ہو چکا ہے۔ اس کو تقویت پہنچانے کی ضرورت ہے اور تقویت میری زبان نہیں پہنچائے گی، آپ کے کلمات پہنچائیں گے کیونکہ لوگوں کو مجھ پر شک ہو سکتا ہے کہ اس کے عزائم کچھ اور ہیں، یہ اپنی ممبرداری جمانا چاہتا ہے یا اپنی صدارت میں توسیع چاہتا ہے یا کچھ اور چاہتا ہے، لیکن جب آپ پیر صاحبان اور دوسرے اصحابِ علم کھڑے ہو کر کہیں کہ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور اللہ کا نام لو اور ملک کے دفاع کے

لئے ڈٹ جاؤ تو آپ کی نیت پر کسی کو شک نہیں ہوگا، اس لئے نظامِ اسلام کے نفاذ اور پاکستان کے استحکام کے لئے اگر اس وقت ضرورت ہے تو علمائے کرام اور مشائخِ دین کی خدمات کی، کیونکہ وہی آٹھ کروڑ عوام کے ذہنوں کو تسخیر کر سکتے ہیں۔

ایک دن میں فیصل آباد میں تھا، وہاں ایک عالمِ دین نے فرمایا کہ ہم مانتے ہیں کہ دینی اقدامات کی ضرورت ہے، لیکن آپ کو سب سے پہلے یہاں پر دینِ اسلام کے لئے آدمیوں کو تیار کرنا ہے، اگر صحیح معنوں میں لوگوں کو عملی طور پر مسلمان بنانے کی طرف توجہ نہیں دیں گے تو کوئی اقدام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری سونپی ہے اور میں صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر رات تک بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس ذمہ داری میں سرخرو کرے، لیکن میں تو مزدور ہوں، میں تو گارا ڈھونے والا ہوں، حقیقی نقاش تو آپ ہیں۔ جب تک آپ میرے پاس گارے کی اینٹ کو بھٹی میں نہیں پکائیں گے، یہ دینی عمارت نہیں تعمیر ہوگی۔ آپ میری مدد کیجئے۔

حاضرین گرامی! میرا آپ حضرات کو تکلیف دینے کا بھی یہی مقصد تھا۔ آپ کی قراردادیں ماشاء اللہ بہت جاذب ہیں اور ان قراردادوں کو منظور کر کے آپ نے صحیح معنوں میں مشائخ کا مقام واضح کر دیا ہے۔ میں حکومت کی طرف سے آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم نہ صرف آپ کے ارشادات کا جائزہ لیں گے، بلکہ آپ کی تمام قراردادوں کو عملی جامہ پہنانے کی بھی کوشش کریں گے۔

آج کی تقاریر میں میرا بھی ذکر آیا ہے، بعض حضرات نے میری ذاتی خدمات کو سراہا ہے اور میرے حق میں کئی کلماتِ خیر کہے ہیں۔ میں ان تمام مہربان اور کرم فرما

مشائخ کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں صرف یہی عرض کر سکتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ادنیٰ ترین خادم سمجھتا ہوں۔ میں اپنے ان بہی خواہوں اور دیگر حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک میرے دَم میں دَم ہے، میں اسلام کی خدمت کرتا رہوں گا اور جب تک عنانِ حکومت میرے ہاتھ میں ہے، میں اپنے سرکاری اختیارات کو دینِ اسلام کے لئے استعمال کروں گا، اور اگر سرکاری اختیارات میرے پاس نہ بھی رہے پھر بھی میں اسلام کی یہ خدمت جاری رکھوں گا کیونکہ میں اسی خدمت میں اپنی دینی اور دنیوی نجات سمجھتا ہوں۔

یہاں میں آپ سے ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ علمائے کرام اور مشائخ دین کے دلوں میں بہت وسعت ہونی چاہیئے۔ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات کا تعلق ہے، اس میں کسی کو شبہ نہیں، کسی کو کوئی شک نہیں۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنا میرے خیال میں مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

آپ مسلک کی بات کرتے ہیں، مَیں آپ کی توجہ حضرت اشرف علی تھانوی کے قول کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اپنے مسلک کو چھوڑو مت اور دوسروں کے مسلک کو چھیڑو مت۔ بہر حال، آپ سے میرا کہنا یہی ہے کہ ایک دوسرے پر خواہ ان کا تعلق کسی بھی مسلک سے ہو، الزام تراشی زیب نہیں دیتی۔

میں خود روضۂ مبارک پر جاتا ہوں اور اسے اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ کوئی شخص اپنے ملک سے نہیں نکل سکتا اور وہاں قدم نہیں رکھ سکتا جب تک اللہ جل شانہٗ کی عنایت سے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے اس کو بلاوا نہ آئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو بھئی! ہر تین مہینے بعد

ضیاء الحق وہاں پہنچا ہوتا ہے۔ جواباً میں کہتا ہوں کہ میں وہاں اپنی بیٹری چارج کرنے جاتا ہوں۔ جب تک وہاں کی روحانیت میرے دل میں رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کا کرم مجھ پر رہتا ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ کچھ خامی یا کمزوری آگئی ہے تو میں گڑگڑاتا ہوں کہ اللہ! مجھے موقع دے کہ میں پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اطہر پر جا کر پاکستان کے لیئے دعا مانگوں۔

اس مقام کا کیا کہنا، سبحان اللہ! میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم دینِ اسلام پر عمل کریں۔ اپنے اپنے مسلک پر قائم رہیں کیونکہ کچھ پتہ نہیں ہے کہ ہم میں سے کون صحیح ہے۔ اللہ کی نگاہوں میں کون صحیح معنوں میں متقی اور پرہیزگار ہے۔ ہمیں اپنے اپنے عقیدے کے مطابق اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی و رضا تلاش کرنی چاہیئے۔

میری خواہش تھی کہ اس کنونشن میں جو تقریریں کی گئی ہیں، ان پر فرداً فرداً اظہارِ خیال کرتا، مگر وقت کی کمی کے باعث ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے میں یہاں اٹھائے گئے نکات کا پہلے مجموعی طور پر اور پھر چند ایک باتوں کا فرداً فرداً ذکر کروں گا۔ اس کنونشن میں کی جانے والی تقریروں کا خلاصہ میرے خیال میں تین باتوں پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے یہ بات کسی ابہام یا شک و شبہ سے بالاتر ہے اور سبھی کو تسلیم ہے کہ پاکستان کی بنیاد صرف نظریۂ اسلام پر ہے۔ ملک کی بقا اور ترقی کا راز اسی نظامِ حیات کی پابندی پر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نفاذِ اسلام کے سلسلے میں اب تک موجودہ حکومت نے جو اقدامات کئے ہیں، انہیں لائقِ تحسین سمجھا گیا۔ تیسرے زمرے میں میں ان متفرق تجاویز کو لاؤں گا جو مختلف مقررین نے اسلامی اقدار کو اپنانے اور ملی اتحاد کو فروغ دینے کے لیئے پیش کی ہیں۔ میں آپ کی بیشتر تجاویز اور سفارشات

سے متفق ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کی ہر تجویز کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ میں نے اور میرے رفقاء نے آپ کے ارشاد کردہ تمام نکات نوٹ کئے ہیں۔ ہم انشاء اللہ جلد از جلد انہیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں گے۔ بعض تجاویز کے بارے میں تھوڑی دیر کے بعد میں کچھ اور اظہارِ خیال کروں گا۔

جہاں تک نفاذِ اسلام کے عمل کی رفتار کا تعلق ہے، میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ کام کی رفتار عوام کی توقعات سے کم رہی ہے۔ میں عوام کے شوق اور ان کی توقعات کی قدر کرتا ہوں کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اسلام کے کتنے شیدائی ہیں اور اسلامی معاشرے کے قیام سے ان کو کتنی گہری توقعات ہیں۔ ان کی حالت اس بھوکے پیاسے مسافر جیسی ہے جو ایک طویل عرصے تک لق و دق صحرا میں بھٹکنے کے بعد اچانک نخلستان کے کنارے آ پہنچتا ہے۔ ہم بھی انہیں نخلستان کی بہاروں سے جلد از جلد فیض یاب ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن ہماری دقّت یہ ہے کہ پہلے تیس سالوں میں سرے سے اس سلسلے میں کوئی کام نہیں ہوا۔ ہم نے جب اس کا تہیّہ کیا تو طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عصرِ حاضر میں کوئی ایسا ماڈل بھی ہمارے سامنے نہیں تھا جس کی ہم پورے طور پر تقلید کر سکیں۔ البتہ اسلامی دنیا کی چند مثالیں ہمارے سامنے تھیں جن سے ہم حوصلہ اور رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان دشواریوں کے باوجود ہم نے اپنی منزل کی طرف ضرور پیش قدمی کی ہے۔

اگر آپ آج کے حالات کا تین سال پہلے کے حالات سے موازنہ کریں تو آپ کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ ان میں کچھ مثبت تبدیلی کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ ملک میں بے حیائی، بداخلاقی اور مذہب سے لاپرواہی کا دور دورہ تھا۔ اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور اہلِ دین کی تضحیک کی جاتی تھی۔ اب

اہلِ دین کی عزت وتکریم کی جاتی ہے۔ اسلامی اقدار سے وابستگی کا کھلے بندوں اظہار کیا جاتا ہے۔ غنڈہ گردی اور بدکاری کے اڈے کسی حد تک ختم ہو رہے ہیں۔ شریف لوگوں کی عزّت اور احترام بحال ہوا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ابلاغِ عامہ کے ذرائع، قرآن کریم اور سنّتِ رسول ؐ کی بات کرنے لگے ہیں۔

نفاذِ اسلام کے لئے حکومت کی ساری کوششوں کا احاطہ کرنے کی بجائے میں صرف تین چار باتوں پر اکتفا کروں گا۔ اوّل یہ کہ نئی نسل کو صحیح خطوط پر تربیت دینے اور ان کے ذہنوں کو نظریۂ اسلام اور نظریۂ پاکستان سے روشناس کرانے کے لئے قومی تعلیمی پالیسی کو از سرِ نو مرتّب کیا جا چکا ہے تاکہ ہمارے نوجوان سچے مسلمان اور اچھے پاکستانی بن کر معاشرے کی خدمت کر سکیں۔

ایسے اجتماع میں آدمی کو اپنی ذات کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے، لیکن چونکہ دیوان صاحب پاکپتن کا پیغام پڑھتے ہوئے میرے ایک بھائی نے اپنی ذات کا کچھ ذکر کیا ہے، لہٰذا میں بھی اپنی ذات کا تھوڑا سا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایک چھوٹے سے آج کے زمانے کے حساب سے مڈل کلاس سکول کا پڑھا ہوا ہوں۔ میں نے پرائمری جماعت بوریوں کے فرش پر بیٹھ کر پاس کی۔ اس کے بعد میں نے گورنمنٹ ہائی سکول شملہ میں تعلیم حاصل کی اور چوتھی جماعت سے دسویں جماعت تک زیادہ عرصہ سکول ہوسٹل میں گزارا۔ پھر عمر کے اس دور میں جب انسان بچّہ نہیں ہوتا اور بعض چیزوں کی اس پر چھاپ لگ جاتی ہے، میں نے چار سال مشن کالج میں گزارے، لیکن ان چار سالوں کے دوران اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے اللہ کا نام بھی لیا ہے اور نمازیں بھی پڑھی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میں گنہگار آدمی ہوں اور اپنے آپ کو کامل نہیں سمجھتا، لیکن میں یہاں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آج پیر صاحب نے یہاں چین کا ذکر

کیا ہے کہ اس دور میں بھی وہاں کا چھ سال کا بچہ الحمد شریف اور کلمہ پڑھ رہا ہے تو اس کی وجہ آپ کو فوری طور پر نظر آنی چاہیئے جیسا کہ پیر صاحب نے فرمایا کہ چین میں والدین اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ بچے کو دینی تعلیم دیں۔ مجھے بھی اگر کچھ تھوڑا سا دین کا علم حاصل ہوا ہے تو یہ میری والدہ اور میرے والد کی تربیت کا نتیجہ ہے اور میں اس چیز کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر میرے بچوں میں کسی وجہ سے کوئی خامی رہ گئی تو یہ ان کا نہیں، میرا قصور ہوگا۔

یہاں آج آپ نے چادر اور چار دیواری کا ذکر بھی کیا ہے۔ کل شام میرے پاس جتنے خطوط آئے، ان میں سے ایک خط ایک سکول کی ہیڈ مسٹرس کا ہے اور انہوں نے چند والدین کے خطوط اپنے اس خط کے ساتھ منسلک کر کے بھیجے ہیں۔ ان تمام خطوط کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کو یہ کس نے اجازت دی ہے کہ آپ ہماری بچیوں کو یہ کہیں کہ چادر لے کر آؤ۔ یہ تو چودھویں صدی ہے، یہ تو بیسویں صدی ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہماری لڑکی دوپٹہ اوڑھے یا نہ اوڑھے۔ آپ بطورِ پرنسپل ایسا کہنے کا کیا حق رکھتی ہیں؟ انہوں نے مجھے وہ خطوط بھیجے ہیں اور ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ لڑکیوں کے سکولوں اور کالجوں میں چادر ہونی چاہیئے۔ ہم نے وہ حکم نافذ کر دیا ہے، لیکن اس سلسلے میں چند والدین کے خطوط ہیں۔ مجھے بتایئے میں ان کو کیا جواب دوں؟ آپ بتائیں کہ کیا اس چیز کی طرف ہمارا خیال نہیں ہونا چاہیئے؟

میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ یہ ہمارا اجتماعی فرض ہے۔ کوئی حکومت خواہ وہ دینی حکومت ہو یا اسلامی، پاکستان کی حکومت ہو یا کسی اور ملک کی، اس وقت تک دینی فرائض سرانجام نہیں دے سکتی جب تک کہ بچوں کی تعلیم کے لئے والدین کا تعاون حاصل نہ ہو۔

دوسری میری گزارش یہ ہے کہ جہاں میں نے آپ سے یہ گزارش کی تھی کہ چاٹے کی

پیالی بغیر چینی اور دودھ کے پئیں، وہاں آپ سے یہ گزارش بھی کرنے والا ہوں کہ آپ ہر والدین سے یہ کہئے کہ اپنے بیٹے اور اپنی بیٹی کو دین کی تعلیم سے روشناس کروائیں کیونکہ ایسا کرنا والدین کا ذاتی فرض ہے۔

ڈاکٹر افضل صاحب یہاں موجود ہیں جو ہمارے ہائر ایجوکیشن کے مشیر اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے چیئرمین ہیں۔ علماء کے کنونشن میں میں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ زحمت دی تھی کہ تھوڑے سے وقت میں علمائے کرام کو بتا سکیں کہ حکومت نے تعلیم کے معیار کو بلند کرنے اور اس کو دین کے ساتھ ہمکنار کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے ہیں؟ آج میں انہیں دعوت نہیں دے سکا تاہم میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم نے اس بارے میں مناسب اقدامات کئے ہیں۔

نہ صرف آج بلکہ آج سے کافی عرصہ پہلے سے اسلامی دینیات کا مضمون لازمی ہے۔ اس میں ہم نے کوئی کمی بیشی بھی نہیں کی۔ ہم نے کہا جس طریقے سے طلبا پڑھتے آرہے ہیں، اسی طریقے سے پڑھتے رہیں۔ بے شک بعض حضرات کی کتابیں علیحدہ ہیں لیکن اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جب تک کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ مسلمان ہے، اللہ ایک ہے، رسولِ اکرمؐ اس کے آخری نبی ہیں، تو میرے خیال میں پھر آگے معاملہ اللہ اور بندے کے درمیان ہے۔ اس کے بعد ہمیں آپس میں یا بچوں کے درمیان انتشار پیدا کرنے کے بجائے اتحاد پیدا کرنا چاہیئے اور ان کی ذہنی قوتوں کو اتنا بڑھانا چاہیئے کہ وہ حقیقی معنوں میں غلط اور صحیح کے درمیان تمیز کر سکیں۔

میں اس سلسلے میں آپ سے گزارش کروں گا کہ والدین کے فرائض جو ہم پر یکساں ہیں، ہمیں پورے کرنے چاہئیں۔ جو حکومت کے فرائض ہیں، ان کو انشاءاللہ میں پورا کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ اس سلسلے میں ایک تجویز جو آج آئی ہے، وہ البتہ نہایت احسن

ہے۔ میں دیکھوں گا کہ کس مناسب طریقے سے اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ وہ تجویز یہ ہے کہ تمام سکولوں اور کالجوں میں نماز با جماعت ہوا کرے۔

نظامِ عدل کے ضمن میں بھی حکومت نے کئی ٹھوس اقدامات کئے ہیں۔ قانونِ حدود کے تحت اب تمام مقدمات ہر ضلع کے سیشن جج سنتے ہیں اور سیشن جج کے فیصلوں کے خلاف اپیل کا حق صرف وفاقی شریعت کورٹ کو دیا گیا ہے تاکہ کسی انسانی غلطی یا قانونی کوتاہی کا ازالہ کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں میں صرف یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت قانون کے نفاذ کی راہ میں بہت سی مشکلات ہیں۔ میں نے علماء کنونشن میں اس کا ذکر کیا تھا اور آج آپ سے بھی ذکر کر رہا ہوں۔

میں پچھلے دنوں پشاور گیا تھا۔ میرا یہ دستور ہے کہ جہاں بھی جاتا ہوں وہاں کچھ وقت ضرور نکالتا ہوں کہ علمائے کرام سے اور مشائخ عظام سے ملاقات کروں۔ پشاور کے دورے کے دوران میری ملاقات مولانا شمس الحق افغانی سے ہوئی۔ کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹے کا اجتماع تھا۔ بہت سے علماء اور مشائخ کی طرف سے تجاویز آئیں۔ اس کے بعد مولانا افغانی نے کہا کہ میرے نقطۂ نگاہ سے صرف تین چیزوں کی طرف آپ توجہ دیجئے اور وہ تین چیزیں یہ ہیں: سب سے پہلے یہ کہ اگر ممکن ہو یعنی پاکستان کی اکانومی اور ورلڈ اکنامک سسٹم اس بات کی اجازت دیں کہ آپ مہنگائی کو کچھ کم کر سکیں تو اس سے بڑے منفعت بخش نتائج نکلیں گے۔ دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ رشوت ستانی کا قلع قمع کیجئے۔ اور تیسری بات انہوں نے یہ فرمائی کہ آپ نے چادر اور چار دیواری کا نام لیا ہے، اگر صحیح معنوں میں آپ نے لوگوں کو نہ تو انصاف دیا ہے اور نہ آج کل ان کی زندگیاں اور ان کی املاک محفوظ ہیں۔ کیونکہ چوری اور ڈکیتی عام ہو گئی ہے اور قتل و غارت جاری ہے۔

میں ان باتوں سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں، لیکن اس معاملے میں ہماری

مشکلات ہیں۔ مشکلات یہ ہیں کہ ایک عام پاکستانی یہ چاہتا ہے کہ اسے فوری طور پر انصاف ملے۔ میری بھی یہ کوشش ہے۔ اس کوشش کو پورا کرنے کے لئے میں نے فوجی عدالتیں قائم کیں اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ آج ترکی میں دیکھ لیجئے یہ صورت حال ہے؟ ترکی ایک جمہوریہ ہے جو اپنے آپ کو ایک لادینی حکومت کہتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہاں اسلام اتنا مضبوط ہے کہ میرے اور آپ کے لئے رشک کا مقام ہے۔ جب سے وہاں فوج نے حکومت سنبھالی ہے تو سب سے پہلے انہوں نے یہی کام کیا ہے کہ فوجی عدالتیں قائم کی ہیں۔

ہمارے ہاں معاشرے کی حالت اس قدر خراب ہے کہ جب تک آپ صحیح معنوں میں کوشش نہ کریں، کچھ نہ ہوگا اور میں نے بھی یہ تہیہ کیا ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت بخشی ہے تو میں انشاءاللہ تعالیٰ عنقریب وہ نظامِ انصاف فراہم کروں گا جو نظامِ انصاف اسلام میں ہے، جس کا ایک نقشہ آپ تک پچھلے علماء کنونشن کے حوالے سے پہنچا ہوگا۔ ابھی تک میں اس کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا ہوں۔

میں اس بات کا بھی قائل ہوں کہ جب تک ہم اپنا نظامِ عدل تبدیل کر کے اسے صحیح معنوں میں شریعت کے مطابق نہیں ڈھالیں گے، بات نہیں بنے گی۔ اس سلسلے میں ایک بات عرض کر دوں کہ یا تو میں اور آپ مسلمان ہیں، یا مسلمان نہیں ہیں۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کو صحیح معنوں میں مانتے ہیں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر ہمارا عقیدہ ہے اور پھر ہم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ اس کے ساتھ کہنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو پھر نیم دلانہ اقدامات کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ہم آدھے تو مسلمان ہوں اور آدھے کچھ اور اپنی فلاح کے لئے ہمیں پورا مسلمان بننا پڑے گا۔

نظامِ عدل کے بارے میں عنقریب عدلیہ کے ساتھ میری بات چیت ہوئی ہے۔

میں نے ان کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھا ہے۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ یا تو آپ مجھے کوئی حل دیجئے یا پھر میں خود وہ کروں گا جس کا مجھے علمائے کرام، مشائخِ دین اور میرے رفقائے کار کی طرف سے مشورہ دیا جائے گا۔

تیسرا بنیادی اقدام اسلام کے رفاہی نظام کا قیام ہے۔ یہاں میں صرف چند الفاظ میں، مختصر طور پر زکوٰۃ کے متعلق جو کچھ شبہات پیدا ہوئے ہیں، ان کو دور کرنا چاہتا ہوں۔

زکوٰۃ کا نظام جو ہم نے جاری کیا ہے اس کی بنیادی اکائی لوکل زکوٰۃ کمیٹی ہے۔ یہ زکوٰۃ کمیٹی ایک گاؤں کی سطح پر سات آدمیوں پر مشتمل ہوتی ہے اور شہری علاقے کے اندر ایک وارڈ جس کی آبادی ہزار، پندرہ سو پر مشتمل ہوتی ہے، وہاں پر ایک کمیٹی ہوتی ہے۔ اس کمیٹی کا چناؤ اس طریقے سے ہوتا ہے کہ اس علاقے کی انتظامیہ کے تحت اور اس علاقے کے ضلع کی ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران کی موجودگی میں اس علاقے کے تمام بالغ مرد اصحاب کو مسجد کے اندر بلا کر کہا جاتا ہے کہ اپنے سات آدمی چُن لیجئے۔

اس سلسلے میں آج ایک سفارش آئی ہے جو میرے خیال میں آج کے اخبار میں کسی کے بیان کی صورت میں ہے کہ زکوٰۃ کمیٹیوں میں مشائخ کو بھی ہونا چاہیئے۔ یہ تجویز اچھی ہے لیکن جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے ہر زکوٰۃ کمیٹی کے لئے سات نمائندوں کو مقامی لوگوں نے چنا ہے۔ اگر کسی مقام پر کوئی پیر و مرشد ہیں تو لوگوں کی طرف سے ان کا انتخاب ہونا چاہیئے۔ ان کو نامزد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں نامزدگی کا طریقہ ہے ہی نہیں۔

زکوٰۃ سے متعلق مزید یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ تاثر غلط ہے کہ ہم نے کہا کہ نصاب ساڑھے باون تولے چاندی کا ہونا چاہیئے۔ جب نئے قانون کا ڈھانچہ آپ

کے سامنے آجائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے اندر ہم نے تشریح کی ہے۔ ہم نے شریعت سے بالکل انحراف نہیں کیا۔ شریعت کا قانون یہ ہے کہ صاحبِ نصاب وہ شخص ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا یا اس کے برابر مال ہو۔ یہ فقہی نقطۂ نگاہ کے مطابق ہے۔ ہم نے اس کو اسی طرح لکھ دیا ہے لیکن اس کے ساتھ صرف یہ تشریح ہے کہ ہم نے اپنے نقطۂ نگاہ سے چاندی کو نصاب بنایا ہے اور صاحبِ نصاب کی تشریح بھی کر دی ہے اور بہت سے معیارِ نصاب جو آپ حضرات اور پاکستان کے عوام کی طرف سے آئے تھے' ان سب کو اس کے اندر سمو کر ایک نیا قانون بنا دیا ہے۔ اس کی چند اہم باتیں یہ ہیں کہ زکوٰۃ لازمی ہے لیکن ساتھ ہی ہم نے اسے اختیاری بھی کر دیا ہے۔ اختیاری اس طریقے سے کیا گیا ہے کہ کوئی بات کسی شخص کے مسلک کے خلاف نہ ہو۔ ہم نے نہ شیعہ کا نام لیا ہے نہ سُنّی کا کیونکہ میرے نقطۂ نگاہ کے مطابق اُمّتِ اسلامیہ کا اتحاد بہت ضروری ہے۔ اس اتحاد کی بنیاد رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منوّرہ میں ڈالی تھی۔ جب مہاجرین اور انصار مسجدِ نبوی میں آکر بیٹھے اور ایک اسلامی معاشرہ قائم ہوا، اس وقت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمّتِ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی۔ میرا اور آپ کا فرض ہے کہ ہم اس اتحاد کو قائم رکھیں۔ اس لئے میں نے کوئی شیعہ سنّی کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ میں نے یہ کہا ہے کہ پاکستان کا کوئی شخص اگر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مکتبِ فکر کے مطابق اس سے جو زکوٰۃ بینکوں سے وصول کی گئی ہے' وہ اس کے عقیدے کے خلاف ہے تو وہ وقتِ معیّن سے پہلے تین مہینے کے دوران ایک اقرار نامہ جس کا ہم نے ایک متن تیار کیا ہے، لکھ کر اپنے بنک کو دے تو اس کی رقم نہیں کاٹی جائے گی اور اگر غلطی سے کٹ گئی ہو تو اس کو واپس مل جائے گی۔ اس طرح زکوٰۃ کا جبری پہلو یوں تو قائم رہے گا کہ زکوٰۃ

ڈھائی فیصد کے حساب کاٹی جائے گی مگر جن اصحاب کے نقطۂ نگاہ سے یہ طریقِ کار ان کے فقہ کے خلاف ہے، وہ اقرار نامہ داخل کردیں گے تو مستثنیٰ ہو جائیں گے۔ ہم نے زکوٰۃ سے بچنے کے چور دروازوں کو بھی بند کردیا ہے۔ پھر ہم نے یہ بھی شرط رکھی ہے، مثلاً کوئی شخص اگر اہلِ سنت والجماعت بھی ہو اور زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اقرار نامہ بھی پُر کردے تو اس کے لئے ہم نے یہ شق بھی رکھی ہے کہ اس قسم کے جو بھی فقہی معاملات ہیں، ان کو ہر شخص شرعی عدالت میں چیلنج کرسکتا ہے تاکہ کوئی شخص چور دروازے سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس لئے ہم نے فقہی آراء کے مطابق اس کا دروازہ کھولا بھی ہے لیکن اس کا جبری پہلو بھی قائم رکھا ہے اور اختیاری پہلو بھی۔

آپ یقین جانیئے کہ لوگ اس انتظار میں تھے کہ پاکستان میں کب آپس میں فرقہ وارانہ لڑائی شروع ہوتی ہے تاکہ وہ درمیان میں جھپٹ پڑیں اور میں اگر آپ کو بتاؤں کہ لوگوں کے کیا کیا عزائم تھے تو آپ یقین نہیں کریں گے کہ میں پاکستان کا ذکر کر رہا ہوں یا کسی اور ملک کا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، علمائے کرام اور مشائخ عظام کی برکت ہے، ورنہ ہم اتنے گنہگار ہیں کہ ہم اس کی اتنی عنایات اور فضل وکرم کے حق دار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی مدد سے ایک ایک الجھاؤ سلجھ گیا ہے۔ اب زکوٰۃ کے آرڈی ننس میں آپ کی تمام تجاویز کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے اس قانون کو کچھ وسعت دے کر اس میں ترمیم کرکے نیا زکوٰۃ آرڈیننس تیار کیا ہے جو انشاء اللہ جلد آئے گا۔

جہاں تک زکوٰۃ کمیٹیوں کا تعلق ہے، اگر ان کے اندر کوئی کمی رہ گئی ہے یا کہیں غلط قسم کے آدمی آگئے ہیں تو آپ کو چاہیئے کہ آپ انتظامیہ سے کہیں، ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران سے کہیں، لوکل زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین سے کہیں کہ فلاں آدمی غلط ہے، اس لئے اس کو نکال دیں۔ ایسا کرنے کا آپ کو حق ہے کیونکہ زکوٰۃ کمیٹی آپ کی ہے۔ اس پر

ہم نے حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں رکھا۔ حکومت کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہمارے پاس جو رقم آجائے ہم اسے تقسیم کر دیں۔

یہاں یہ بھی وضاحت کر دوں کہ زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے بھی واضح فقہی اصول موجود ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی میں اسلام کا فلاحی پہلو اس وقت اُجاگر ہو گا جب ہم ایک ایسا نظام رائج کرنے میں کامیاب ہوں گے جس میں ایک مستحق، ایک بیوہ، ایک یتیم کو کسی کے سامنے جا کے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے بلکہ ضرورت مندوں کو تلاش کر کے زکوٰۃ ان تک پہنچائی جائے۔

پاکستان کے اندر ہم انشاء اللہ رفاہی نظام قائم کرنے والے ہیں لیکن وہ زکوٰۃ کی رقم سے نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے پاس خود اتنی گنجائش ہے کہ ہم ایسے فلاحی ادارے بنا سکیں۔ اس سلسلے میں علمائے کرام اور مشائخِ عظام یعنی آپ حضرات سے میں درخواست کروں گا کہ نگاہ میں اگر کوئی تجویز ہو تو اس سے مجھے آگاہ کریں تاکہ میں اس سے فائدہ اٹھا سکوں۔

ان اقدامات کے باوجود ہمارا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ ہم نے اپنی منزلِ مقصود حاصل کر لی ہے، بلکہ میں صرف اس قدر کہوں گا کہ ہم اپنی منزل کی سمت صحیح راہ پر گامزن ہوئے ہیں۔ میں صرف اسی قدر کہوں گا کہ ہمارا اصل نصب العین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی حاکمیّت کا قیام ہے۔ آپ کی تقاریر اور آپ کے بلند خیالات سے میرے عزم اور حوصلے کو تقویت حاصل ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مشائخِ کرام جس بات کا عزم کر لیں، وہ اللہ کے فضل و کرم سے اس میں ضرور کامیاب ہوتے ہیں، اس لئے کہ شیخ کی حیثیت اس مرشد اور پیشوا کی ہوتی ہے جس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ مرید کے لئے حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی تعمیل مرید کا ایمان ہوتا ہے۔ اگر شیخ کسی بات کا حکم دے تو مرید اس پر عمل

کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا اپنا فرضِ عین سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر مشائخِ کرام کسی کام کا بیڑا اٹھا لیں تو اس کی کامیابی انشاء اللہ یقینی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جس طرح آپ نے اسلام کی نشر و اشاعت اور توسیع و ترویج کا کام سرانجام دیا ہے اور پھر تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصّہ لے کر قیامِ پاکستان کو عملی صورت دی ہے، اسی طرح پاکستان میں نفاذِ اسلام کے عمل کو کامیاب بنانے کے لئے جذبۂ جہاد سے کام لیں گے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

اس سلسلے میں چند تجاویز جو میں نے ابھی ابھی پیر کرم شاہ صاحب کی زبانی سُنی ہیں، بہت اچھی ہیں۔ یعنی پاکستان میں ہمیں سادگی اپنانی چاہیئے۔ اس لئے ہمیں اپنی ضروریات کا دائرہ ذرا کم کرنا چاہیئے۔ میں یہاں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کچھ لاعلمی کی وجہ سے، کچھ غلط فہمی کی بنا پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان نے بہت سی اشیائے تعیّش کی درآمد کی اجازت دی ہوئی ہے۔ یہ غلط ہے۔ پچھلے دو سال سے نہ آپ کوئی ریفریجریٹر لا سکتے ہیں نہ ایئر کنڈیشنر لا سکتے ہیں، نہ ریڈیو لا سکتے ہیں نہ ٹیلی ویژن لا سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے امپورٹ نہیں کر سکتے۔ ہاں، اگر باہر کوئی آدمی ہے، اس نے اپنا روپیہ پیسہ کمایا ہے تو ذاتی سامان کے قواعد کے مطابق اس کو جو رعائتیں ہیں، ان کے مطابق لا سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک تجویز کا تعلق ہے، ہمیں اپنی زندگی کو سادہ رکھنے کی ضرور کوشش کرنی چاہیئے۔

زراعت میں ہمیں خود کفیل ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم رہا تو انشاء اللہ اگلے سال تک پاکستان میں راشن بندی نہیں رہے گی۔ یہ اس کا کرم ہے۔ آپ بھی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے نوازے۔

تعلیمی اصلاحات کے متعلق میں اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں، لیکن ایک تجویز میں نے نوٹ کی ہے کہ اساتذہ کا تقرر کرتے وقت ان کے کردار کی طرف ضرور دیکھنا چاہیئے۔

جہاں تک شہری دفاع کا تعلق ہے، اس کے لیئے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ پاکستان کے ہر شہری کے لیئے کچھ نہ کچھ فوجی تعلیم ہونی چاہیئے اور اس کو تربیت بھی دی جائے۔ اس کی دو وجوہات ہیں جو میں بتاتا ہوں۔ ایک یہ کہ ملک کا دفاع صرف فوج ہی کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ پوری قوم کا کام ہے اور قوم اس وقت تک اپنے آپ پر بھروسہ نہیں کر سکتی جب تک کہ اسے اپنی خامیوں اور خوبیوں کا صحیح معنوں میں علم نہ ہو۔ اس لحاظ سے حکومت پاکستان کی پوری کوشش ہے کہ پاکستان کے ہر شہری کو ملک اور اپنے دفاع کے لئے فوجی تربیت دی جائے۔ ایک وقت وہ آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دشمن ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔

میں یہاں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ابھی پچھلے دنوں ایک پڑوسی ملک میں اس قسم کی خبریں بھی شائع ہوئی ہیں کہ ضیاء الحق نے اپنے ایک خاص رفیق کو ایک خط لکھا ہے کہ ملک میں فوجی ٹریننگ لازمی ہونی چاہیئے اور اس سے ان کے عزائم ایسے نظر آ رہے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو لڑائی کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ جنابِ عالی! پاکستان کا دفاع پاکستان کی ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے پاکستان کے ہر شہری کو تیار ہونا چاہیئے۔ ہم کسی کے اندرونی معاملات میں نہ دخل دیں گے نہ دخل دے رہے ہیں، لیکن ہمارے اندرونی معاملات کو بھی آپ ہم پر چھوڑ دیں۔

میں نے قانونِ شریعت نافذ کرنے کے بارے میں آپ سے ذکر کیا ہے کہ کوشش کر رہے ہیں۔ انتظامیہ کی طرف سے کچھ تکالیف ہیں، لیکن اُمید ہے کہ انشاءاللہ

وہ بھی صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں گے۔

علمائے کرام کی طرف سے یونیورسٹی کی تجویز مخدوم صاحب نے دی ہے ایک یونیورسٹی کا نام ہم نے رکھ دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو مزید یونیورسٹیاں بنانے کی کوشش کی جائے گی اور ہر بڑے عالم دین کے نام پر ان کا نام رکھا جا سکے گا۔ اس سلسلے میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہیں اسلام آباد میں ایک اسلامی یونیورسٹی بن رہی ہے جس کی نہ صرف داغ بیل ڈالی جا چکی ہے بلکہ اس کام میں کافی پیش رفت بھی ہوئی ہے۔ انشاءاللہ آئندہ یہ کام اور آگے بڑھے گا۔ ایک اسلامی یونیورسٹی بہاول پور میں ہے لیکن اس میں تھوڑی سی کمی ہے۔ یہ نئی یونیورسٹی صحیح معنوں میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے بن رہی ہے۔ اس کا آرڈی ننس بن رہا ہے اور انشاءاللہ عنقریب آپ دیکھیں گے کہ اس میں علماء، مشائخ اور ان تمام حضرات سے جو اپنے آپ کو دین کے علم سے بہرہ ور سمجھتے ہیں، اس کام میں شمولیت کے لئے درخواست کی جائے گی۔

شعبۂ تبلیغ بہت کمزور ہے، اس کا علاج میں بعد میں بتاؤں گا۔ قوانینِ حدود کی طرف میں نے نشاندہی کر دی ہے۔ معاشرے کی خامیوں کا میں نے ذکر کیا ہے اور زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے تجویز بھی بہت بہتر ہے۔ اس بات پر بھی غور کیا جائے گا کہ قائداعظم کی شخصیت کو قانونی نقطۂ نگاہ سے تحفظ دیا جائے۔ قانونِ شہادت میں انشاءاللہ جیسے کہ ہم اس وقت تدوین کر رہے ہیں، اصلاح ہوگی اور قانونِ شہادت خود بخود صحیح معنوں میں اسلامی بن جائے گا۔ یہ بات بھی میں نے نوٹ کر لی ہے کہ سرکاری ملازمین کے دینی رجحانات کی نشاندہی کرنے کے لئے ان کی رپورٹوں میں ان کا ذکر بھی ہونا چاہیئے۔ مشنری سکولوں کے متعلق بھی میں نے ذکر کر دیا ہے کہ تعلیمی اداروں میں ان کا یہ فرض ہے کہ وہ صحیح معنوں میں نئی پود کو ابھرنے دیں، لیکن اس میں مشنری اور غیر مشنری کا کوئی

تعلق نہیں ہے۔

اسلام گھر سے شروع ہوتا ہے۔ باقی اداروں کا معاملہ اس سے آگے کی بات ہے۔ آج دینِ اسلام کے متعلق مغربی اعتراضات اور شبہات کے متعلق پاکستانی اخباروں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے۔ میں سیکرٹری منسٹری آف انفارمیشن، جناب مجیب الرحمٰن صاحب کو ہدایت دوں گا کہ وہ حکومت اور نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات میں خلافِ اسلام مواد شائع نہ ہونے دیں۔

دینی مدارس کی رپورٹ کی طرف جو توجہ دلائی گئی ہے، اس کے متعلق خیال رکھیں گے، لیکن میں جس امر کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ دینی مدارس کی رپورٹ ایک کمیٹی نے تیار کی تھی اور اس کا مقصد یہ ہے کہ نہ صرف فنونِ لطیفہ بلکہ جدید فنون سے بھی دینی مدارس کو فیضیاب کرنا ہے۔

مغرب کے ممالک اس وقت اسلامی مفکرین کے ممنون ہیں کہ انھوں نے ان کو علمِ طب پڑھایا، سائنس پڑھائی، جغرافیہ پڑھایا، ریاضی کے علم میں ماہر کیا۔ لیکن آج ہم مغرب کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور یہ ٹھیک بھی ہے۔ جب تک کہ ہم خود اس قابل نہیں ہو جاتے، ہمیں ان کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ لیکن جس بات کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ایک عالمِ دین کو علمِ دین کے ساتھ ساتھ جدید علوم و فنون کے متعلق بھی کچھ معلومات ہونی چاہئیں۔

جہاں تک دینی مدارس کی ڈگریوں اور ان طلبا کا تعلق ہے جو دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہوئے ہیں، ہم اس چیز کا نہ صرف جائزہ لے رہے ہیں بلکہ ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ ایک دینی مدرسے کی سند ہمارے کس نصاب کے مطابق ہوگی؟ میٹرک کے مطابق ایف اے کے برابر یا بی اے کے برابر؟ اور آیا اس کے حصول کے بعد انگریزی کا امتحان

دے کر اس کو ایم۔ اے اسلامیات کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں ؟ ان تمام پہلوؤں کا ہم جائزہ لے رہے ہیں اور ہماری کوشش یہ ہے کہ جہاں تک دینی مدارس کے مقام کا تعلق ہے وہ آگے چل کر اور بلند ہو۔

دینی مدارس علماء اور مشائخ کے ہاتھ میں رہے ہیں، حکومت کا ان میں کوئی ہاتھ نہیں لیکن حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ جتنا زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ تعاون اور جتنی مالی یا دوسری امداد بہم پہنچا سکے، پہنچائے۔ اس کے بعد دینی مدارس کے مہتمم صاحبان پر چھوڑ دیں کہ وہ کس قسم کی پود تیار کرتے ہیں۔

میں یہاں اس قرآن مجید کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں جو مجھے ابھی ابھی تحفتاً دیا گیا ہے۔ یہ قلمی نسخہ ہے۔ میں ممنون ہوں اپنے محسن کا کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا اور یہ بیش بہا تحفہ مجھے دیا۔ میں ان کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ نہ صرف میں اسے اپنی سعادت سمجھتا ہوں بلکہ میں اس قلمی نسخے کو ایک ایسے قومی ادارے کے سپرد کر دوں گا جہاں اس کی صحیح جگہ ہے تاکہ نہ صرف میں ہی اس کو پڑھ سکوں یا میری ذاتی لائبریری میں اس سے استفادہ کیا جا سکے بلکہ ایک قومی ادارے میں ہو تاکہ زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔

ہم نے علمائے کرام کی چند ایک کمیٹیاں بنائی ہیں۔ ان میں سے ایک کنوینگ کمیٹی جس کی تعداد پانچ تھی۔ ان کے ذمے ہم نے یہ کام لگایا کہ وہ سات کمیٹیاں اور بنائیں۔ ان میں تبلیغِ اسلام، تطہیرِ معاشرہ، دینی تعلیم، مساجد اور اوقاف سے متعلق کل سات کمیٹیاں تھیں جن کی تشکیل انشاء اللہ عنقریب ہو جائے گی۔ چونکہ ہم چاہتے تھے کہ اس میں شیعہ حضرات کی نمائندگی بھی ہو اور اس لیئے ہم نے جناب مفتی جعفر حسین صاحب سے بھی تجویز مانگی ہے اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ عنقریب اپنے نام بھیجیں

گے ۔ کچھ ان کی طرف سے نام آئیں گے ، کچھ جن حضرات کو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اس منصب کے اہل ہیں ، انہیں رکھیں گے اور اس طرح یہ کمیٹیاں اپنا کام شروع کر دیں گی۔

ایک اور اہم بات جس کا ابھی تک میں نے اعلان نہیں کیا لیکن اپنی تقریر میں ضرور کہا تھا کہ ایک علماء بورڈ بنے گا۔ اس علماء بورڈ کو تھوڑی سی اور وسعت دے کر ایک مشاورتی ادارہ بھی میں نے بنانے کی کوشش کی ہے۔

ایک تجویز یہ بھی پیش ہوئی ہے کہ مشائخ کا بھی ایک بورڈ بننا چاہیئے۔ آپ حضرات کی اس کے متعلق کیا رائے ہے ؟ بہر حال، میں تجویز پر غور کروں گا اور انشاءاللہ جو شخصیات اس میں ہونی چاہئیں ان کا میں خود اعلان نہیں کروں گا تاکہ آپ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ ضیاءالحق نے اپنے ہی سارے آدمی رکھ لئے ہیں۔ میں انشاءاللہ اس قسم کی ترکیب کروں گا جس سے مشائخ کی نمائندگی ہو اور چناؤ بھی مشائخ ہی کریں۔

ایک کمیٹی کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں جس کی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت ہے ، وہ تطہیرِ معاشرہ کمیٹی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں مشائخ کا بہت اہم کردار ہے ، اس لئے میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں کہ ایک چھوٹی سی کمیٹی جس میں کہ بہت زیادہ تعداد نہ ہو، تشکیل دی جائے جس کے ذمے یہ کام سونپا جائے کہ وہ حکومت ، مشائخ ، نظریاتی کونسل اور علماء بورڈ کو مشورہ دے کہ پاکستان کے اندر معاشرے کی تطہیر اور اصلاح معاشرہ کے لئے کیا اقدامات کئے جانے چاہئیں؟ مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں گے۔

آخر میں، مَیں آپ حضرات کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں اور خلوصِ دل سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص کا اس وقت یہ فرض ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے ، اسلامی نظام کو تقویت پہنچانے کے لئے اپنا کردار صحیح معنوں

میں ادا کرے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ آج جتنی تقاریر ہوئی ہیں، ان سب تقاریر، تمام تجاویز اور تمام مشوروں کا مجموعہ وزارت مذہبی امور ایڈیٹنگ کر کے شائع کرے گی اور انشاءاللہ میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا اور اس کی تشہیر پاکستان بھر میں ہوگی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ پاکستان کے مشائخ نے کیا تجاویز پیش کی ہیں۔

جہاں تک پاکستان کے استحکام کا تعلق ہے، اس میں جس طرح کہ آپ نے کئی صاحبان کو زبانی سنا ہے کہ چین اس وقت ایٹمی طاقت ہے، سُپر پاور ہے لیکن ان کی کسر نفسی ایسی ہے کہ اگر آپ ان کی طرف دیکھئے تو کہتے ہیں جناب ہم نے تو ترقی نہیں کی، ہمیں تو ابھی بہت کچھ کرنا ہے، ہم آپ کی مدد اتنی نہیں کر سکے جتنی کرنی چاہیئے تھی، اور یہاں میں آپ سے یہ ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم اس پڑوسی ملک کے جتنے بھی شکرگزار ہوں کم ہے کیونکہ اس نے ہمیشہ آڑے وقت میں ہماری مدد کی ہے۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ پاکستان ایسے مراحل سے گزر رہا ہے کہ لوگ اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آج افغانستان میں دیکھئے حال کیا ہے؟ لیکن یہ پاکستان کے عوام کی ہمت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ میں آج یہاں کھڑے ہو کر یا کہیں اور کھڑے ہو کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ افغانستان ایک اسلامی ملک ہے، افغانستان کے عوام آج سے نہیں، صدیوں سے آزاد ہیں۔ کسی ملک کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اس کا تشخص بدلنے کی کوشش کرے۔ یہ تو افغانستان ہے، خود روس میں ساٹھ سال کی اشتراکیت کے بعد بھی آپ کو اللہ کا نام لینے والے ملیں گے۔

میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تاشقند، بخارا اور سمرقند آج وہ سلطنتیں نہیں ہیں جو آج سے سو سال پہلے تھیں۔ ۱۸۷۶ء کے بعد وہاں پر اسلام کا نام تو لیا جاتا ہے

لیکن وہ بات نہیں ہے جس کا تصوّر ہیں اور آپ کر رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ سوچنا ہے کہ پاکستان ان آزاد ممالک میں شامل ہو گا یا سمرقند اور بخارا کی حیثیت میں شامل ہو گا (نعوذ باللہ) اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہمیں اس وقت جذبات سے کام نہیں لینا چاہیئے، ہمیں اس وقت ہوشمندی سے کام لینا چاہیئے۔ ہمیں اس وقت اپنے اندر وہ جذبہ پیدا کرنا ہے جس کے تحت ہم صحیح معنوں میں پاکستان کا دفاع کر سکیں۔ آپ نے یہاں سنا ہے کہ سچ کے معاملے میں آپ کو کسی سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ اسلام کے معاملے میں آپ ڈریں گے تو پھر آپ کو اتنا دبایا جائے گا کہ آپ خاک میں مل جائیں گے۔ اگر آپ اللہ کے نام پر جان دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی آپ کی حفاظت کرے گا۔

آج افغانستان کا حال یہ ہے کہ دس لاکھ سے زیادہ مہاجرین پاکستان کی سرزمین میں ہیں۔ لیکن عرصہ ڈھائی سال کا ہو چکا ہے اور دسمبر ۱۹۷۹ء سے لیکر آج ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء تک تقریباً چھ لاکھ مہاجر پاکستان آ چکے ہیں۔ کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا ہے جس سے مہاجرین یا انصار کے اندر کسی قسم کے اختلافات پیدا ہوئے ہوں۔ الحمدللہ! ان افغان مہاجرین کے کردار کی ہمیں تعریف کرنی چاہیئے کہ وہ صعوبتیں اٹھانے کے باوجود صحیح معنوں میں اپنے ملک کے دفاع کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، پاکستان ان تمام مہاجرین کی مدد کرے گا جو ایک مسلمان کو کرنی چاہیئے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ دوسری طرف ایک سُپر پاور کھڑی ہے جو اس کوشش میں ہے کہ پاکستان کوئی غلط قدم اٹھائے تو ہم اس کی گردن دبوچ لیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے ہم کسی سے لڑنا نہیں چاہتے، نہ اختلاف برائے اختلاف کے قائل ہیں۔ ہم کسی کے مخالف نہیں ہیں لیکن پاکستان کی سالمیت کے معاملے میں اگر کسی

نے دخل اندازی کی تو ہم اس کی اگر انگلی ہے تو انگلی کاٹ دیں گے، اگر ہاتھ ہے تو ہاتھ کاٹ دیں گے اور کوئی گردن بڑھی تو انشاء اللہ اس کی گردن دبوچ لیں گے۔ ہمارے اندر یہ جذبہ ہونا چاہیئے۔

اس وقت میں آپ سے صحیح معنوں میں عرض کر رہا ہوں کہ پاکستان بہت مشکل حالات سے گزر رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ان حالات کے باوجود پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ وہ عالمِ اسلام کے نوّے کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی اقوام متحدہ میں کرے۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو اور مجھے اس فرض میں بھی کامیاب اور سرخرو کرے۔

میں آپ کا احسان مند اور آپ کا شکرگزار ہوں اور آپ سے دعا کا ملتجی ہوں کہ آپ میرے حق میں اور اسلام کی خدمت کرنے والوں کے لئے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے، آمین — شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

قوم سے خطاب

راولپنڈی : ۲۸ ستمبر، ۱۹۸۰ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۸ ستمبر، ۱۹۸۰ء کو تہران ۔ بغداد روانگی سے پہلے قوم سے خطاب کیا۔

صدر نے اسلامی وزرائے خارجہ کی دعوت پر ایران، عراق جنگ کے خاتمے کے سلسلے میں تہران ۔ بغداد کا دورہ کیا تاکہ دو اسلامی ممالک کے درمیان جاری جنگ کا جلد از جلد خاتمہ ہو سکے ۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان کی یہ دلی خواہش ہے کہ دونوں فریق آپس میں صلح کر لیں۔

تہران بغداد دورے کے بعد صدر پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کے موقعے پر عالم اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرنے کے لئے نیویارک تشریف لے گئے۔

صدر نے قوم سے اپیل کی کہ وہ ان کے مشن کی کامیابی اور ایران عراق جنگ کے خاتمے کے لئے دعا کریں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ

میرے عزیز ہم وطنو !

السّلام علیکم ۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، عالمِ اسلام کے دو اہم ممالک یعنی ایران اور عراق گزشتہ چند روز سے ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ ہم ان دونوں ممالک کے ساتھ نہ صرف اسلام کے ابدی رشتوں میں منسلک ہیں بلکہ گہرے برادرانہ تعلقات بھی رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چند روز پہلے جب ان ملکوں کے درمیان جنگ چھڑنے کی خبر آئی تو پاکستان کے عوام اور پاکستان کی حکومت کو دلی رنج اور صدمہ ہوا۔ اس صورتِ حال کی اصلاح کے لئے ہم نے آغاز جنگ سے ہی اپنی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

سفارتی کارروائیوں کے علاوہ میں نے خود ایران کے صدر، جناب بنی صدر صاحب اور عراق کے صدر، جناب صدام حسین صاحب سے رابطہ قائم رکھا۔ علاوہ ازیں اقوامِ متحدہ میں ہمارے وزیرِ خارجہ جناب آغا شاہی صاحب نے دیگر اسلامی

ممالک کے وزرائے خارجہ کے ساتھ مل کر سفارتی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ جیسا کہ آپ نے سن لیا ہو گا، کل اقوام متحدہ میں مسلمان ممالک کے وزرائے خارجہ نے انڈونیشیا کی اس تجویز کو متفقہ طور پر منظور کر لیا کہ میں اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل، جناب حبیب شطی صاحب کے ساتھ فوری طور پر تہران اور بغداد کا خیر سگالی دورہ کروں اور دونوں ملکوں کا نقطۂ نظر معلوم کروں۔

اسلامی وزرائے خارجہ کی اس دعوت پر، بلکہ یوں کہئیے کہ عالمِ اسلام کے اس حکم پر آج میں اس نازک مشن پر روانہ ہو رہا ہوں۔ یہ مشن میرے لئے دینِ اسلام کی خدمت کا مشن ہے۔ یہ مشن میرے لئے ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کا مشن ہے۔ یہ مشن خیر سگالی اور امن کا مشن ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس مشن کو کامیابی کے ساتھ پورا کرنے کی ہمت دے اور پاکستان کو اس ذمہ داری سے باعزت طور پر سرخرو کرے (آمین)

ذاتی طور پر میں اپنے آپ کو اس تاریخی ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھتا۔ میرا واحد سرمایہ، میرا واحد سہارا میرے ہم وطنوں کی دعائیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے متعلق میری اُمیدیں ہیں۔ تہران اور بغداد کے بعد میں نیویارک جاؤں گا اور انشاء اللہ وہاں پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر عالمِ اسلام کی طرف سے جنرل اسمبلی سے خطاب کروں گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، یہ ذمہ داری اسلامی وزرائے خارجہ نے اپنے گیارہویں باقاعدہ اجلاس میں ایک متفقہ قرارداد کی شکل میں پاکستان کو سونپی ہے۔ مجھے اس مشن کی نزاکت اور اہمیت کا بھی پورا پورا احساس ہے۔

روانگی سے قبل آپ سے مخاطب ہونے کا مقصد آپ کو اس صورتِ حال

سے آگاہ کرنا ہے اور آپ سے التماس کرنا ہے کہ گھروں اور مسجدوں میں نماز کی ادائیگی کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں کہ وہ اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل میرے اس مشن کو کامیاب بنائے ، جنرل اسمبلی میں ہماری آواز کو قوّت اور اثر بخشے اور عالم اسلام نے ہمیں جو فرض سونپا ہے ، اسے موثر طور پر انجام دینے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے ۔ آمین !

پاکستان پائندہ باد

اشاریہ

"ن"

شائع کردہ
محکمۂ فلم و مطبوعات
وزارتِ اطلاعات و نشریات
حکومتِ پاکستان،
اسلام آباد

برق سنز پرنٹرز لمیٹڈ، اسلام آباد